مولانا عبید اللہ سندھیؒ

و دیگر مشاہیر

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی

مرتب: محمد شاہد حنیف

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ چیئر

سندھ یونیورسٹی، جامشورو

2017

Marfat.com

Marfat.com

مولانا عبیداللہ سندھیؒ و دیگر مشاہیر

از قلم: علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی

نظر ثانی:

پروفیسر ڈاکٹر قاضی خادم

مرتب: محمد شاہد حنیف

DATA ENTERED

M. 303861

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ چیئر

سندھ یونیورسٹی، جام شورو

Marfat.com

297.9924
ع 602 ع
160319

جملہ حقوق محفوظ

2017ء

نام کتاب: مولانا عبید اللہ سندھیؒ و دیگر مشاہیر
مصنف: علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ
مرتب: محمد شاہد حنیف ۰۳۲۲-۲۲۰۲۰۰۷
نظرثانی: پروفیسر ڈاکٹر قاضی خادم
کمپوزنگ: محمد افضل نعمت
ناشر: سیکرٹری علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ چیئر، سندھ یونیورسٹی، جام شورو
پرنٹنگ: انٹیل کمیونیکیشنز، 9-ربی چیمبر، حیدر آباد
تعداد: ۵۰۰
قیمت: ۴۰۰/روپے

ISBN:978-969-9341-07-6

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ چیئر کی کتاب نمبر۔۱۷

ملنے کا پتہ
علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ چیئر، سندھ یونیورسٹی، جام شورو

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Marfat.com

PANJAB
UNIVERSITY
LIBRARY

Marfat.com

فہرست

- پیش لفظ — از قلم پروفیسر ڈاکٹر قاضی خادم — ۱۱
- حرفے چند — از قلم پروفیسر امجد علی شاکر — ۱۳

حصہ اوّل: گوشۂ مولانا عبیداللہ سندھیؒ

- مولانا سندھی کی برسی اور مکتوب مولانا ابوالکلام آزاد — ۱۹
- مولانا سندھی اور دینی مدارس — ۲۲
- اکابر کی یاد میں [بیاد مولانا سندھی] — ۲۳
- مولانا سندھی کی یاد میں — ۲۵
- اکابرِ سیالکوٹ — ۲۸
- افاداتِ عبیداللہ سندھی — ۳۱
- افاداتِ عبیداللہ سندھی: ایک تاریخی دستاویز — ۳۴
- مغل بادشاہ مولانا سندھی کی نظر میں — ۳۸
- افاداتِ مولانا سندھی — ۴۱
- مولانا سندھی کے مختصر سوانح حیات — ۴۴
- امامِ انقلاب علامہ سندھی — ۵۳
- امام عبیداللہ سندھی — ۶۰

Marfat.com

○ سطعات [افاداتِ مولانا سندھی] ۷۱
○ امام عبید اللہ سندھی: مولانا حسین احمد مدنی کے بیان پر ایک نظر ۸۲
○ مولانا سندھی [ماخوذ تفسیر الہام الرحمان] ۹۵

حصہ دوم: دیگر علما و مشاہیر •

○ (امام) ابنِ حزم اور امام ابنِ جوزی ۱۰۱
○ ابو بکر شبلی ۱۰۴
○ (مولانا) محمد اسماعیل سلفی ۱۰۵
○ (مولانا) محمد اسماعیل گودھروی ۱۰۶
○ (قاضی) اکبر عباسی کے بیٹے کی حادثاتی وفات ۱۰۸
○ (شیخ محمد) اکرام ۱۰۹
○ البیرونی ۱۱۱
○ (سردار) امین خان کھوسو ۱۱۳
○ (محمد) ایوب قادری کے جواں سال بیٹے کی وفات ۱۱۶
○ (سیّد) باقر شاہ ایڈووکیٹ ۱۱۷
○ بہاؤ الدین زکریا ملتانی ۱۱۹
○ (محمد) حنیف صدیقی ۱۲۱
○ (مولانا) خوش محمد ۱۲۲
○ (مولانا سیّد محمد) داؤد غزنوی ۱۲۴
○ (مولانا) در محمد خاک ۱۲۵
○ (مولانا) دین محمد سندھی ۱۲۷
○ (مولانا) مولانا دین محمد وفائی ۱۲۸

Marfat.com

○ (مولانا) دین محمد وفائی کی تعلیم و تربیت	۱۳۲
○ (مولانا) رشد اللہ اور پیر جھنڈو کا کتب خانہ	۱۳۶
○ (مولوی) رفیق نذیر حسین جتوئی	۱۴۰
○ (ابوالہذیل امام) زفر عنبری بصری	۱۴۲
○ (مولانا) شاہ محمد	۱۶۳
○ شفیع احمد علوی	۱۶۴
○ (سیّد) شیر محمد شاہ سندھی	۱۶۵
○ (حکیم) عالم بلوچ	۱۶۶
○ (خواجہ) عبدالحئی فاروقی	۱۶۷
○ (خان) عبدالصمد خان اچکزئی	۱۶۸
○ عبدالعزیز باندوی	۱۶۹
○ (مفتی) عبدالقادر لغاری اور مولانا عزیز اللہ	۱۷۱
○ (مولانا) عبدالکریم قریشی	۱۷۲
○ (شاہ) عبداللطیف بھٹائی	۱۷۴
○ (ڈاکٹر) عبدالواحد ہالے پوتا	۱۸۴
○ (مولانا) عبیداللہ ولی اللّٰہی	۱۸۵
○ (مولانا) علی محمد کاکے پوتا	۱۸۶
○ (پروفیسر) غلام حسین جلبانی	۱۸۷
○ (مولانا) غلام محمد گرامی	۱۸۹
○ فاروق نیازی	۱۹۱
○ (شاہ) فیصل شہید	۱۹۲

Marfat.com

- (مولوی) فیض اللہ ۱۹۳
- (علامہ) قطب الدین شیرازی ۱۹۴
- (مولانا) محمد علی گوہر ۱۹۶
- (مولانا) محمود اسعد ۱۹۷
- (مولانا محمد) مدنی ۲۰۰
- (حافظ محمد) معروف ۲۰۳
- ممتاز حسن ۲۰۴
- مہدی شاہ جھنڈیوالہ ۲۰۵
- (ڈاکٹر) نور محمد ۲۰۶
- (سیّد) وڈل شاہ ۲۰۱
- (حکیم) ہاشم جان ۲۰۷
- (مولانا محمد) یوسف بنوری ۲۰۹
- (مولانا محمد) یوسف، بانی امیر تبلیغی جماعت ۲۱۱

حصہ سوم: علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی [خودنوشت، سفرنامے]

- خودنوشت: عکسی تحریر ۲۱۵
- سفرِ حجاز ۲۱۹
- بلوچستان کا علمی سفر ۲۵۸
- میری ذاتی لائبریری ۲۵۹
- مسجدِ اقصیٰ میں ۲۶۴

حصہ چہارم: اشاریہ [ازقلم: محمد شاہد حنیف] ۲۶۷ تا ۳۰۲

Marfat.com

پیش لفظ

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی سندھ کے ایک نہایت اعلیٰ پائے کے عالم اور استاد ہونے کے علاوہ ایک کشادہ دل انسان اور علم و ادب کی مختلف اصناف، مذہبی علوم اور اسلامی ثقافت پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ تحریک آزادی ہند سے لے کر ۲۱ صدی کے مذہبی، سماجی و معاشرتی مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نظر آئیں گے، جو کہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد کی جانب سے نکلنے والے اردو اور سندھی رسائل (الرحیم (سندھی) الولی (سندھی و اردو) میں ان کے لکھے ہوئے اداریوں میں قلمبند کئے ہوئے ہیں اور سندھ یونیورسٹی میں مہوش اینڈ جہانگیر صدیقی فائونڈیشن کی جانب سے قائم کی ہوئی علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر نے ان پر مشتمل ایک سندھی کتاب **"ایذو شان شعور"** (ترتیب: ڈاکٹر مظہرالدین سومرو) اور اردو ایڈیٹوریل "شذرات" (ترتیب: مولوی ڈاکٹر محمد ادریس السندی) کے نام سے ۳ جلدوں میں شایع کی ہیں۔

Marfat.com

اس سلسلہ اشاعت میں ان کے شاہ ولی اللہ دہلوی کے بارے میں چھپے ہوئے مضامین پر مشتمل کتاب 'فکر ولی الاہی' علامہ قاسمی چیئر کی جانب سے چھپ چکا ہے اور اب ان کے، بر صغیر کے بہت بڑے عالم با عمل اور قد آور شخصیت "مولانا عبیداللہ سندھی رحہ" کے بارے میں لکھے ہوئے مضامین شایع کئے جا رہے ہیں، جو نہ صرف ایک دینی شخصیت کا تذکرہ ہے بلکہ ان میں اس کی زندگی کے مختلف پہلوئوں کو اجاگر کیا گیا ہے اور مولانا صاحب کے حوالے سے بر صغیر کی سیاست اور معاشرت کے مختلف پہلو بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔ چونکہ مولانا عبیداللہ سندھی ایک بڑے عالم ہونے کے علاوہ اپنے آپ کو مسلم اُمہ کے لئے وقف کر چکے تھے اور اس خطے کو غیروں کے تسلط سے آزاد کرانے کے لئے پوری زندگی عملی جدوجہد میں گذارنے کے بعد آخری دنوں میں سندھ میں پیر جھنڈو (سعید آباد) میں آکر قیام پذیر ہوئے تھے جہاں علامہ قاسمی نے اپنے آپ کو ان کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا اور ان کے آخری دنوں کے ساتھی بن گئے۔ اس سے پہلے مولانا عبیداللہ سندھی بر صغیر کے مسلمانوں کے مسائل کے حل اور ان کی سیاسی آزادی کی خاطر روس سمیت دنیا کے کئی ملکوں کا دورہ بھی کر چکے تھے اور کافی عرصہ مکہ مکرم میں بھی درس و تدریس سے منسلک رہے تھے۔ اپنی اس جدوجہد کے بعد میں وہ جدید سیاسی نظریات سے بھی واقف ہوتے رہے اور خاص طور پر روسی انقلاب، کمیونزم اور اس کے ثمرات کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ بھی لے چکے تھے، جس سے وہ ایک ایسے عالم بن گئے تھے جس کی دنیا کو اس وقت سخت ضرورت ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے علمی و انقلابی نظریات و افکار سے علامہ قاسمی صاحب نے بہت استفادہ حاصل کیا اور یہ ہی اسباب تھے کہ انہوں نے مولانا موصوف کے بارے میں مختلف مضامین لکھے جو کہ اس کتاب میں شامل ہیں۔

Marfat.com

اس ضمن میں علامہ اقبال اکیڈمی کے جناب شاہد حنیف کا ذکر ضرور کروں گا، جو ایک محققانہ ذہن رکھتے ہیں اور مذکور دونوں کتب کو انہوں نے ترتیب دیا اور ظاہر ہے کہ ان رسائل کا حصول کتنا مشکل ہوگا، جن میں یہ مضامین چھپے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی محنت قابل تعریف ہے۔ لیکن اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے علامہ صاحب کے مضامین، اداریوں اور دیگر تصنیفات کی Index بھی بنالی جسے علامہ قاسمی چیئر کی جانب سے "اشاریہ" کے نام سے شایع کیا گیا ہے اور تحقیق کرنے والوں کے لئے یہ ایک بیش بہا کتاب کی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے موجودہ کتاب کی انڈیکس بھی بنالی ہے جو کہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ ادارہ جناب شاہد حنیف کا تہہ دل سے شکر گذار ہے جنہوں نے ہمیں ایسی انمول تصنیفات فراہم کیں۔

زیر نظر کتاب کا مواد تین حصوں پر مشتمل ہے:

۱۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی حیات اور افکار

۲۔ سندھ کے اہم مشاہیر کے بارے میں علامہ قاسمی صاحب کے مضامین

۳۔ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی کی مختصر سوانح حیات

کتاب کا ہر حصہ اپنے اندر نہایت اہم اور مفید مواد سمائے ہوئے ہے۔ خاص طور پر اس لئے بھی، کہ علامہ قاسمی جتنا مولانا سندھی کے نزدیک رہے، خاص طور پہ ان کی زندگی کے آخری ایام میں اتنا اور کوئی بھی ان کے نزدیک نہ تھا۔ اور علامہ صاحب کو مولانا سندھی کے بارے میں نہایت معتبر معلومات حاصل ہوئیں اور ان کے مسلم امہ کے فلاح و بہبود کے بارے میں افکار سے بھی آگاہی ہوئی۔ اس وجہ سے یہ کتاب آج کے دور میں بھی نہایت مفید اور کارآمد مواد سے مرصع ہے۔ اس وقت دنیا کے اسلامی ممالک جن مشکل حالات سے گذر رہے ہیں، ان کے مسائل اور ان کا

Marfat.com

حل بھی اس کتاب میں مل سکتا ہے۔ دوسری طرف سندھ کے اہم مشاہیر و علماء کا ذکر بھی اس میں شامل ہے جس میں قاسمی صاحب کی اپنی سوانح بھی شامل ہے، جسے پڑھ کر نئی نسل کو کامیاب زندگی گذارنے کا راستہ مل سکتا ہے۔

اس اسلامی تاریخی اور تحقیقی کتاب کی اشاعت کی لئے ہم مہوش اینڈ جہانگیر صدیقی فائونڈیشن کے مشکور ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ آگے چل کر بھی وہ اس چیئر کی علمی، ادبی اور تعلیمی خدمات کے لئے ساتھ دیتے رہیں گے۔

اس چیئر کی کارکردگی دیکھتے ہوئے سندھ یونیورسٹی کے وائیس چانسلر ڈاکٹر فتح محمد برفت صاحب بھی وقتاً فوقتاً دلچسپی کا اظہار کر چکے ہیں اور یونیورسٹی میں قائم شدہ دوسری چیئرز کو بھی کامیابی سے چلانے کا عزم رکھتے ہیں۔

میں علامہ قاسمی چیئر کی پبلیکیشن کمیٹی کے ممبران، مولوی ڈاکٹر ادریس سومرو، پروفیسر نظیر قاسمی، ڈاکٹر حبیب اللہ صدیقی اور چیئر کے سیکریٹری ڈاکٹر انور فگار ہکڑو کا مشکور ہوں جن کی وجہ سے یہ چیئر اپنے اشاعتی کام کو کامیابی سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کے ساتھ انٹیل کمیونیکیشنز کے جناب موہن مدہوش کا مشکور ہوں جن کی پر خلوص کارکردگی سے یہ کتاب کامیابی سے اشاعت پذیر ہوئی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر قاضی خادم

ڈائریکٹر (اعزازی)

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر

7-7-2017

Marfat.com

حرفے چند

حامداً ومصلیاً وتسلیماً!...... پاکستان کی سندھ دھرتی علم وآگہی کی سرزمین رہی ہے۔اس نے بڑے بڑے اہل علم پیدا کیے اس میں فکر ونظر کے نئے دریچے کھلے اور دین و دانش کی نئی روایتیں پروان چڑھیں۔بیسویں صدی کے سندھ میں علم کی ایک کہکشاں نظر آتی ہے۔اس سے پھوٹنے والی روشنیوں نے برصغیر پاکستان کو مستیز کیا۔ان اعاظم رجال میں مولانا عبیداللہ سندھی اور اُن کے تلمیذِ ارشد مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ہر طرح سے نمایاں نظر آتے ہیں۔مولانا عبیداللہ سندھی پنجاب میں پیدا ہوئے۔مگر وہ سندھی مشہور ہوئے، کیونکہ اسلام لانے کے بعد اُنھوں نے سندھ کو اپنا وطن بنایا۔اُنھوں نے سندھ دھرتی سے پیار کیا،اس میں بولی جانے والی زبان اور اس میں بسنے والے لوگوں سے پیار کیا۔یہی محبت کا جذبہ وجنوں تھا کہ وہ سندھی کہلاتے رہے۔مولانا سندھی کو سندھ کی سرزمین نے بے حد پیار دیا۔سندھ اسمبلی میں قرارداد پیش ہوئی کہ اُنھیں واپس وطن آنے کی اجازت دی جائے۔سندھی سرزمین نے اُنھیں کھلے دل سے قبول کیا اور اُن کی فکر ونظر کو آگے بڑھایا۔

مولانا سندھی کے معروف اور بڑے تلامذہ میں زیادہ تر لوگوں کا تعلق سندھ سے رہا ہے۔ اُن میں سے علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی بہت اہم ہیں اُنھوں نے تمام عمر مولانا کے علوم وافکار پر کام کیا۔شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے حضرت سندھی کے افکار وعلوم کی تفہیم وتعلیم اور نشر واشاعت کا کام کیا اور علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی نے اس اکیڈمی میں بیٹھ کر امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی بہت سی کتابوں کی تدوین کی اور ان کی اشاعت کی۔بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ان کی تفہیم آسان بنائی۔حضرت سندھی اور حضرت شاہ ولی اللہ کے افکار وعلام پر کتابیں رقم کیں۔ اکیڈمی سے الرحیم اور الولی دو جرائد شائع ہوتے رہے۔علامہ قاسمی ان میں مضامین بھی لکھتے تھے اور بعض اوقات اداریے بھی لکھتے تھے۔ان اداریوں میں وقتی ضرورت کے مسائل ومعاملات

Marfat.com

زیر بحث آتے تھے اور بعض اوقات مستقل ضرورت اور اہمیت کے مسائل و افکار بھی پیش کیے جاتے تھے۔ مولانا قاسمی کا ایک مستقل موضوع مولانا سندھی اور اُن کے افکار و نظریات رہے۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی حضرت سندھی کے تلمیذِ ارشد تھے۔ وہ اُس دَور میں حضرت سندھی کے شاگرد ہوئے جب مولانا مکہ سے واپس آئے تھے۔ وہ اپنے فکر و نظر میں پختہ ہو چکے تھے اور اپنے فکر و نظر کے ہر پہلو پر غور اور تدبر کر چکے تھے۔ اپنی سوچ اور فکر پر ہر طرح کے سوالات اُٹھا چکے تھے۔ علامہ قاسمی نے مولانا کے افکار کو سمجھا اور اُن سے حضرت شاہ ولی اللہ کی اہم کتابیں پڑھیں۔ اُنھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابوں کے ذریعے یہ بات پالی تھی کہ حضرت سندھی کے افکار و نظریات کا مآخذ و مرجع حضرت امام ولی اللہ دہلوی کے علوم و افکار ہیں اس طرح اُن کے لیے یہ بات آسان ہوگئی کہ وہ حضرت سندھی کی تفہیم کر سکیں اور اُن کے افکار سے اتفاق کر سکیں۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے الولی اور الرحیم میں مولانا سندھی پر بہت سے مضامین قلمبند کیے ان کے علاوہ شخصیات کے سلسلے میں بعض اہلِ علم پر بھی قلم اُٹھایا۔ زیرِ نظر کتاب میں 'مولانا اور دیگر مشاہیر پر' اُن کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ دیگر مشاہیر میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مولانا سندھی کے شاگرد اور عقیدت مند تھے۔ مثلاً دین محمد وفائی، محمد امین؛ کھوسو، حاجی عبدالواحد ہالے پوتا، غلام حسین جلبانی اور بہت سے لوگ مولانا سندھی سے مستفید ہوئے۔ اس کتاب میں بعض ایسے مشاہیر کا تذکرہ بھی ہے جنھیں مولانا سندھی کے گمنام تلامذہ میں شمار کیا جا سکتا ہے جیسے مولانا محمد مدنی تھے، مولانا محمد مدنی حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا سندھی کے تلمیذ رہے تھے۔ ایسے ہی اور بہت سے لوگ ہیں جن کا تذکرہ بالواسطہ طور پر مولانا سندھی کا تذکرہ ہی ہے۔ اُن کے اذکار سے مولانا سندھی کے افکار و سوانح کے بہت سے گوشے روشن ہوتے ہیں۔ آخر میں علامہ قاسمی کی مختصر سوانح، آپ بیتی اور سفرنامہ بھی شاملِ کتاب ہے۔ یہ تحریریں بھی مولانا سندھی کے ذکر سے خالی نہیں ہیں۔

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی نے راقم کو بتایا تھا کہ مولانا سندھی نے مولانا محمد مدنی کو سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھوائی۔ البتہ یہ تفسیر مکمل طور طبع نہیں ہوسکی۔ اس تفسیر کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں اُن افکار و خیالات کی تائید ملتی ہے جو پروفیسر محمد سرور نے اپنی کتابوں میں پیش کیے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں مولانا سندھی پر بہت سی نئی معلومات ملتی ہیں اور بہت سی گتھیاں سلجھتی ہیں۔

Marfat.com

مولانا سندھی کے بارے میں السید مولانا حسین احمد مدنی کے نام سے ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ حضرت علامہ قاسمی نے اس مضمون کے مندرجات سے اختلاف کرتے ہوئے واضح کیا کہ اس مضمون کے خیالات کا مولانا سندھی پر انطباق مناسب نہیں۔ راقم کی معلومات کے مطابق یہ مضمون السید مولانا حسین احمد مدنی کے قلم سے نہیں نکلا۔ یہ مضمون بعض لوگوں نے لکھ کر حضرت مدنی کے نام سے چھپوادیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مدنی کا اصل موقف اُن کی کتاب نقشِ حیات میں موجود ہے جس میں حضرت سندھی کے لیے محبت ہی محبت ہے۔ اُن کے ساتھ ہم خیالی اور ہم نظری ملتی ہے اور اُن کے افکار و نظریات کا احترام ملتا ہے۔ بہرحال اس مضمون کے مندرجات پر نقد و نظر ایک اہم کام ہے اور بحمد اللہ فاضل مرتب محمد شاہد حنیف نے اس کتاب کے ذریعے اس مضمون کو محفوظ کر دیا ہے۔ مزید برآں زیرِ نظر کتاب میں شاہ عبداللطیف بھٹائی پر بھی ایک مضمون شاملِ اشاعت ہے، یہ مضمون بہت اہم سمجھا جاسکتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ کے ایک شاگرد شاہ عبداللطیف کے مرید تھے اور حضرت شاہ ولی اللہ جب حج کے لیے جا رہے تھے تو اُن کی شاہ عبداللطیف سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبداللطیف ہم عصر تھے۔ ان کے مابین فکری رشتے بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں اور کیے جانے چاہئیں۔

زیرِ نظر کتاب ہمارے فاضل دوست محمد شاہد حنیف کا ایک نیا کارنامہ ہے۔ موصوف ترتیب و تدوین اور اشاریہ سازی میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے دل جمعی اور محنت سے زیرِ نظر کتاب کے مضامین جمع کیے اور سلیقے سے مرتب کیے ہیں۔ ان مضامین کی جمع آوری ایک کٹھن کام تھا جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے مکمل کیا۔ مزید برآں اُنھوں نے اس کتاب کے اخیر میں اس کا مفصل اشاریہ بھی مرتب کیا ہے تاکہ کتاب جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے علاوہ اس سے استفادہ آسان تر ہو جائے۔ ربِ کریم اُن کی محنت کو قبول فرمائے۔ المختصر! یہ کتاب ہر لحاظ سے بہت اہم ہے اور حضرت سندھی کے علوم و افکار کے طالب علموں اور دیگر محققین کے لیے روشنی فراہم کرتی ہے۔ میں اس کتاب کا تہہ دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔

پروفیسر (ر) امجد علی شاکر

Marfat.com

Marfat.com

حصہ اوّل:

گوشۂ مولانا عبیداللہ سندھیؒ

[سوانح، خدمات اور افکار و نظریات]

❁......❁❁❁......❁

Marfat.com

Marfat.com

مولانا سندھی کی برسی اور مکتوب مولانا ابوالکلام آزاد

۲۲ راگست کو وطنِ عزیز کے طول وعرض میں دُنیا کے عظیم انقلابی اور مجاہد حضرت علامہ استاذ عبیداللہ سندھی کی برسی منائی گئی، آپ کے عقیدت مندوں اور تلامذہ نے مختلف مجالس میں علامہ موصوف کی ولولہ انگیز سوانح حیات اور انقلابی کارناموں پر روشنی ڈالی ملک کے مقتدر اخبارات میں مضامین شائع ہوئے لیکن ہماری نظر میں ایک ایسا انسان جس کو قدرت کی طرف سے فطرتِ سلیم اور فہم عظیم عطا ہوا ہو جس کی ساری زندگی ایک تلاش ایک ولولہ ایک عزم لامتناہی اور انتھک جدوجہد میں گزری ہو۔ اور آزادی وطن کے سلسلے میں پچیس برس جلاوطن کی زندگی بسر کی ایسے عظیم انسان کی حقیقی یاد کی صورت تو یہ ہے کہ ان کے انقلابی افکار اور قرآنی تعلیمات سے آج کے نوجوانوں کو متعارف کرایا جائے اس سلسلے میں سندھ ساگر اکاڈیمی، بت الحکمۃ لاہور اور بیت الحکمۃ کراچی جیسے علمی اداروں نے کافی کام کیا تھا ضرورت ہے کہ اس علمی اور فکری کام کو آگے بڑھایا جائے، اس موقعہ پر ہمیں حضرت علامہ استاذ سندھی کے نواسے صاحب زادہ ظہیر الحق صاحب دین پوری نے، مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک غیر مطبوعہ خط کی کاپی بغرض اشاعت ارسال فرمائی تھی، یہ خط مولانا ابوالکلام آزاد نے صاحب زادہ ظہیر الحق کو جیل سے رہائی کے بعد مبارک باد کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جس سے حضرت الاستاذ عبیداللہ سندھی کی سوانح حیات کے بعض گمنام گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے اور وہ خط بجنسہٖ یہ ہے:

دہلی — عزیز القدر مولوی ظہیر الحق دین پوری سلمہ

۱۵ رستمبر ۴۷ء — السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ نے آزادی پر مبارک باد کا پیغام بھیجا۔ شکریہ! خط پڑھتے ہی مولانا عبیداللہ سندھی کی یاد آئی اور اس طرح آئی کہ صدائے درد زبان تک پہنچی اور زبان نے نوکِ قلم کے

Marfat.com

حوالہ کیا۔ قصہ بہت طویل ہے اسے مختصر کیا جائے تب بھی وقت سازگاری نہیں کرتا۔ ۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ کے ایام تھے ولی اللّٰہی قافلہ کے امیر حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہ نے انتہائی نامساعد حالات میں مولانا عبید اللہ سندھی کو کابل بھیج دیا۔ ان کو وہاں مختلف ممالک کے سیاسی رہنماؤں سے مل کر کام کرنے کا موقع ملا۔ ان میں جرمنی، فرانسیسی اور جاپانی سیاست داں چند ایک ایسے بھی تھے جو آج اپنے اپنے ملک میں برسرِ اقتدار ہیں اور عنانِ حکومت انھی کے ہاتھ میں ہے یہ لوگ اس وقت کے سیاسی رفیق یا مشیر ہیں کہ جب مولانا نے کابل میں حکومت موقتہ قائم کی خود اس کے وزیر ہند منتخب ہوئے اور ریشمی خطوط کی تحریک چلا کر برٹش حکومت کو للکارا اور میدان جنگ میں شکست دے کر اپنا مؤقف منوایا۔ برطانوی نمائندہ نے جنگ کے خاتمہ پر مصالحتی دستاویز پر دستخط کرتے ہوئے حکومت کابل کی خودمختاری کا اعلان کیا ہندوستان کے مطالبہ آزادی کو تسلیم کیا اور بتدریج ہند کو چھوڑ دینے کی وضاحت کر دی۔ اس کا انتقام برٹش حکومت نے امیر امان اللہ خاں سے تو لے لیا مگر مولانا سندھی کا کچھ نہ بگاڑ سکی یہ مولانا کا ذاتی سیاسی اثر تھا۔ جس سے وہ مرعوب تھی۔

پچیس سال کی جلاوطنی کے بعد ۱۹۳۹ء میں جب یہاں پہنچے تو دوسری جنگِ عظیم کا آغاز تھا۔ اُنھوں نے اپنی تحریک کانگریس میں پیش کرنے کے لیے میدان ہموار کیا۔ گاندھی جی تک نے اس تحریک کی مخالفت کی اس کے باوجود ''ہندوستان چھوڑ دو'' کا نعرہ ہاؤس نے مار دیا اس کی گونج بیلنگھم پیلس سے ٹکرائی۔ یہ سب کچھ مولانا نے باہر بیٹھ کر کیا۔ کسی بھی بحث میں حصہ نہیں لیا۔ اور نہ ہی کبھی کسی اجلاس میں شرکت کی یہ فن صرف وہی جانتے تھے ایک ملاقات میں چائے پر میں نے ان کے چہرہ سے کچھ ایسا تاثر قبول کیا کہ جس کی بنا پر ان سے پوچھ بیٹھا، فرمایا کہ چاہتا ہوں سوبھاش اسی وقت باہر چلے جائیں۔ کچھ دیر خاموش ہو کر رُخصت ہوئے اور اوکھلے اپنی قیام گاہ پر چلے گئے دوسرے دن اوکھلے سے دہلی کو ملانے والی آٹھ میل لمبی سڑک کے ایک ویران گوشہ میں سوبھاش سے ان کی ملاقات ہوگئی دوسری ملاقات ان کی بالی گنج کلکتہ میں ہوئی اسی ملاقات میں اسے جاپان جانے کے لیے رُخصت کیا حکومت جاپان کے نام وزیر ہند حکومت موقتہ کی حیثیت سے اسے ایک شناختی کارڈ دیا اور وہاں کے فوجی بورڈ کے سربراہ کے

Marfat.com

نام اپنا ذاتی پیغام۔ سوبھاش کے وہاں پہنچنے پر حکومت جاپان نے فوج میں ان پر اپنے اعتماد کا اعلان کیا اُدھر اعلان ہونا تھا کہ ادھر احمد نگر کے قلعہ سے کانگریس ہائی کمان کی رہائی بلاشرط کرلی گئی ورنہ حکومت کا یہ فیصلہ تھا کہ پورے قلعہ کو مع سیاسی قیدیوں کے بم سے اڑا دیا جائے ساتھ ہی ہند کی آزادی کا اعلان کر دیا اور ہم آزاد ہو گئے کون جانتا ہے کہ کس کی قربانیاں ہیں؟ جاپانی حکومت نے حضرت مولانا پر اعتماد کیا اس جرم کی سزا اسے ہیروشیما میں بھگتنی پڑی۔ حضرت مولانا کو ایسا زہر دیا کہ جس نے ان کی ہڈیوں سے کھال کھینچ لی۔ پھر ان کی دونوں آنکھیں نکال لیں اور ۲۲ راگست ۱۹۴۴ء کو اس مقام میں پہنچے جو پہلے ہی دن سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنے حضور میں مخصوص کر رکھا تھا۔ یدخلھم الجنة عرفھالھم۔

اس وقت آسمان اشک بار تھا۔ زمین رو رہی تھی ہندوستان سوگوار تھا۔ جرمن اور جاپان کا علمی اور سیاسی طبقہ بھی شریک ماتم تھا مگر حکومتِ برطانیہ نے اس خبر کو افواہ سمجھا تاج کے حکم سے وائسرائے ہند کے ذریعہ ایک تحقیقاتی محکمہ قائم ہوا۔ اس نے برطانیہ کے تمام سفارت خانوں سے رابطہ قائم کیا۔ تب کہیں جا کر اطمینان نصیب ہوا اور یکم ستمبر ۱۹۴۵ء کو پورے ایک سال نو دن بعد سرکاری طور پر اس امر کی تصدیق کی کہ مولانا واقعی فوت ہو گئے ہیں۔

ایک انقلابی کو ترازو کے ایک پلڑے میں ڈال دیں اور پوری دُنیا کو دوسرے پلڑے میں تو وہ ایک پوری دُنیا پر بوجھل ہوتا ہے۔ اب صرف اَیک یاد باقی ہے اور اس یاد کے ساتھ غم۔ غم صرف اس کا نہیں کہ یہ لوگ جدا ہو گئے غم اس کا ہے کہ وہ دُنیا ہی مٹ گئی جس دُنیا کی یہ مخلوق تھے ہم اس کاروانِ رفتہ کے پسماندگان رہ گئے ہیں۔ جنھیں نہ تو قافلہ کا سراغ ملتا ہے نہ منزل سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ ہمیں کوئی پہچانتا ہے۔ نہ ہم کسی کے شناسا ہیں۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ [۳۳/احزاب: ۲۳]

آزادی صد مبارک ان شہدا کو اور اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ان کی تربت پر ہوں۔

میں خیریت سے ہوں الحمد للہ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کریں۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔ والسلام۔ ابوالکلام!

[الرحیم: جولائی ۶۸ء، ص ۸۲-۸۴]

مولانا سندھی اور دینی مدارس

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم پچیس سال کی جلاوطنی کے بعد جب واپس وطن آئے تھے، تو آتے ہی کلکتہ میں علما کے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے اُنھوں نے فرمایا تھا کہ علما کو چاہیے کہ وہ مقامی زبانوں میں دینی اُصول عوام کے سامنے پیش کریں، کیونکہ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ کسی قوم کی عمومی تعلیم اس کی مادری زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں ممکن نہیں نیز یہ کہ ایسے علما بھی ہونے چاہئیں جو قرآن مجید کی حکیمانہ تفسیر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے پیش کریں۔

۱۷ اپریل ۱۹۴۴ء کو مولانا سندھی نے عربی طالب علموں کے ایک اجتماع کو جو حیدر آباد میں منعقد ہوا تھا، مخاطب کیا اور اُن سے کہا کہ ایک تو وہ سندھی زبان پڑھیں دوسرے عربی زبان میں کافی استعداد بہم کریں، تیسرے ان کو چاہیے کہ وہ انگریزی پڑھیں تاکہ آج کل یورپ میں جو ہلچل ہے اور وہاں جو انقلاب برپا ہے، اس کے حالات سے وہ براہِ راست واقف ہوسکیں، یقیناً ایک امام مسجد ایک خطیب اور ایک عالم اپنے اپنے دائرہ میں ایک رہنما کا درجہ رکھتا ہے اور اپنے اس منصب کا حق وہ اسی شکل میں ادا کرسکتا ہے وہ نہ صرف خود دینی اُصول سے پوری طرح واقف ہو، بلکہ وہ ان کو لوگوں کے ذہن نشین بھی کرسکے۔ اس کے لیے ایک تو حالاتِ گردوپیش سے اس کا باخبر ہونا ضروری ہے اور دوسرے جو مسائل لوگوں کو آئے دن پیش آتے ہیں، ان پر اس کی گہری نظر ہو۔

بدقسمتی سے ہمارے دینی مدارس کا موجود نصاب طلبہ کو اس قابل بنانے سے یکسر قاصر ہے کہ وہ لوگوں کی دینی رہنمائی کرسکیں اور پھر جو اس نصاب کو پڑھانے والے علما ہیں وہ اس کی محدود علمی فضا سے باہر نہیں نکل سکتے۔ دینی نصابِ تعلیم میں آج کی ضرورتوں کے مطابق مناسب تبدیلیاں ہوں اور عربی اور دینی مدارس کی موجودہ حالت کو بہتر بنایا جائے، یہ آج کی فوری ضرورت ہے اور اسے کسی نہ کسی حد تک محکمہ اوقاف ہی پورا کرسکتا ہے۔ [الرحیم: نومبر ۱۹۶۷ء، ص ۳۹۶]

160319

Marfat.com

اکابر کی یاد میں [بیاد مولانا سندھی]

حضرت مولانا سندھی کو سندھ اور سندھی زبان سے بے حد محبت تھی۔ آپ کی پیدائش اگرچہ ضلع سیالکوٹ پنجاب کے ایک گاؤں (چیانوالی) میں ہوئی۔ لیکن جب سے آپ نے اسلام کی خاطر سندھ کی طرف ہجرت کی اور سندھ کو اپنا وطن بنایا تو اپنے آپ کو سندھی لکھنا شروع کر دیا اور آخر دم تک اسی پر عمل پیرا رہے اور سندھی زبان اس طرح بے تکلف بولتے تھے جس طرح سندھ کا ایک دیہاتی بولتا ہے پچیس سال جلاوطنی کے ایام میں بھی آپ نے سندھ کو نہ بھلایا۔ اپنے ایک معتمد شاگرد مولانا محمد مدنی سندھی کو مکہ مکرمہ میں سندھ کے اندر تعلیم عام کرنے اور سندھی زبان کو ٹائپ رائٹر کے لیے سہل صورت میں پیش کرنے کے لیے ایک پروگرام سمجھایا اور ابتدائی مدارس کے لیے دو سندھی کتابیں اس نہج پر لکھوائیں جن کے حروف انگریزی کی طرح ایک دوسرے سے الگ لکھے ہوئے تھے، جن کے استعمال سے سندھ میں تعلیم عام ہو جاتی۔ مولانا محمد مدنی صاحب نے سندھ میں آکر کراچی میں اس نہج کا ایک اسکول بھی قائم کیا۔ جس میں وہ کتابیں چھپوا کر پڑھانا شروع کیں لیکن اس وقت کی حکومتِ برطانیہ نے سندھی کی ان دونوں کتابوں کو رُوسی نہج کی کتابوں پر چھپا ہوا دیکھ کر سیاسی وجوہ کی بنا پر ممنوع قرار دیا اور اسکول کو بند کر دیا۔

حضرت مولانا کی وفات بھی ۲۲ راگست ۱۹۴۴ء میں ہوئی اور یہ وہی ماہ تھا جس میں آپ نے وطن کی آزادی کے لیے باہر کی دُنیا میں جدوجہد شروع کی تھی بہرحال حضرت استاذ علامہ سندھی کی ساری زندگی پیہم جدوجہد رہی اور اُن کی ذہنی اور عملی حیات کا مرکزی نقطہ انقلاب تھا اور اسی کے گرد ان کے افکار کی ساری کائنات گھومتی رہی۔ مولانا سندھی کے نزدیک عقیدہ بھی عمل کی ابتدائی منزل ہے جب عقیدہ پختگی کی حد کو پہنچتا ہے تو وہ لامحالہ عملی دُنیا میں

Marfat.com

شکل پذیر ہو کر رہتا ہے۔ عمل کا نہ ہونا عقیدہ اور یقین کے نقص کی دلیل ہے۔ قرآن مجید سے آپ کی غیر معمولی محبت کا سبب بھی یہی ہے کہ قرآن عمل پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے اور اشترا کی انقلابیوں سے ایک گونہ وابستگی کے بھی یہی معنی ہیں کہ اُنھوں نے اپنے جوشِ کردار سے دُنیا کا رخ بدل دیا۔ [الولی: اگست ۱۹۷۲ء، ص ۶۶-۶۸]

❁......❁❁......❁

PANJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

مولانا سندھی کی یاد میں

۲۲ ر اگست ۱۹۴۴ء کو حضرت استاذ امام عبیداللہ سندھی کے رحلت کی تاریخ ہے۔ اس ماہ میں حضرت مولانا کے سندھ کے اندر معتقدین اور تلامذہ آپ کی برسی مناتے ہیں، اجتماعات ہوتے ہیں، مولانا سندھی کی زندگی اور افکار پر تقریریں ہوتی ہیں وغیرہ۔ یہ سب باتیں ہماری نظر میں رسمی حیثیت رکھتی ہیں۔ اصل چیز، جس کی آپ کی یاد کے سلسلہ میں سب سے اہم ضرورت ہے، وہ ہے مولانا کے عوامی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جدوجہد کرنا۔

قائدِ عوام صدر پاکستان ذوالفقار علی خان بھٹو کی قیادت میں پاکستان کے اندر جو حالیہ عوامی انقلاب آیا، بڑی زمینداریاں اور جاگیریں ختم ہو گئیں، تعلیم کو مفت اور عام بنایا گیا، بالغوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے، یہ اور اس قسم کی سب اصلاحات، مولانا سندھی کے پروگرام کا ایک حصہ ہیں، ہم نے جناب بھٹو کو عام انتخابات کے زمانے میں سندھ کے اندر اپنی انتخابی تقاریر میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

> ''ہم وہ انقلاب لانا چاہتے ہیں جس کے داعی شاہ ولی اللہ اور مولانا عبیداللہ سندھی تھے۔''

اب جبکہ عوامی حکومت قائم ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ مولانا عبیداللہ سندھی کی سرکاری طور پر برسی منائی جائے اور ۲۲ ر اگست کو کم سے کم سندھ کے اندر چھٹی کا اعلان کیا جائے۔ اس طرح وہ جماعتیں جو مذہب کو استحصال اور اقتدار کے لیے آلہ بنا رہی ہیں ان کو عملی جواب مل جائے گا اور عوام میں بھی اسلام کے ان دو عظیم بزرگوں کی تعلیمات کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوگا۔

مولانا سندھی کا فکر کیا تھا؟ ایک جگہ فرماتے ہیں:

> ''یہ بھی یاد رہے کہ جن ملکوں میں مشین پر کام کرنے والے مزدور اور

Marfat.com

کاریگر انقلاب پیدا کریں گے۔ اس وقت اگر وہاں کے کاشتکار بھی منظم ہو چکے ہوں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ مزدوروں اور کاشتکاروں کا یہ انقلاب ہمارے ہاں بھی آ کر رہے گا۔ ممکن ہے ہمارے ہاں ابھی یہ انقلاب اس قسم کی انتہائی شکل اختیار نہ کرے، لیکن اس انقلاب کی پہلی اور دوسری منزل سے تو ہمیں بہت جلد گزرنا پڑے گا۔ مانا اس وقت ہمارا ملک انقلاب کی آخری منزل سے قدرے دور ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ آج جو کچھ یورپ کی جمہوریت پسند قوموں کو پیش آ رہا ہے، کل یا پرسوں ہمیں بھی اس کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس لیے دانشمندی اور تدبر کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ابھی سے اس کے لیے تیار ہو جائیں۔"

قائدعوام نے تحقیق پاکستان کے عوام کو انقلاب کی پہلی منزل تک تو پہنچا دیا لیکن یہ اس وقت ہوا جب ملک ختم ہو رہا تھا، زبردست بیرونی کشیدگی کے ساتھ، ملک داخلی انتشار کا شکار تھا، اور ہے۔ اگر وادیِ سندھ کے اس عظیم مفکر اور جواں سال سیاست داں بھٹو صاحب کے سامنے اتنے مسائل نہ ہوتے تو آج ہم انقلاب کی آخری منزل کے قریب ہوتے۔ مولانا سندھی کے سیاسی ارشادات کا خلاصہ یہ ہے:

"ہندوستان میں ایک قوم نہیں بلکہ کئی اقوام آباد ہیں۔ ہندوستانی قوم کا یہاں کہیں وجود نہیں، البتہ ہندوستانی اقوام یہاں موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔"

ایک رقبہ زمین میں ایک مستقل زبان بولنے والی آبادی ایک قوم ہے، ایک سے طبعی ماحول میں رہنے اور ایک زبان بولنے کی وجہ سے اس کے افراد میں یگانگت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اپنا ایک تمدن بنا لیتے ہیں۔ ہندوستانی (برصغیر کی) اقوام میں سے ہر قوم اپنے اپنے رقبہ میں بااختیار اور آزاد ہو، اس کو پورا حق ہو کہ وہ اپنی زبان اور اپنے تمدن اور اپنے قومی وجود کو استحکام اور ترقی دے سکے۔ برصغیر کی اقوام کے یہ بنیادی اُصول ہوں:

"سیاست: اپنی رائے سے، اپنے اُوپر حکومت کرنے کا حق، جسے عرفِ عام میں جمہوریت کہتے ہیں۔ قوم کے ہر فرد کی خواہ وہ مرد ہو یا

Marfat.com

عورت مساوی حیثیت۔ نسل، مذہب یا ذات کی بنا پر کسی کو کوئی تفوق نہ ہو۔

اقتصادیات: صنعتی انقلاب کا مکمل نفاذ۔ سب کے لیے ایک سی اقتصادی سہولتیں، محنت کش طبقوں کا معیار زندگی دوسروں سے کم نہ ہو۔ سیاسی آزادی، اقتصادی آزادی کے بغیر بے معنی ہے۔ اقتصادی آزادی ایک گروہ یا جماعت تک محدود نہ ہو۔ بلکہ ملک کی عام آزادی بلا تمیز مذہب وملت اس سے بہرہ اندوز ہو۔

معاشرت: صنعتی انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے پرانے اوضاع و اطوار کو بدلا جائے۔ ہماری یہ چیزیں اس زمانے کی یادگار ہیں جب زندگی دوسرے ڈھنگ پر تھی۔ اب چونکہ زندگی یکسر بدل گئی ہے اس لیے یہ اوضاع و اطوار بھی فرسودہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ یورپی معاشرت اختیار کی جائے۔“

استاذ علامہ عبیداللہ سندھی کی جس طرح ماہ اگست میں رحلت ہوئی تھی، اسی طرح حسنِ اتفاق کہیے کہ ان کے امام شاہ ولی اللہ کی وفات بھی اگست میں ہوئی تھی۔ اس لیے مولانا کے معتقدین اور تلامذہ سے یہ استدعا کی جاتی ہے کہ مولانا سندھی کی یاد تازہ کرنے کے ساتھ ان اجتماعات میں حضرت شاہ صاحب کے فلسفہ اور فکر پر تقاریر اور مقالے لکھے جائیں تا کہ نئی نسل ان دونوں بزرگوں کے افکار سے مستفید ہو۔ [الولی: اگست ۱۹۷۳ء، ص ۲-۴]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

اکابرِ سیالکوٹ

سیالکوٹ پنجاب کی سرزمین ہمیشہ سے مردم خیز، خطہ رہا ہے۔ ماضی قدیم میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، مولانا عبداللہ لبیب، مولانا ابوالحسن اور مولانا قل احمد جیسی فاضل روزگار ہستیاں سیالکوٹ سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔ علمی دُنیا کو معلوم ہے کہ برصغیر کے علما کی کتابیں مصر اور استنبول میں سب سے پہلے علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی چھپی تھیں۔ جن پر ان ملکوں کے فضلا نے حواشی بھی چڑھائے اور ان کتابوں کی ممالک اسلامیہ میں بڑی قدر ہوئی۔

علمائے سیالکوٹ میں مولانا قل احمد جو کہ علامہ عبدالحکیم کے پڑپوتے لگتے ہیں۔ انھیں وادیِ سندھ سے بڑا علمی تعلق رہا ہے۔ لاڑکانہ سندھ کے قریب ایک گاؤں ''آریجا'' کے نام سے اب بھی موجود ہے، اس گاؤں کے محمد آریجہ سندھی نے براہِ راست مولانا قل احمد سیالکوٹی سے فیض حاصل کیا اور ان سے سیّد عاقل شاہ بالائی نے اور عاقل شاہ سے مولانا عبدالحلیم کنڈوی نے فیض حاصل کیا، جس سے شمالی سندھ کے دو بڑے درس گاہ ہمایوں سندھ اور شہداد کوٹ سندھ پیدا ہوئے، پہلی درسگاہ کے موسس خلیفہ محمد یعقوب صاحب اور دوسری درسگاہ کے موسس مولانا نور محمد تھے، پھر پورے سندھ میں ان کا علمی فیضان عام ہوگیا۔ ''تلویح'' اور ''خیالی'' پڑھانے کے لیے اس حلقے کے علما اپنے دروازوں پر جھنڈا گاڑتے تھے اور یہ ان کتابوں میں ان کے تبحر کی علامت تھی۔ معقول اور فلسفے میں میری سند صرف دو واسطوں سے مولانا فضل حق خیرآبادی سے ملتی ہے، باقی تحصیل سیالکوٹی میں میرے اساتذہ بھی اُوپر کے سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حسنِ اتفاق یہ ہے کہ علامہ عبدالحکیم کے علم حدیث کا سلسلہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی وساطت سے سندھ کے محدثین سے جاملتا ہے، اس طرح یہ علمی تعلق بہت پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔

یہ تو تھیں پُرانے دور کی باتیں، ہمارے دور میں بھی اسی سیالکوٹ سے دو نابغہ روزگار

Marfat.com

ہستیاں، استاذ محترم مولانا عبیداللہ سندھی اور ڈاکٹر محمد اقبال پیدا ہوئے، جن کی شہرت بھی اکناف عالم تک پہنچ گئی۔ مولانا عبیداللہ صاحب نے اپنے اسلام کا اعلان سندھ میں کیا اور سندھ میں ہی سکونت اختیار کی، اس وجہ سے سندھی کہلانے لگے، ورنہ اصل میں ان کا منشا اور مولد بھی ضلع سیالکوٹ تھا۔ مولانا مرحوم کی ساری زندگی سراپا انقلاب تھی۔ اس لیے آپ نے امامِ انقلاب، کے لقب سے شہرت پائی۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم کا صد سالہ جشن منایا جارہا ہے، بے شک وہ اس لائق ہیں کہ ان کی یاد تازہ رکھی جائے، کیونکہ اُنھوں نے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کو غلامی کے خلاف اپنے اشعار سے جگانے کی کوشش کی بلکہ پوری دُنیا کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا چاہا اور فرمانے لگے

شرق و غرب آزاد ما نخچیر غیر — خشت ما سرمایہ تعمیر غیر
زندگانی برمراد دیگران — جاودان مرگ است نے خواب گران

اُن کے اشعار کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی خودی اور استقلال کو محسوس کیا اور ہر جگہ آزادی کی تحریکیں شروع ہوگئیں، برصغیر میں مسلمان انتشار کا شکار تھے، ان کے سامنے کوئی واضح راستہ متعین نہ تھا، اقبال نے ان کو واضح راہ بتلائی، جس پر وہ چل پڑے اور اس کے نتیجے میں اُنھوں نے آزادی حاصل کی۔ ایک مفکر شاعر کا اتنا ہی کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی جادو بیانی سے قوم کو صحیح راہ کی نشان دہی کرے، آگے اس کے لیے قربانیاں دینا اور قید و بند، دار و رسن کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا، یہ دوسرے لوگوں کا کام ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی شاعری کو گل و بلبل کی داستانوں سے ہٹا کر انسانیت کی فلاح اور مسلمانوں کو سائنسی دور کی برکات سے استفادہ کرنے پر اُبھارنے پر موڑ دیا۔ یہ ان کا بہت بڑا کمال اور کارنامہ ہے۔ آپ کا سرمایہ داری اور عیش پرستی کے خلاف نعرۂ مستانہ بھی بالکل وقت کی پکار تھی اس نے قوم کے شعور اور خودی کو جلا بخشی۔

کئی سال ہوئے ایک مرتبہ ہم نے سندھ مسلم کالج کراچی میں استاذ محترم عبیداللہ سندھی کی یاد میں ایک برسی منائی جس کی صدارت تو سندھ کے مشہور صحافی اور دانشور سیّد علی محمد

Marfat.com

شاہ نے کی اور مہمان خصوصی مولانا عبدالمجید سالک نے تقریر فرمائی۔ لکھے پڑھے اور دانشور لوگوں کا بڑا اجتماع تھا۔ سالک مرحوم نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مولانا غلام رسول مہر ماضی قدیم میں فریضہ حج ادا کرنے گئے تھے، مکہ مکرمہ میں ان کی ملاقات علامہ عبیداللہ صاحب سندھی سے ہوئی، علامہ سندھی مرحوم نے اپنے پروگرام کی ایک کاپی مہر صاحب کو دی۔ مولانا نے یہ پروگرام استنبول میں بنایا تھا اور استنبول میں ہی انگریزی اور اُردو ٹائپ میں چھپا تھا، جس کی خاص بات یہ تھی کہ ہندوستان کو مختلف اقوام کا ملک بتایا گیا تھا اور جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ان کے خصوصی حقوق اور اگر چاہیں تو الگ ہو جائیں کا ذکر تھا۔ مولانا غلام رسول مہر صاحب جب واپس ہوئے تو ڈاکٹر صاحب سے اس کا ذکر کیا اور وہ کاپی ان کو دے دی۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس پروگرام کو سراہا۔ اسی اثنا میں ڈاکٹر صاحب کو الٰہ آباد میں یونیٹی کانفرنس کی صدارت کے لیے جانا تھا اور ڈاکٹر صاحب نے وہاں جو خطبہ دیا، اُس میں سیالکوٹ کے دوسرے عظیم انقلاب اور مفکر علامہ عبیداللہ سندھی کے پروگرام کی بعض اہم باتوں کا بھی ذکر کیا، مولانا جب کہ حکومت کے باغی تصور کیے جاتے تھے، اس لیے ان کا نام نہ لیا۔ اس تقریر کو مبارک ساغر کے اخبار سوشلسٹ کے سوا کسی دوسرے جریدے نہیں چھاپا۔ سوشلسٹ اخبار کا پرانا فائل آج بھی اس کے لیے شاہد ہے۔

بہر حال سیالکوٹ کے یہ دونوں اکابر برصغیر کے بڑے زعما میں تھے، جن کی بدولت وطن آزاد ہوا اور مسلمانوں کی بہت بڑی حکومت وجود میں آ گئی۔ [الولی: اکتوبر ۱۹۷۷ء، ص ۲-۴]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

افاداتِ عبید اللہ سندھی

ایک مرتبہ میرے شیخ علامہ عبید اللہ سندھی نے فرمایا: اب ہم مذہب اور اقتصادیات کے متعلق اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

ہم قرآن حکیم کی تشریح موجود تہذیب کے عام نظریات سے کرنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ وہ ہماری عام قومی ذہنیت کے قریب آجائے اور ہم اسے اپنا سکیں، یعنی قرآن کی تشریح ان ہی نظریات کے اندر ہونی چاہیے۔

اس تشریح کو صحیح طریقہ سے مقرر کرنے کے لیے ہم نے ایک پروگرام واضح کرلیا ہے شاہ صاحب کی حکمت سے ادھر وہ انسانیت کے عام نقطۂ نگاہ سے بات کو مشخص بناتے ہیں اس فلسفہ کے تثبت سے برصغیر میں اسلامی تاریخ اور تعلیم کا نچوڑ محفوظ کرلیا۔ اس فلسفے کی تشریح میں یورپین اصول استعمال کرتے ہیں۔ ہم اسلام سے منحرف نہیں ہوسکتے بلکہ ہم یورپ کے لیے ایک راستہ گھڑ دیں گے کہ یورپ کو ہمارے انٹرنیشنل ازم مس داخل ہونے کی مجبوری پیدا ہو جائے۔

یورپ کو مجبور کرنے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ شاہ صاحب کے فلسفے کے توسط سے برصغیر کو اسلام میں ضم کرلیا جائے اگر ہم اس میں کامیاب ہوگئے تو یورپ ہماری اطاعت پر مجبور ہو جائے گا۔ اس لیے اسلامی قومیں جو یورپی گروپ میں شامل ہو رہی ہیں وہ اپنا فلسفہ نہ ہونے کی وجہ سے اس میں داخل ہو رہی ہیں اور جب ہم اپنے فلسفے کو فروغ اور تقویت دے لیں گے تو اس کے اثر سے اسلامی اقوام اور ان کے اثر سے یورپ بھی اس ہمارے انٹرنیشنلزم میں داخل ہوگا۔

حضرت شیخ کا یہ پروگرام چونکہ وطن کی آزادی سے پہلے کا تھا لہٰذا آپ نے جو کچھ سوچا تھا اس دور کے حالات کے مطابق سوچا تھا، اس لیے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا اس پروگرام کی تکمیل میں ہم مسلمانانِ ہند کے علاوہ دو قوموں سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں

Marfat.com

ایک ہندو اور دوسرا انگریز، کسی اور قوم سے کسی قسم کا استفادہ کرنے کو اس تحریک کی موت سمجھتے ہیں۔

دوسری مسلمان قوموں میں ایک قسم کی نخوت پیدا ہو چکی ہے جس کی وجہ سے ہم برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ ملنے کو تیار نہیں ہیں۔ اور اگر ہم ان سے استفادہ کرنے کا خیال کریں تو ان کی یہ نخوت اور ترقی پذیر ہوتی ہے، اور جب ہم ان سے علیحدہ ہو جائیں گے تو انھیں اپنے آپ کو سنبھالنے کی فکر ہوتی ہے۔

مثلاً یورپین سائنس ہم عربی کے ذریعے پڑھیں یا براہ راست زبانوں میں؟ ہم عربی تراجم کے ذریعے سے یہاں کے مسلمانوں کو پڑھانا حرام سمجھتے ہیں وہ سیدھا یورپ سے سمجھیں۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ [سورۃ الملک:۲]: اس آیت کی حضرت شیخ نے ایک سائنسی تشریح فرمائی جو یہ ہے: لوہا جب تک اپنی صورت نوعیہ کا مالک ہے زندہ ہے، جب اس کی صورت نوعیہ اس سے چھینی گئی۔ لیکن ذرے وہی باقی رہیں تو اسے ہم اس کی موت کہتے ہیں۔ دوسری حالت پہلی حالت کی ضد پیدا کرنے سے طاری ہوتی ہے اس لیے حیات اور موت دونوں کو خلق کہتے ہیں۔

نبات: نباتات میں ظاہر ہے اس میں نشو و نما ہے۔ بیج سے ایک چیز پیدا ہوتی ہے اور جب یہ صفتیں نباتات سے ختم ہو جائیں تو ہم اس کو اس کی موت سے تعبیر کریں گے اور چونکہ درخت کی موت ایک متضاد حالت پیدا کرنے سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اسے خلق کہا جاتا ہے۔

حیوان: اب حیوانات کو لو اس کی حیوانیت گم ہو جائے تو یہ اس کی موت ہے حس و حرکت ارادی ختم ہو گئی تو یہ موت ہے۔ اس حس و حرکت کو ختم کرنے کے لیے ایک سبب پیدا کرنا پڑتا ہے اسی لیے اسے بھی خلق الموت کہہ سکتے ہیں۔

انسان: اب انسان کی موت و حیات کو لو۔ انسان کا جثہ اور اس کے اندر نسمہ ہے جس وقت نسمہ جثہ سے الگ ہو جائے تو اسے موت سے تعبیر کرتے ہیں اور جدائی خاص اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے ان اسباب کی تخلیق موت کی تخلیق ہے۔

انسانی رُوح کو نسمہ ملا پھر جسم دیا گیا تاکہ یہ چند کمالات جو اس کے اندر مجمل تھے مفصل کرے اور اس تفصیل کے بعد اسی تفصیل کو اپنے اندر محفوظ رکھے۔ اگر ہو جائے تو اس

Marfat.com

نے انسانی پیدائش کا مقصد پورا کر دیا۔ کسی انسان کو جسم دیا گیا لیکن اس نے اپنے مجمل کمالات کو اپنے جسد کے ذریعے کامل نہیں کیا تو گویا اس نے انسانی پیدائش کا مقصد پورا نہیں کیا پہلے کو دوسرے کی نسبت "اَحْسَنُ عَمَلاً" کہا جائے گا۔

جو لوگ ناقص رہ جاتے ہیں، قدرت الٰہی ان کے ناقص رہنے پر خاموش نہیں رہتی بلکہ اس کے نقصان کی تکمیل کے اسباب پیدا کرتی رہتی ہے، دُنیا میں تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں اور وہ غلطی پر متنبہ ہوتا ہے، یا موت کے بعد مختلف طریقوں سے سزائیں ملتی ہیں تب وہ اپنی غلطی محسوس کرتا ہے اس کی انتہا اس میں ہوگی کہ وہ اپنی غلطیاں سمجھ لے اور اس کی تلافی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے جس دن یہ کرے گا اسی روز جہنم سے نکال دیا جائے گا اور اس کا حشر خصوصی ہوگا۔ یعنی عام حشر سے پیچھے رہ گیا تو اس کا خاص قاعدہ بنا دیا جائے گا اس سے وہ ترقی کر کے امام نوع انسانی تک پہنچ جائے گا۔ شرائع الٰہیہ میں ان خصوصی ترقیات کی کوئی بحث نہیں آتی اس لیے ظاہری علما جو پورے عارف نہیں ہے وہ معاد کے متعلق اپنی معلومات کے اندر رہ کر چند غلط نظریات بنا لیتے ہیں اور اس سے جھگڑے پیدا کرتے رہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی حکمت کے مطابق انسان کی ترقی دو راستوں میں سے ایک راستے سے ہونا لازم ہے

- حجر بحت کی تکمیل سے: وہ تجلی الٰہی کے خادموں میں شامل ہو جائیں گے۔ کامل انسان تو الگ الگ کامل ہو جاتے ہیں لیکن ناقص انسان کو ملا کر ایک کامل انسان بنایا جاتا ہے یہ موت کے بعد کی زندگی میں بنتا ہے موت تک ترقی کرنے کا سامان تمام انسانوں کے لیے موجود ہے۔
- دوسرا راستہ یہ ہے کہ جس کے حجر بحت کی ترقی کامل نہیں ہوگی تو وہ دوسرے نمبر پر امام نوع میں ہضم ہو جاتا ہے جہاں سے وہ نکلا ہے۔ امام نوع انسان خود حاملینِ عرش میں سے ہے تو اس کا تعلق تجلی اعظم کے ساتھ اس طرح پیدا ہو جاتا ہے جس طرح دوسرے لوگوں کا۔

[الولی: فروری ۱۹۸۷ء، ص ۲-۴]

Marfat.com

افاداتِ عبیداللہ سندھی: ایک تاریخی دستاویز

اسلام کی بنیادیں

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلیٰ خَمْسَۃٍ (پنج ارکان) یہ نفس اسلام نہیں ہیں۔ لیکن ہم ان کو اسلام کے تمہید مانتے ہیں جیسے کہ سیاسی پارٹی میں شامل ہونے کے لیے چند شرطیں عائد کی جاتی ہیں۔ جب تک وہ شرطیں یا قواعد جن کی ارکان کو مشق کرنی پڑتی ہے، ان کی مشق نہ کرے پارٹی میں شامل نہیں ہوسکتا یا فوجی کمپنی میں نہیں لیا جاتا۔ اسی طرح اسلام کے لیے چند شرطیں اور بنیادیں ضروری ہیں۔ ان بنیادوں پر اسلام کی عمارت ٹھہرائی جائے گی اس درجے کی قیمت نہایت اہم ہے یہ وہی درجہ ہے جسے پرائمری ایجوکیشن کہتے ہیں اور یہ لازم یا جبری ہونی چاہیے۔ اعلیٰ تعلیم ریسرچ نہیں ہوتی وہ استعداد کے مطابق انسان خود اپنے لیے متعین کرلیتا ہے مگر ابتدائی تعلیم جبراً دی جاتی ہے اس کا فلسفہ ہے کہ یہ سمجھنا باتیں بنیادی بتائی جائیں یہ مستقل فن ہے۔

ایک کنڈر گارٹن کا ماسٹر ہے وہ دوسری چیزیں نہیں جانتا وہ حساب جانتا ہے یہی چیزیں پھیلا کر بیٹھ جاتا ہے اسی طرح علما کا عظیم الشان طبقہ ہے جو ان چیزوں کو پھیلاتا ہے وہ بڑے آدمی ہیں اور نہایت ضروری بھی لیکن یہ سمجھنا کہ اسلام ان ہی پر منحصر ہے یا ختم ہوگیا۔ یہ غلطی ہے اتنا اسلام عوام کا اسلام ہے۔

ہمارا اسلام ہے کہ پہلے قومی اور پھر اس کے بعد بین الاقوامی حکومت قائم کرنا اور یہ دونوں چیزیں قرآن کے حکم کے مطابق ہوں یہ ہے ہمارا اسلام!

قوم کا مفہوم

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوم کا ترجمہ کیا ہے، چند ناواقف لوگوں نے اسلامی تعلیم کو قوم کا ہم معنی بنالیا ہے ہم اسے غلط سمجھتے ہیں مگر آج بحث نہیں کرتا قوم کا ترجمہ ہمارے

Marfat.com

نزدیک یہ ہے کہ ایک مخصوص خطہ ارضی کی آبادی جس کی آب وہوا اور باقی ضروری اشیا قریب قریب ایک ہوں وہ انسان کے مجموعے کو خالص رنگ دے دیتی ہیں۔ وہ خصوصی رنگ جہاں نمایاں ہوتا ہے زبان ہوتی ہے اس کی تہ میں طریقِ تفکر ہوتی ہے یہ زبان کا بطن ہے جب کہا جاتا ہے کہ قوم زبان سے بنتی ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ خاص سائیکالوجی سے تیار ہوتی ہے پھر اس میں معاشرت کی جو ضرورتیں ہیں ان میں ایک خاص شان ہوتی ہے وہ آپس میں ایک خاص طریقے سے ملتے جلتے ہیں اور جدا ہوتے ہیں۔ محبت وعداوت کا ایک طریقہ ہے۔ ان کے قریب دوسرے خطے میں ان کا ان معاملات میں رنگ اور ہے اس کے ساتھ ان کی معاشی چیزوں میں بھی اشتراک ہوتا ہے یعنی طبیعت اور فکر کے مطابق مختلف رنگ،، رنگوں اور کھانے پکانے کی ترکیبیں دے دیں۔ یہ ہوتا ہے، لیکن چیز یہ ہوتی ہے کہ وہ چیزیں سب کو عام ملتی ہیں مثلاً سمند کے کنارے رہنے والے لوگوں کو مچھلی زیادہ ملتی ہے اور ریگستان میں رہنے والوں کو جانوروں کا شکار کرنا پڑتا ہے۔

ملک کا معنی

خلاصہ یہ ہے کہ وہ خطہ زمین جو لوگوں کو ایک زبان ایک سائیکالوجی ایک خاص قسم کی معاشرت اور ایک خاص معاش دیتا ہے۔ اسے ایک قوم کہتے ہیں اور اس کی مسکونہ زمین کو ایک ملک کہتے ہیں۔ اس کی حکومت کو ایک سٹیٹ کہیں گے، یہ انسانیت کی اکائی ہے۔

مذہب کا مفہوم

اس کی اجتماعی قوت میں ایک عمومی انسانی فکر داخل ہے اسے ہم مذہب کہتے ہیں۔ انسانیت کی تحلیل کرنے سے چند عقائد معلوم ہوتے ہیں جو انسانیت کو عام طور پر اپنی اصلیت پر قائم رکھتے ہیں اور چند اخلاق ہوتے ہیں جو انسانیت کی ضرورت کو پورا کرنے میں معاون ہیں ان اعتقادات اور اخلاق کے مجموعے کو ہم مذہب سے تعبیر کرتے ہیں

انسانیت کے درجے

ہم چاہتے ہیں کہ ہر ایک قوم انسانیت کے بلند نصب العین پر پہنچ جائے، اس لیے ہر ایک قوم میں انسانوں کے تین درجے ہو جائیں گے (۱) اعلیٰ (۲) متوسط (۳) اور ادنیٰ۔

Marfat.com

دینی اور لادینی قوم

اگر اس قوم کی لیڈرشپ اول الذکر دو حلقوں کے ہاتھ میں ہے تو اس قوم کو مذہبی قوم کہتے ہیں اور اگر پہلا طبقہ چھوڑ کر دوسرے اور تیسرے کے ہاتھ میں لیڈرشپ آجاتی ہے تو اسے ہم لادینی قوم کہیں گے۔

قومی سٹیٹ

ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم جو زبان بولتے ہیں اس زبان کے بولنے والی قوم کی حکومت اس کے ہاتھ میں ہو۔ اور اسے سٹیٹ مانا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس زبان میں قرآن کی تعلیمات اس طرح شائع ہو جائیں کہ انسانیت کا جو درجہ قرآن کو ضروری قرار دیتا ہے یہ ہماری قوم میں پیدا ہو جائے۔

بین الاقوامی رشتہ داری

اس کے بعد ہم ان تمام قوموں سے بین الاقوامی رشتہ داری قائم کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنھوں نے قرآن کی انسانیت کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مجموعے کو ہم انسانیت عامہ میں اول درجے پر رکھنا چاہتے ہیں اور قرآن اور دوسرے ادیان نے قوموں میں قومی انسانیت پیدا کی ہے ان کو قرآن کے پیدا کردہ بین الاقوامی مجموعے کے ساتھ دوسرے درجہ پر رکھنا چاہتے ہیں اور اس سارے مجموعہ انسانیت میں جو اس قدر مشترک ہوں گے ان پر ہم عام انسانیت کی تربیت کرنا ضروری سمجھتے اور اس عمومی فکر پر ہی ہماری جنگوں کا خاتمہ ہوگا۔

دیہات میں ⊂ علم ▣ صحت ▣ خوراک اور ▣ کپڑا پہنچاؤ، جب لوگ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو جائیں تو انھیں قرآن کی تعلیم دی جائے۔ قومیت کی تعمیر ان اسباب سے کی جائے، جن سے قومیں بنتی ہیں مذہب اس کے ذیل میں جزئی حیثیت سے اپنے مقام پر رہے گا۔

قومیں دو قسم کی ہیں ⊂ دینی ▣ لادینی

دینی قوموں ٹیں مسلمانوں کے علاوہ اور بھی ہیں۔

لادینی قوموں کا اجتماع یورپ میں اب زور سے ہو رہا ہے۔

ہماری خواہش یہ ہے کہ دینی قوموں کا اجتماع بھی ہو۔ یعنی مسلمان اور دوسری دینی

Marfat.com

قومیں مل جائیں، اگر ایسا ہو جائے تو لادینی پروگرام سب کا سب تباہ ہو جائے یا دوسرے درجہ پر آجائے۔ اس دینی اجتماع کے لیے بھی شاہ صاحب کے فلسفے کے سوا کوئی اور مقامِ اتصال نہیں ہے اس لیے ہم لاہور کو مسلمان نوجوانوں کا مرکز قرار دیتے ہیں۔ لاہور کی مرکزیت دہلی کی طاقت انتقال سے ہوئی ہے۔ انگریزی عہد میں مطلب کو سمجھنے کے لیے دہلی اور لاہور کو ایک سمجھنا چاہیے۔ اس کے تین فائدے ہیں۔

- ہمارا دین محفوظ ہو جائے گا۔
- دوسرے دینی گروہوں کو ہم اپنے ساتھ لے آئیں گے۔
- اور لادینی گروہ کا مؤثر مقابلہ کر سکیں۔ [الولی: اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۲-۴]

Marfat.com

مغل بادشاہ مولانا سندھی کی نظر میں

حضرت استاذ علامہ سندھی نے فرمایا کہ ہم ماسکو گئے تو ہمارے پاس دو کتابیں تھیں اکبر نامہ سیرالمتاخرین۔ کئی انقلابی اسلامی تاریخ کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ بادشاہوں کے قصوں کے سوا کچھ نہیں سوسائٹی کی کوئی بات نہیں لکھتے۔ ہم نے انھیں بتایا کہ تم تاریخ کو نہیں سمجھتے۔ تم عالم نہیں ہو تم تاریخ پڑھنا کیا جانو؟ اسلام میں تاریخ کا دستور یہ رہا ہے کہ ایک ایک صنف کی تاریخ جدا جدا ہے، شاعروں، بازیگروں، وزیروں، امیروں، پیشہ وروں اور عالموں وغیرہ کی سب تاریخیں الگ الگ ہیں۔

ایک روز ایک سوشلسٹ نے اکبر نامہ میں چند تصویریں دیکھیں کہ زیوروں کی الگ ہیں اور سرکاری اسلحہ کی الگ۔ وہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ ہم تو دھوکہ میں رہے، تاریخ تو یہ ہے۔

ہم نے پوچھا تو کیا ابوالفضل نے اپنے زمانے کے سماجی حالات لکھے ہیں؟ مخاطب نے جواب دیا کہ ہاں۔ ہم نے پوچھا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ کا نہایت معروف وزیراعظم ہے کیا وہ خود سارے ملک میں چل پھر کر ان حالات کو جمع کرتا ہے؟ کہا نہیں۔ ہم نے کہا اس کے زمانے میں ہر ایک صوبے کے ہر ایک شہر میں ایسے لائق آدمی مقرر کیے گئے تھے جو سوشل حالات صحیح طور پر جمع کرنے کے بعد بھیجتے تھے اگر ایسی درس گاہیں نہ ہوتی جس میں اتنے آدمی تیار ہوتے تو وہ کس طرح حالات جمع کرتا؟ اگر آپ آج مسلمانوں کو بے وقوف پاتے تو وہ ایسے نہ تھے۔ مثلاً سندھ میں ایک مچھلی ہے "پلا" نامی وہ سندھ کے سوا دُنیا میں اور کہیں نہیں ہوتی ابوالفضل نے تو اس کا حال لکھا ہے۔

ہمارے ایک دوست گزیٹیئر آفس میں کام کرتے تھے۔ اُنھوں نے بتایا کہ مکران میں گزیٹیئر آفس میں کام کر رہے تھے ہم نے مکران کے متعلق جو سندھ کا حصہ مانا جاتا ہے، بہت

Marfat.com

کچھ تحقیقات کے بعد ایک خلاصہ نکالا۔ وہ خلاصہ ابوالفضل کے بیان سے ہرگز ہرگز زیادہ نہ تھا۔ مگر کمشنر نے تنبیہ کر کے کچھ ادھر اُدھر کی باتیں ملا کر سے خواہ مخواہ زیادہ بنانے کا حکم دیا۔

جہانگیر اور شاہ جہاں نظام اکبری قائم رکھ کر اس کی غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں اگر شاہ جہاں کے زمانے میں اچھی حکومت تھی اور کسی مسلمان کو ان پر اعتراض نہیں ہے تو وہ اکبر ہی کے طفیل ہے اکبر کے زمانے میں ایسی غلطیاں پیدا ہوئیں جو ایک زمانے کے بعد جا کر درست ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ شاہ جہاں نے وہ غلطیاں درست کیں۔

میں نے اپنے ایک خطبے میں لکھا ہے کہ ہندوؤں جیسی سوسائٹی کو اسلام جیسے انٹرنیشنل مذہب کا تعارف کرانے والا پیدا کیا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اکبر نے اس میں فخر کیا ہے کہ میں نے یہ کام کیا کہ میں نے ہندوؤں سے اسلام کا تعارف کرا دیا۔ مگر میں اس وقت خطبہ لکھ چکا تھا۔

شاہ جہاں کے زمانہ تک تخت طاؤس ہے، خزانے بھرپور ہیں، ہر طرف امن ہے، اس زمانے میں کوئی اور مسلمان بادشاہ اس کا ہم چشم نہیں ہے۔ نہ ایران کا نہ استنبول کا، اس دور ترقی میں ایک نیا شخص پیدا ہوتا ہے۔ یعنی مجدد الف ثانی وہ جہانگیر کے آخری دور اور شاہ جہاں کے ابتدائی دور میں ہیں وہ اکبری تحریک کو ناپسند کرتے ہیں لیکن جہانگیر اور شاہ جہاں کے دلدادہ ہیں۔ عالمگیر ان کا مرید ہے یعنی ان کے پوتے شیخ محمد معصوم کے بیٹے کا مرید ہے۔

حضرت مجدد صاحب اپنے آپ کو اپنے وقت میں اسلام کا مرکز سمجھتے ہیں اس کا لازمی اثر اورنگزیب کے دماغ میں آتا ہے کہ مجھے اسلام کا مرکز ہو کر رہنا چاہیے۔ استنبول کے سلاطینِ اسلام کی مرکزیت سنبھالنے کے قابل نہیں رہے، ایران کے سلاطین تو ہیں ہی شیعہ جو چیز مرکز کو چاہیے وہ سب ہندوستان کے بادشاہ کو حاصل ہے، مال، دولت، علم، تقویٰ وغیرہ۔

اب یہاں سے عالمگیر کا فکر اکبری نظام سے بدلتا ہے۔ اکبر سے لے کر شاہ جہاں تک جو ہندوستان کے سلاطین تھے ان کو خلافت کا خیال نہیں آیا۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو خلیفہ سمجھتے تھے مگر اس کا مطلب صرف اتنا تھا کہ وہ کسی دوسرے خلیفہ کے تابع نہیں ہیں۔ مگر یہ خیال کہ اس سے یہ منصب چھین لیں نہ شاہ جہاں کے دل میں یہ آیا نہ جہانگیر کے۔

امام ربانی کے طریقے کو حجاز میں جاری کرنے کے لیے اس کی سلطنت عالمگیر کے پاس ہونی چاہیے۔

Marfat.com

گیارہوں اور بارہویں صدی کے عرب مؤرخین میں سے دو نے سلطان عالمگیر کو اپنے بادشاہوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد عالمگیر پہلا اور تنہا شخص ہے جس کی عرب مؤرخین نے تعریف لکھی ہے۔ کتاب خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر یا اس طرح ایک بارہویں صدی کی کتاب میں ہے۔

سلطان چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو کر رہے اور حجاز پر اس کا قبضہ ہو۔ اس کے لیے نمایاں طور پر دو کام کیے۔

- فتاویٰ عالمگیری مرتب کرایا اور سارے ہندوستان میں حنفی قانون جاری کر کے دکھایا۔ اس سے ترکستان کے حنفی اور عرب ایک عظیم الشان ملک میں حقیقی قانون کو رائج ہوتا دیکھیے، سب کی ہمدردی سلطان کے ساتھ ہو جاتی ہے اس میں اگر وہ ہندوؤں پر جزیہ نہ لگاتے تو اس کا سارا کام برباد ہو جاتا ہے۔ وہ جزیہ لگا کر دوسری طرف اس کی تلافی کر دیتا ہے۔
- دوسرا کام یہ کیا کہ شیعہ سے عداوت مول لی یہ خلافت کے لیے ضروری تھا۔ شیعہ تو کسی شیعہ کو بھی خلیفہ نہیں مان سکتے۔ اس لیے اس نے دکن کی شیعہ سلطنتوں پر حملہ کر کے ان کو فتح کر لیا یہ کام سلطان کے لیے مشکل ہو گیا۔ اس لیے کہ شیعہ اکبر کے زمانے سے دربار میں گھسے ہوئے تھے۔ یہاں سلطان کی تدبیر کام نہ کر سکی جیسے کرنا چاہیے تھا۔ اس کے فیل ہونے کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کا پہلا جانشین بہادر شاہ اوّل شیعہ تھا۔ [الولی: جولائی ۱۹۸۷ء، ص ۲-۴]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

افاداتِ مولانا سندھی

حضرت الاستاذ امام عبیداللہ سندھی وطنِ عزیز کو آزاد کرانے کے سلسلے میں جب سالہا سال کی جلاوطنی کے بعد وطن واپس لوٹے، تو سب سے پہلے آپ نے اپنے ہم وطن بھائیوں کو جو خبردار کرنا چاہا وہ آپ کا یہ خطاب تھا:

> ”یہ گھروندے جو تم نے بنا کر رکھے ہیں اور انھیں تم فلک الافلاک سے بلند سمجھتے ہو، یہ گھروندے زمانے کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتے۔ تمھارا تمدن، تمھارا سماج، تمھارے افکار، تمھاری سیاست اور تمھاری ریاست، سب کھوکھلی ہو چکی ہے۔ تم اسے اسلامی تمدن کہتے ہو، لیکن اس تمدن میں اسلام کا کہیں شائبہ بھی نہیں۔ تم مذہب کا نام لیتے ہو، لیکن یہ مذہب تمھاری ہٹ دھرمی کا نام ہے۔ مسلمان بننے ہو تو اسلام کو سمجھو، تمھارے اکابر جاہ پرست ہیں، حکمران شہوات میں پڑے ہیں اور غریب طبقے توہمات کا شکار ہو رہے ہیں۔ بدلو! ورنہ زمانہ تمھارا نشان تک بھی نہ چھوڑے گا۔ سنبھلو! ورنہ مٹا دیے جاؤ گے۔“

حضرت امام سندھی کا یہ خطاب پاکستان بننے سے پہلے کا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں آپ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور پاکستان بننے سے قبل اس سے بدتر منظر برصغیر میں ہم نے دیکھا اور بننے کے بعد بھی آج یہ منظر دیکھنے میں آ رہا ہے۔ اللہ خیر فرمائے۔

حضرت امام کے خیال میں قرآن مجید کل انسانیت کے بنیادی فکر کا ترجمان ہے اور یہ بنیادی فکر نہ کبھی بدلا ہے اور نہ آئندہ کبھی بدلے گا اور سارے ادیان، مذاہب اور فلسفوں کا اصل الاصول یہی فکر ہے۔ اس بنیادی فکر کو فطرت اللہ کہہ لیجیے۔ اسے دین کا نام دیجیے یا اسے ضمیر

Marfat.com

انسانی سے تعبیر کیجیے۔ اسی تعمیر انسانی کی ترجمانی انبیا، صلحا اور حکما کرتے آئے ہیں۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اصلی فکر میں باہر سے کردیں شامل ہوتی گئیں اور بار بار نئے نئے نذیر بشیر کی ضرورت پڑی۔ قرآن مجید اسی بنیادی فکر کا ترجمان ہے اور بنیادی فکر عالمگیر ازلی ابدی اور لازوال ہے۔ قرآن میں بے شک اس کا جامہ عربی ہے اور ''اُمّ القُریٰ'' اور ''مَنْ حَوْلَهَا'' کو سمجھانے کے لیے ماحول کے لوازم کا خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن مشاہدہ حق کے بیان کے لیے ہمیشہ سے ''ساغر و مینا'' کی ضرورت پڑتی رہی ہے۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ کہنے والے نے کیا کہا ہے اور اُن کو اس کا بھی علم ہوتا ہے کہ الفاظ و تراکیب کی سرحد سے بہت پرے معانی کا مقصودِ اصلی کیا ہے۔

قرآن مجید اسی ضمیرِ انسانی کا ترجمان ہے۔ حضرت امام کے نزدیک گیتا نے بھی اپنے زمانے میں اسی حقیقت کی ترجمانی کی تھی۔ توریت اور انجیل بھی اسی ضمیرِ انسانی کے شارح ہیں اور حکما نے بھی کہیں کم کہیں زیادہ اس سے پردہ اُٹھایا ہے۔ امام کے نزدیک گیتا حق ہے لیکن اس کی جو غلط تعبیر کی گئی ہے، وہ کفر ہے۔ توریت اور انجیل حق ہیں، جو غلط معانی ان کے الفاظ کو پہنائے گئے ہیں، وہ باطل ہیں۔ اسی طرح قرآن حق ہے، لیکن جس طرح مسلمان اس کو عام طور پر مانتے ہیں اور جو تفسیر وہ کرتے ہیں۔ وہ حق نہیں ہے اگر گیتا اور انجیل کو غلط طور پر ماننے والے کافر قرار دیے جاسکتے ہیں، تو قرآن کو غلط مفہوم میں ماننے والے کیسے مؤمن کہے جائیں گے؟

تعلیماتِ شاہ ولی اللہ کے آئینہ میں امام سندھی نے قرآن مجید کو اصلی شکل میں دیکھا اور انھیں معلوم ہوا کہ خالص اور بے میل انسانیت ہی قرآن کا صحیح اور مکمل نصب العین ہے۔ جو تعلیم عام انسانیت کے تقدم اور تقدیم میں ممد و معاون ہے وہ حق ہے اور جو تعلیم انسانیت کے ارتقا میں حارج ہو، وہ تعلیم حق نہیں ہو سکتی۔ ان معنوں میں قرآن مجید امام سندھی کا عقیدہ بنا اور قرآن کے نظام کو بھی شکل دینے کے لیے جد و جہد کرنا زندگی کا مقصد ٹھہرا۔

قرآن کے اُصولوں پر خاص انسانیت کا قیام، امام سندھی کا عقیدہ ہے۔ ان کے نزدیک خالص بے میل انسانیت ہی فطرۃُ اللہ کی محافظ ہے اور سچا دین اگر ہے، تو یہی ہے۔

Marfat.com

امام سندھی اپنے اس خیال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: میرے نزدیک اسلام کی تعلیمات کا لب لباب قرآن مجید کی یہ آیت ''هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ'' [۹/التوبۃ: ۳۳] ہے۔ یعنی قرآن کا مقصود اصلی سب دینوں سے اعلیٰ دین یعنی سب فکروں سے بلند تر فکر یا سب سے بلند بین الاقوامی نظریہ جو زیادہ سے زیادہ انسانیت پر جامع ہو، پیش کرنا اور اس پر عمل کرانا ہے۔ یہ دین دوسرے ادیان کو مٹانے نہیں آیا۔ یہ سب ادیان کی بنیادی صداقت کو تسلیم کرتا ہے اور سب قوموں کے وجود کو مانتا ہے، لیکن اس کا کہنا ہے کہ تاریخ میں یہ ہوتا آیا ہے کہ ایک قوم ایک مذہب کو اختیار کرتی ہے اور جوں جوں زمانہ گزرتا ہے وہ اسے اپنے رنگ میں رنگتی جاتی ہے اور اسی طرح انسانی دین قومی دین میں پایا جاتا ہے، لیکن اس قوم کا اصرار ہوتا ہے کہ اس کا دین ہی ساری انسانیت کا دین ہے اور صرف یہی قوم انسانیت کی حامل اور نمائندہ ہے۔ بے شک ابتدا میں ان کا یہ فکر دین انسانی ہوتا ہے اور اس میں ہر رنگ اور نسل والے کو یار مل جاتا ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ قومی بن جاتا ہے اور آخر میں نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ ہر فرد یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں اور صرف میں، ہی حق پر ہوں باقی لوگ سب گمراہ اور گمراہ ہیں۔ امام سندھی فرماتے ہیں کہ:

> ''وہ دین جو ساری انسانیت کا شیرازہ بن کر آتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ انتہائی انتشار اور نزاع کا باعث بن جاتا ہے۔ قرآن اس کو کفر قرار دیتا ہے۔''

[الولی: اکتوبر ۱۹۹۰ء، ص ۳-۵]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

مولانا سندھی کے مختصر سوانح حیات

امام عبیداللہ ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۶۲ھ میں چیانوالی جو سیالکوٹ کلکٹری میں واقع ہے۔ پیدا ہوئے ان کے والدین سکھ تھے جب کچھ ہوشیار ہوئے ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں تحصیل علم میں قدم رکھا۔ ریاضی، حساب، اقلیدس اور تاریخ ہندوستان اس قدر پڑھی جتنی مکاتیب کے اندر پڑھائی جاتی ہے علم کا آپ کو بہت شوق تھا۔ جو کتاب بھی آپ کے ہاتھ لگی اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ نہایت گہری دلچسپی سے مطالعہ کرتے پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اتفاق سے ان کتابوں میں کتاب تحفۃ الھند مصنفہ مولانا عبیداللہ صاحب جو برہمن تھے اور اسلام لے آئے تھے ۱۳۰۱ھ ان کے ہاتھ آئی اس کا مطالعہ اُنھوں نے بہت گہری دلچسپی سے شروع کر دیا اور پوری طرح اس کو سمجھ لیا۔ اس سے مولانا پر حقیقت و حقانیت اسلام کا پوری طرح علم حاصل ہوا، چپکے سے گھر بلکہ ان آبادیوں سے نکلے اور سیدھے سندھ پہنچے، سندھ پہنچنے کے بعد اُنھوں نے اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔ اُنھوں نے ہی اپنا نام ''عبیداللہ'' رکھا جو صاحب تحفۃ الھند کا نام تھا۔ اور سیّد العارفین حافظ محمد صدیق سندھی کی خدمت میں پہنچے اور ۱۳۰۵ھ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت سیّد العارفین نے اُن کو کلمۂ توحید کی تلقین فرمائی اور ذکر وفکر حلقہ سیّد العارفین سے پورا کرلیا۔ اس کے بعد تحصیل علوم شرعیہ اور اس کے مبادی کی تحصیل میں لگ گئے بعض مشائخ ملتان سے مبادی صرف ونحو حاصل کیا۔ اس کے بعد دارالعلوم ''دیوبند'' کی طرف رخ کیا۔ صفر ۱۳۰۶ھ میں دیوبند پہنچے کچھ عرصہ کے بعد آپ منطق و فلسفہ کی تحصیل کے لیے کانپور اور رامپور تشریف لے گئے اور منطق و فلسفہ میں مفتی لطف اللہ (علی گڑھی) اور فاضل محقق عبدالحق خیر آبادی صاحب کے خاص شاگردوں سے تعلیم حاصل کی تقریباً چھ ماہ آپ دیوبند سے غائب رہے پھر صفر ۱۳۰۷ھ میں وہ دیوبند واپس لوٹے۔ جب کتب فلاسفہ سے

Marfat.com

آپ فارغ ہوگئے تو آپ نے اُصول فقہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اس کی مبادیات کی تعلیم شیوخِ دارالعلوم سے حاصل کی۔ ان شیوخ میں ابوالطیب حافظ محمد احمد بن شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی سے فقہ میں ہدایہ، مطول، تفسیر البیضاوی اور مشکلات شرح مواقف اور مسلم الثبوت اور اتقان پڑھی۔ پھر ۱۳۰۷ھ میں آپ کی کامیابی اور قابلیت سے دارالعلوم کے مشائخ بہت خوش ہوئے ان شیوخ میں مولانا سیّد احمد دہلوی ہیں ان حضرات نے درجہ تکمیل کی شہادت دی یہ وہ درجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں شاید ایک دو ہی آدمیوں نے اس کی سند وشہادت حاصل کی ہوگی۔ اسی سنہ میں تعلیم کے دوران میں آپ نے مراصدالوصول الی مقاصد الاصول تصنیف فرمائی۔ جب آپ نے یہ کتابیں اپنے شیخ مولانا محمود حسن صاحب کو پیش کیں تو شیخ بہت ہی خوش ہوئے اور کئی باران کو اپنے کپڑے پہنائے۔

جب کتبِ اُصول وکلام سے آپ فارغ ہوگئے تو اپنے استاذ کے استاذ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی دیوبندی کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا اور ۱۳۰۸ھ میں خالص کتب حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوگئے۔ ترمذی حضرت شیخ الہند سے پڑھی اور ان سے ان کی اجازت حاصل کر لی اور سنن امام ابوداؤد کی سند مولانا رشید احمد سے حاصل کی اور اسی سال آپ کو حضرت شیخ الہند نے اجازت عامہ کی سند عطا کی۔ شیخ نے اپنی کتاب التمہید میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

> حضرت شیخ الہند نے مجھے وصیت فرمائی تھی اور اس سے جو کچھ مجھے یاد ہے وہ یہ ہے: کہ اصحاب امہات سنت نے جو کچھ اور جن کو صحیح کہا ہے اس میں قطعاً تنازعات نہ کرنا، اور متاثرین متکلمین نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف قطعاً التفات نہ کرنا، اور جمع وتطبیق وجہ ترجیح پر قائم کرنا اور پوری توجہ تفقہ احادیث طبقہ اولیٰ موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور طبقہ ثانیہ سنن ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی طرف فقط کرنا اور اقتضا و اختصار کے ساتھ

Marfat.com

ضرورت کے وقت مسند احمد پر نظر کرنا اور بس اور شروح میں فتح الباری اس کے بعد حجۃ اللہ البالغہ کی طرف رجوع کرنا۔

تین برس میں درس نظامی سے فراغت کے بعد (یہ دلیل ہے آپ کے کمال ذہن و ذکاوت کی) آپ نے فلسفہ امام شاہ ولی اللہ کے مطابق درس دیا اور ہمیشہ اس کی پابندی کی اسی طریقہ پر جوامروٹ میں تھا۔ اس کے بعد جب یہاں سے طلبا فارغ التحصیل ہو کر نکلنے لگے اور آپ نے دیکھا کہ یہ فارغ التحصیل طلبا اس ادارے کو اچھی طرح چلا لیں گے تو آپ نے مدرسہ ابوتراب کے سپرد کیا۔ آپ کو حضرت شیخ الہند کا حکم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں آجاؤ آپ ۱۳۲۷ھ میں دیوبند پہنچے اور اس کے بعد وہاں ''جمعیت الانصار'' قائم کی جمعیۃ کا کام اس وقت ایک مؤتمر علمی تھا۔ تکمیل شرعیات کی تنظیم میں دونوں جماعتیں شامل تھیں۔ متخرجین مدرسہ دیوبند اور متخرجین مکاتیب عصریہ جدیدہ یعنی دینی مدارس کے فارغ التحصیل اور انگریزی تعلیم کے فارغ التحصیل طلبا کے لیے تھی اور تمام کے مصارف ہلال احمر برداشت کر رہا تھا جس کی تفصیل مجلات اور اخبارات میں آپ کو ملے گی۔

شیخ نے اس طرح تقریباً چار سال یہاں گزارے پھر جب حکومتِ برطانیہ اپنے تمام دفاتر کو کلکتہ سے دہلی لائی تو تمام سیاسی جماعتیں اس مرکز میں جمع ہو گئیں۔ ہمارے شیخ علامہ سندھی بھی اپنے شیخ و استاذ کے مولانا محمود حسن کے حکم سے ۱۳۳۰ھ میں دہلی تشریف لے گئے اور نظارۃ معارف قرآنیہ کی بنیاد قائم کی اور یہاں قرآن حکیم کا درس بطریق اعتبار اُصول فوز الکبیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حجۃ اللہ البالغہ شاہ صاحب موصوف کے مطابق سیاست حاضرہ کے مطابق پوری اطلاع اور خبر داری سے دینا شروع کر دیا۔ اس جمعیۃ میں بڑے بڑے زعمائے ملت شریک ہو گئے۔ مثلاً نواب وقار الملک علی گڑھ سے، حکیم اجمل خان صاحب دہلی سے اور یہاں کے نوجوان علمائے دین اور قائدین سیاست کا اجتماع ہونے لگا لیکن انھی ایام میں جنگ عمومی شروع ہو گئی۔ حضرت شیخ الہند نے ان کو حکم دیا کہ تم کابل چلے جاؤ چنانچہ ۱۳۳۳ھ میں ادارہ نظارۃ المعارف کو بند کر دیا اور دارالرشاد سندھ کو بھی حکومت کے حکم سے بند کر دیا۔

Marfat.com

شیخ عبیداللہ سندھی صاحب دہلی سے سندھ تشریف لائے۔ معاملہ بہت نازک تھا۔ حکومت دہلی سخت نگرانی کرتی تھی لیکن خدا نے اس مصیبت کو بھی آسان کر دیا اور سندھ سے ۱۳۳۴ھ میں کابل کی طرف روانہ ہوگئے کابل پہنچے اور تقریباً سات سال وہاں قیام فرمایا۔ ایک جمعیۃ سیاسیہ قائم کی جس کا نظام عسکری تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سعی و کوشش سے افغانستان کو کامل آزادی دلوائی۔ یہاں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ جب دونوں میں یعنی انگریز اور افغانستان میں صلح ہوگئی تو آپ کا قیام وہاں مشکل ہوگیا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ استنبول چلے جائیں۔ یہ زمانہ ۱۳۴۳ھ کا ہے۔ آپ کو مشرق ادنیٰ کے مطالعہ کا بہت شوق تھا لیکن راستہ آپ کے لیے بہت مسدود سوائے شمال کے کوئی راستہ نہیں تھا۔ آپ سفیر روس سے ملے اور بات چیت کی سفیر صاحب نے آپ کو مبارک باد دی اور پوری پوری مدد کی، راستہ آسان ہوگیا۔ آپ حدود روس میں داخل ہوگئے اور دریا جیحوں عبور کرلیا۔ جب شیخ روس میں داخل ہوئے تو انھیں ایک عالم جدید نظر آیا کہ روس نے جدید اساسات پر ملک کی تعمیر کی ہے۔ آپ نے اس جدید تعمیر کے معماروں کو دیکھا۔ اس سے اسلام کے ساتھ آپ کی محبت اور عشق اور زیادہ ہوگیا۔ آپ کے ایمان اور اعتقاد باللہ میں اور زیادہ اضافہ ہوا آپ ''ماسکو'' میں بہت سے زعماء اور قائدین اشتراکین سے ملے۔ ان کے اُصول کا کامل مطالعہ کیا۔ لیکن آپ کامل موحد اور مسلمان ہی رہے۔ کیونکہ اسلام کو آپ نے روسی انقلاب اور ان کے نظریات سے بہت بلند اور غالب پایا۔ یہ اسلام جو ان اشتراکیوں کے انقلاب سے بہت بلند تھا وہ اسلام نہیں تھا جس کا نمونہ اور عمل ہندوستان اور دیگر ممالک میں مل رہا ہے۔ یہاں آپ سے کوئی حکومت اسلامیہ سلاطین استبداد کی قائم کرنا بہت مشکل پایا۔

اس کے بعد شیخ ماسکو سے ترکی تشریف لے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مصطفیٰ کمال پاشا مرحوم ترکی کی تعمیر جدید میں مصروف تھے۔ خلافت کا یک لخت خاتمہ کر دیا اور سوئیزر لینڈ کا قانون جاری کر دیا تھا تمام اوقاف کو سرے سے ختم کر دیا تھا۔ مدارسِ دینیہ کو بند کر دیا تھا، عربی رسم الخط کو بند کر دیا، یہاں شیخ چند سال مقیم رہے اور انقلابات کا بہت گہرا مطالعہ کرتے رہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان انقلابات نے آپ پر کیا اور کیسا اثر کیا۔ آپ کے دل میں ان کا کیا اثر تھا لیکن شیخ

Marfat.com

ان لوگوں میں سے نہیں تھے منکر اشیا دیکھیں اور آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہیں اور جو چیز آپ نہ دیکھیں اسے معدوم سمجھ لیں۔ شیخ نے ان حوادث کا گہرا مطالعہ کیا ان کے اسباب پر غور و تدبر کیا۔

جب آپ نے روس اور ترکی کا انقلاب اچھی طرح دیکھ لیا تو آپ مرکز اسلام مکہ مکرمہ پہنچے۔ اور اپنے ساتھ قیمتی تجربات لیتے گئے مکہ مکرمہ میں آپ کا اہم مشغلہ درس و تدریس تھا اور آپ کو آپ کے عرب احباب اور ہندوستان کے احباب کتابیں بہم پہنچا دیتے اور ان کا مطالعہ کرتے اور بڑے بڑے طلبا جو مختلف شعوب عرب سے تھے ان کو پڑھاتے۔ اسی طرح ہندوستان اور جادہ کے بڑے بڑے لوگ آپ کے شاگرد ہوئے۔

انھی برسوں میں آپ نے امام شاہ ولی کی تصنیفات کا اوّل سے آخر تک کئی بار مطالعہ کیا اور ہندوستان کی تاریخ اور خاص کر مسلمانوں کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا نیز قیامِ حجاز کے زمانے میں اپنی ماضی کی زندگی اور تجربات پر گہری نظر کی بہت غور و فکر کی اور تنہائی میں اپنی گزشتہ زندگی اور تجربات پر نظر ثانی فرمائی اور اسی زمانے میں اپنے افکارِ دینیہ اور سیاسیہ کی ترتیب دی انھیں اپنے افکار کی صداقت پر پورا پورا اذعان اور یقین تھا۔ یہ یقین و اذعان کبھی متزلزل نہ ہوا۔ آپ چاہتے تھے کہ اپنے افکار و تجربات سے اپنے اہلِ وطن کو فائدہ پہنچائیں اس لیے آپ نے تمام قیودات وضوابط جو حکومت استعماری برطانیہ نے آپ پر لگائیں منظور کر لیں۔ آپ کو اپنے وطن میں آنے کی اجازت ملی اور وہ تجربات جو آپ نے چوبیس برس میں حاصل کیے تھے۔ اہل وطن کے سامنے پیش کیے۔ یہی سبب آپ کے وطن میں واپس لوٹنے کا سبب تھا اور اپنی آخری زندگی کے ایام ہندوستان میں گزارے۔

چنانچہ جب آپ کراچی کے کنارے ۷/مارچ ۱۹۳۹ء میں اترے تو بلا تامل بلا تاخیر ان افکار کی اشاعت شروع کر دی آپ نے اپنی بعض تقریروں میں فرمایا:

> یہ بڑے بڑے محل جن کو تم فلک الافلاک سے زیادہ بلند اور اونچا سمجھتے ہو۔ زمانے کے ہاتھوں نجات نہیں پائیں گے تمھارا تمدن و تہذیب اور تمھارے خیالات تمھاری سیاست اب بوسیدہ ہو چکی ہے۔ اگر تم واقعی مسلمان ہو اور مسلمان رہنا چاہتے ہو تو تمھارے بڑے بڑے امرا اور

Marfat.com

حکام جو شہوات وخواہشات کی اتباع کرتے ہیں اور فقرا اور غربا جو بڑی بڑی آرزوئیں اور تمنائیں اور بہت سے خیالات لیے بیٹھے ہیں اپنی اصلاح کریں وگرنہ یاد رکھو زمانے میں تمھارا نام ونشان تک مٹا دیا جائے گا اور صحیح راہ چلو وگرنہ زمین سے فنا کر دیے جاؤ گے۔

حاصل کلام یہ کہ شیخ سندھی کی ساری عمر ایک مباحث اور بے چین دل رکھنے والے کی سی تھی اور خاص شغف میں گزری، ایک عزم صادق رکھتے تھے آپ کی ساری عمر اسی جدوجہد میں صرف ہوئی۔

آپ کی عمر جس وقت ستر کی تھی تو اکثر طلبا آپ کی ہمت وعزم دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ کھانے پینے، سونے کی پروا نہ کرتے بیت الحکمت جامعہ ملیہ دہلی میں ہوتے اور طلبا کو درس دیتے، آرام کرنے کا نام نہ لیتے نہ کھانے پینے کی پروا کرتے، نہ سخت سے سخت جاڑے کی پروا کرتے نہ سخت سے سخت گرمیوں کی پروا کرتے، جب کوئی شخص رات کو آپ کے پاس پہنچتا اور آپ سے استفادہ کرنا چاہتا تو ساری رات اس سے بات چیت اور بحث میں گزار دیتے اور طبیعت میں کسی قسم کا انقباض نہ ہوتا، نہ تکان محسوس کرتے، کبھی آپ ان کو صحرائے سندھ میں قریہ پیر جھنڈا میں درس دیتا پائیں گے، کبھی آپ ان کو اپنے اصحاب سے بیت الحکمت کے لیے زمین خریدنے کی فکر میں پائیں گے۔ جب آپ قادر نہ ہوتے تو گھاس پھونس کا جھونپڑا بنا لیتے اور اس میں بیٹھ کر طلبا کو درس دیتے یہ آپ کی ہمت وعزم انکساری تھی جو مشکلات ومصائب میں گھری ہوئی تھی۔ لیکن آپ ان سے تھکتے نہیں تھے اور یہ آپ کا ایمان تھا جو اس عمر کو پہنچنے کے بعد بھی قوی ہوتا جاتا تھا۔

امام عبیداللہ سندھی ہر طرف سے کٹ کر اپنے اعمال مقررہ متعینہ پر جمے ہوئے تھے۔ تا آنکہ ۲۱ ر اگست ۱۹۴۴ء میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے ربّ کی طرف راضیاً مرضیاً تشریف لے گئے۔

علامہ کبیر موسیٰ جار اللہ جنھوں نے اس تفسیر کا املا کیا ہے آپ کی دفات ایک رسالہ شیخ محمد سندھی مدنی کو لکھا اس میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

امام مجاہد مجتہد عبید اللہ سندھی نے اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کر لی، خوشی بخوشی نفس مطمئنہ کے ساتھ آپ اپنے ربّ کی طرف گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے خاص بندوں میں شامل کرے اور آپ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اس آیت کے بموجب جو سورۃ الفجر میں ہے۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ [۸۹/الفجر: ۲۷-۳۰]

اے رُوح مطمئن اپنے پروردگار کی طرف چل تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ ہمارے بندوں میں شامل ہو جا ہماری بہشت میں جا داخل ہو۔

امام سندھی کا اعتقاد تھا کہ عبادی سے مراد ملاءِ اعلیٰ ہے چنانچہ سورہ ص میں ہے:

مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤی اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ [۳۸/ص:۶۹]

عالم بالا کے رہنے والے فرشتے جب آپس میں بحث کرنے لگے مجھ کو ان کی بحث کی کچھ خبر نہیں۔

ملاءِ اعلیٰ کا نام شاہ ولی اللہ نے خطیرۃ القدس رکھا ہے اور خطیرۃ القدس کا اعتقاد فلسفہ امام شاہ ولی اللہ کی اصل اساس ہے جس کو فلسفہ حکمائے یونان میں وظیفہ عقل عاشر کہا گیا ہے جس قدر فیضان اور فیوضات الٰہیہ عالم انسانی پر عرش سے نازل ہوتے ہیں وہ خطیرۃ القدس کے ذریعے نازل ہوتے ہیں۔

میں امام سندھی کو اچھی طرح جانتا ہوں میں نے پہلی مرتبہ ان کو اس وقت دیکھا جب وہ ماسکو تشریف لائے اور بالشیویکوں کا لیڈر زندہ تھا۔ حکومت کے آدمیوں نے ان کا پر زور خیر مقدم کیا۔ حکومتِ بالشویک امام سندھی کا بڑا احترام کرتی تھی اور امام کے افکار سے مستفید و مستنیر ہوتی تھی وہ ان کے افکارِ عالیہ اور ارشادات کو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرتی تھی میرے پاس ان کی فارسی کا پیاں بجنسہٖ موجود ہیں۔

میں ماسکو میں استقبال کی غرض سے پہنچا تا کہ آپ کی زیارت کروں اور آپ سے فائدہ اٹھاؤں۔ چنانچہ کئی دنوں تک میں آپ کی صحبت میں رہا آپ اکثر میرے غریب خانے پر

Marfat.com

صبح و شام تشریف لاتے تھے۔

پھر میں نے آپ کو ''لینن گراڈ'' آنے کی دعوت دی میں نے وہاں آپ کا پرزور استقبال کیا اور حکومت نے بھی آپ کا پرزور استقبال کیا لیکن قیام کے لیے امام سندھی نے دوسروں پر مجھے ترجیح دی اور میرے غریب خانے پر قیام فرمایا۔ اور مجھے یہ شرف بخشا آپ رمضان شریف میں تقریباً دو ہفتہ میرے مکان پر قیام فرما ہوئے اسی اثنا میں نہ تو اُنھوں نے نہ اُن کے اصحاب اور شاگردوں میں سے کسی نے عذرِ سفر پیش کر کے روزہ چھوڑا۔ میری گھر والی مہمانوں کے لیے خود کھانا اور چائے تیار کرتی تھیں۔ افطار کے وقت جب امام سندھی دستر خوان پر تشریف لاتے تو بڑا وسیع دستر خوان بچھتا۔ دستر خوان کے ارد گرد آپ کے اصحاب اور شاگردوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ بعض اوقات روس کے بڑے بڑے علما آپ سے مستفید ہونے کے لیے آتے اور آپ کی زیارت وصحبت سے مشرف ہوتے۔

امام سندھی اور ان کے شاگرد مرکز بالشویزم میں جو کچھ دیکھنا چاہتے تھے بڑی توجہ سے دیکھتے۔ بہت سی ایسی چیزیں دیکھیں جو دوسروں کو بہت کم دیکھنا نصیب ہوئیں۔

اس مدت میں مَیں آپ سے کسی وقت جدا نہیں ہوتا تھا سوائے استراعت کے وقت کے یا اس وقت کے جب وہ اپنے اصحاب اور شاگردوں کے ساتھ ہوتے۔ میں نے امام کو اچھی طرح اور ایسا سمجھا جیسا سمجھنے کا حق تھا میں نے آپ کو ایک پکا حنفی اور حنیفی مخلص پایا آپ کی عبادت میں ریا نہ تھی، نہ آپ کے کلام اور سیرت میں ریا تھی۔ میں نے آپ کے اپنے علم میں مجتہد، مجاہد صادق اور اپنے اعمال میں سچا پایا۔ آپ بڑی بڑی اُمیدیں رکھتے تھے، آپ کا ایمان و یقین بہت قوی اور مضبوط تھا اپنے طریقے کی کامیابی پر انھیں قوی اُمید تھی۔ اور اس بارے میں فوز و فلاح کی اُمید رکھتے تھے۔

روس سے آپ ۱۹۲۳ء میں نکلے میں نے آپ کو ۱۹۲۶ء میں استنبول میں دیکھا پھر حرمین میں آپ کو پایا اور بہت مدت تک حرم مکی میں آپ کی صحبت میں رہا اور کئی کئی ماہ آپ کی صحبت میں گزارے۔ میں نے پورے اتقان و یقین کے ساتھ آپ کے ''امالی تفسیر قرآن'' لکھے جو فلسفہ امام ولی اللہ دہلوی کے مطابق تھے میں آپ کے افکارِ اجتماعیہ سے اور قران حکیم کے جو

Marfat.com

مقاصد حکمیہ ان کے پیش نظر تھے ان سے بھی آگاہ ہوں بعض اوقات آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کو موتمر ادیان میں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ جب ہر شخص اپنے اپنے دین کی کتاب لے کر آئے گا تو ہم کتاب اللہ کی تفسیر فلسفہ امام ولی اللہ کے بموجب لکھ کر آئیں گے وہ قول یہ ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا [۷/اعراف:۱۵۸]

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو تمام انسانوں کی طرف میں پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ہندوستان اور سارے عالم اسلام پر ایک بہت بڑی مصیبت آئی کہ ایک بہت بڑا عالم اور زبردست فاضل دُنیا سے رُخصت ہوا۔

پس اُمت کے علمائے کرام، ساداتِ عظام سردارانِ قوم اور اغنیا و امرا کا فرض ہے کہ امام سندھی کی اُمیدوں اور مقاصد کو زندہ رکھیں اور انھیں زندہ رکھنے کا طریقہ یہی ہے کہ امام سندھی نے جو ارشادات قرآن کریم کے بارے میں فرمائے ہیں۔ عملاً انھیں زندہ رکھیں خدا کا فرمان ہے!

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً [۱۶/نحل:۹۷]

جو شخص عمل صالح کرتا ہے مرد ہو یا عورت وہ ایمان والا ہے ہم اس کی زندگی نہایت اچھی بسر کرائیں گے۔

یہ ہیں وہ خیالات اور مزید تبصرہ آپ کی حیات پر اس تفسیر کے جامع علامہ موسیٰ جاراللہ ہیں اور آپ کی مصنفات تفسیر جلد ثانی میں ان شاء اللہ پائیں گے۔ [الولی: اپریل ۱۹۹۱ء، ص ۱۵-۲۴]

Marfat.com

امامِ انقلاب علامہ سندھی

میرے شیخ علامہ عبیداللہ ابنِ اسلام سندھی کی ولادت ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء) سیالکوٹ کے قریہ چیانوالی (پنجاب) میں ہوئی۔ آپ کا باپ سکھ تھا۔ آپ جب پڑھنے کے لائق ہوئے تو ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) میں علم کی طلب شروع ہوئی۔ ریاضی میں حساب، الجبرا، اقلیدس، تاریخ ہند میں مشغول ہوئے اور عالمِ مدارس میں جو پڑھایا جاتا ہے اس سے زیادہ پڑھا اور آپ کو جو کتاب ملتی تھی اس کے مطالعہ کے لیے حریص تھے۔ اللہ پاک کی مدد سے آپ کو شیخ عبیداللہ کی کتاب تحفة الہند مل گئی۔ وہ ہندو تھے اور ۱۳۰۱ھ میں مسلمان ہوئے تھے اور اس کے مطالعے پر دوام کیا۔ یہاں تک کہ اس کو سمجھا پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسلام کی حقیقت اور ایمان کی آپ کو توفیق عطا ہوئی اور اپنے گھر سے مخفی ہو کر نکلے اور سندھ میں پہنچ کر اسلام کا اعلان کیا اور صاحبِ تحفہ کے نام پر اپنا نام عبیداللہ رکھا اور سیّد العارفین حافظ محمد صدیق سندھی (ف ۱۳۰۸ھ) کے پاس پہنچے اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور ۱۳۰۵ھ میں حافظ صاحب نے آپ کو افکارِ توحید کی تلقین فرمائی۔

سیّد العارفین حافظ صاحب کی خدمت میں ذکر اور فکر کی تلقین حاصل کی جس کے بعد علومِ شرعیہ میں مشغول ہوئے اور اس کے مبادی حاصل کرنے کے لیے ملتان گئے اور ملتان کے شیوخ میں سے مبادی صرف ونحو کو حاصل کیا پھر ماہ صفر ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند چلے گئے، پھر منطق اور فلسفہ پڑھنے لگے اور اس کے لیے کانپور اور خیرآباد چلے گئے پھر منطق اور فلسفے کو مفتی لطف اللہ اور مولانا عبدالحق خیرآبادی (ف ۱۸۶۱ء) کے تلامذہ سے پڑھا اور اُن علموں کے پڑھنے کے لیے چھ ماہ غائب رہے اور پھر دیوبند لوٹے۔ یہ صفر کا مہینہ تھا (۱۳۰۷ھ)۔

جب فلاسفہ کی کتابوں سے فراغت پائی تو اپنی نظر کو اُصولِ فقہ کی طرف متوجہ کیا تو ان علوم کے مبادی کو دارالعلوم کے شیوخ سے حاصل کیا جن میں شیخ ابوالاطیب حافظ محمد

Marfat.com

(ف ۱۹۲۹ء)، ابنِ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندی (ف ۱۸۸۰ء) اور دوسرے علما تھے اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (ف ۱۹۲۰ء) سے فقہ میں ہدایہ، مطول اور تفسیر البیضاوی پڑھی اور آپ سے شرح مواقف کی مشکلات میں رجوع فرمایا اور مسلم الثبوت میں اتفاق حاصل کیا۔

شعبان ۱۳۰۷ھ میں امتحان اور اختبار کے بعد دارالعلوم دیوبند کے شیوخ آپ سے راضی ہوئے، ان میں سے شیخ سیّد احمد دہلوی (ف ۱۸۹۴ء) راضی ہوئے جنھوں نے درجہ انتہائیہ کی شاہدی دی۔ اس درجہ پر آپ سے پہلے دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں کوئی ایک یا دو کامیاب ہوئے تھے۔ حضرت شیخ نے مواحد الوصول الی مقاصد پڑھنے کے اس آخری سال میں تصنیف فرمایا: اس میں مسلم الثبوت کو تلخیص فرمایا اور اس کی طرف تحریر ابنِ الہمام اور شرح مختصر العضد کا اضافہ فرمایا اور کچھ دوسری کتابیں بھی اضافہ فرمائیں۔ جب اُنھوں نے اپنی اس تصنیف کو اپنے شیخ، شیخ الہند پر پیش فرمایا تو شیخ الہند نے اس کو مستحسن فرمایا اور اپنا لباس پہنایا اور اُصول کی کتابوں سے فراغت کے بعد اور علم کلام سے فراغت کے بعد اپنے شیخ کے شیخ مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہوئے۔

اور ۱۳۰۸ھ حدیث کے پڑھنے کے لیے اپنے آپ کو مجرد رکھا۔ پھر جامع ترمذی کو شیخ الہند پر پڑھا اور سنن امام ابی داؤد کو اپنے شیخ رشید احمد پر پڑھا اور اس سال کے آخر میں حضرت شیخ الہند سے ان کو عام اجازت مل گئی۔

شیخ نے اپنی اس تالیف میں کہا ہے کہ حضرت شیخ الہند کے وصایا میں سے میں نے جو یاد کیا اور حفظ کیا یہ ہے کہ اصحاب مصنّفین سے نزاع نہ کیا جائے اور اُن کی تصحیح کی مخالفت نہ کی جائے اور اُن میں جو متاخر شک کرنے والے ہیں، ان کی طرف التفات نہ کیا جائے اور جمع اور تطبیق کو ترجیح پر مقدم کیا جائے اور ہمت کو جمع کیا جائے۔ طبقہ اولیٰ کے احادیث پر جو مؤطا اور صحیحین ہیں اور طبقہ ثانیہ کی کتابوں پر جو سنن ترمذی اور نسائی ہیں۔ حفظ اور قرأت کے اخذ میں حاجت کے وقت مسند امام احمد پر اقتصار کیا جائے اور شروح میں فتح الباری پر اعتماد کیا جائے اور پھر حجۃ اللہ البالغہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

Marfat.com

شیخ تین سال میں درسِ نظامی سے فارغ ہوئے، اس سے آپ کے کمال ذکا اور حدت ذہن کا پتا پڑتا ہے اس کے بعد آپ نے شیخ طریقت کی زیارت کا ارادہ کیا اور وہ تھے سیّد العارفین حافظ محمد صدیق سندھی لیکن شیخ العارفین سیّد محمد صدیق صاحب قبل اس کے کہ مولانا عبیداللہ صاحب وہاں پہنچ سکیں، دس دن پہلے فوت ہو چکے تھے۔ آپ کے بعض اصحاب مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوری اور مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹی سندھی آپ کی ظاہری اور باطنی تربیت میں مشغول ہو گئے پھر شیخ نے سندھ کے ایک گاؤں امروٹ میں دس سال ۱۳۰۸ھ تک قیام فرمایا۔ وہاں دینی مدرسہ قائم کیا اور ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا جس میں نادر کتابیں جمع کی گئی پھر وہاں درس دیا اور تالیف و تصنیف کی۔ اس مدت میں ایک بڑی مخلوق نے آپ سے استفادہ کیا۔ جن میں سے سب سے بڑا نام مولانا عبدالوہاب کلاچی سندھی تھا۔ اس نے توضیح و تلویح، ہدایہ اور دوسری بڑی کتابیں پڑھیں۔ مولانا عبدالوہاب اللہ پاک کی ایک رحمت تھی ذہن کی تیزی اور وسعت علم میں بڑے ماہر تھے اور وہ علوم میں بحر مواج تھے جس کا کوئی ساحل نہ تھا۔ میں نے کئی علمی مسائل میں ان سے استفادہ کیا، فللّٰہ الحمد علی ذلك۔

سات سال کے بعد حضرت شیخ نے ۱۳۱۵ھ میں حضرت شیخ الہند کی طرف رجوع فرمایا اور اپنی بعض مؤلفات کو حضرت شیخ پر پیش کیا اور حل اشکالات میں ان کی طرف رجوع کیا اور آپ پر بعض کتبِ حدیث کے اطراف کو پڑھا۔ مسند امام احمد، معانی الآثار امام طحاوی، مؤطا امام مالك بروایتِ امام یحییٰ و بروایتِ امام محمد۔ اس قرأت میں اور کوئی آپ کے ساتھ شریک نہ تھا، نہ کوئی قاری تھا اور نہ کوئی سامع۔

پھر سندھ کی طرف دوسری بار لوٹے اور ''تو جیہ الافکار'' میں دارالعلوم کی طرح مشغول ہوئے اور یہ کام ۱۳۱۹ھ میں حیدر آباد سندھ کے گوٹھ پیر جھنڈا میں دارالرشاد میں وہاں کے محدث سیّد ابوتراب رشداللہ صاحب العلم کی مشارکت سے مدرسہ قائم کیا اور پیر صاحب سے کتب تفسیر و حدیث اور دوسرے علوم کی کتب حاصل کیں۔ اصل میں یہ کتب خانہ محمد ہاشم ٹھٹھوی کے خاندان سے حاصل کیا تھا۔ دارالعلوم میں آپ پر ایک بہت بڑی جماعت نے علوم کو کسب کیا، ان میں سے محدث علامہ شیخ اُمید علی سندھی اور مفسر العصر مولانا احمد علی سندھی لاہوری،

Marfat.com

شیخ موحد قامع البدعت سیّد ضیاء الدین صاحب العلم، مفسر محقق شیخ عبداللہ لغاری سندھی، عامل بالحدیث شیخ محمد اکرم ہالائی، مولوی مفتی عبدالقادر سندھی وغیرہم تھے۔ میں نے صاحبِ فضیلت مولانا سیّد وہب اللہ صاحب العلم سے سنا کہ ان کے دادا محدث ابوالتراب اگرچہ علم میں وحید تھے لیکن اُنھوں نے بھی علامہ عبیداللہ کے پاس منطق میں سلم العلوم کو پڑھا۔ میں نے اپنے شیخ علامہ عبدالکریم کورائی سے سنا کہ اُنھوں نے بھی علامہ موصوف پر قرآن مقدس وغیرہ پڑھا۔

حضرت شیخ صاحب مکہ مکرمہ سے سندھ واپس ہوئے تو پیر جھنڈا میں سندھ کے بڑے علما نے آپ سے پڑھا جیسا کہ مرحوم علی احمد کاکے پوتا، مولانا عبدالحق ربانی، عالم جلیل حافظ خلیل نزیل سجاول سندھ اور یہ بندہ ضعیف غلام مصطفیٰ قاسمی اور میرے دوست مولوی نور محمد سجاولی اور قاضی عزیز اللہ وغیرہم۔ حضرت شیخ کی پیر جھنڈا میں وہی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفہ پر درس کی مواظبت تھی۔ جس طرح امروٹ سندھ میں مواظبت تھی۔

دارالرشاد پیر جھنڈا سے فارغ ہونے والے حضرت ابوتراب صاحب العلم کے زعامت کے ماتحت قادر ہوئے کہ حضرت شیخ الہند نے مولانا عبیداللہ صاحب کو دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۲۷ھ میں امر فرمایا تو آپ نے شیخ کے حکم پر لبیک فرمایا اور آپ دارالعلوم میں پہنچ گئے اور وہاں جمعیۃ الانصار قائم کی اور وہاں جمعیت کا بڑا کام تھا۔ تنظیم تکمیل الشرعیات اور یہ تکمیل دونوں طائفوں کے لیے تھا جو مکاتیب دینیہ اور مکاتبِ عصریہ سے نکلے تھے اور ہلال احمر کے لیے نفقات کا جمع کرنا اس کی تفصیل موقتہ مجلّات القاسم وغیرہ میں مطبوع ہے۔ اس کی طرف رجوع کریں۔

شیخ استاذ اعمال پر چار سال تک چلتے رہے اور جب حکومتِ برطانیہ نے ہندی شعبوں کو یہ حکم دیا کہ کلکتہ سے دہلی کی طرف نقل کریں تو سیاسی قوتیں اس جدید مرکز میں جمع ہو گئیں اور میرے شیخ علامہ نے دہلی میں اپنے شیخ حضرت شیخ الہند کے حکم سے نظارۃ المعارف القرآنیہ کی تاسیس فرمائی اور اس میں قرآن حکیم طریقہ اعتبار الفوز الکبیر شاہ ولی اللہ دہلوی پر درس دینے لگے اور شاہ صاحبِ تصنیف حجۃ اللہ البالغہ سیاست حاضرہ کی حجت نامہ اور اطلاع تام پر پڑھانے لگے۔ اس جمعیۃ میں مسلمانوں کے اکابر اور زعما شریک ہوئے جیسے نواب وقار الملک علی گڑھ کے حکیم مسیح الملک محمد اجمل خاں دہلی کے اور نوجوان علمائے دین بھی شریک ہو گئے

Marfat.com

لیکن اس اثنا میں جنگ عمومی واقع ہوئی تو شیخ الہند نے میرے شیخ کو ۱۳۳۳ھ میں کابل کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا، نظارۃ المعارف کا درس بند کیا گیا اور اسی طرح سندھ میں مدرسہ دارالرشاد کے بند کرنے کا حکم بھی حکومت نے کیا۔

میرے شیخ نے دہلی سے سندھ کی طرف سفر فرمایا۔ حکومت سے چھپ کر جانے کا حکم بڑا سخت تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو سہل فرمایا اور ۱۳۳۳ھ میں سندھ سے کابل کی طرف سفر فرمایا۔ شیخ کابل میں سات برس ٹھہرے وہاں جمعیت سیاسیہ (انڈین نیشنل کانگریس) کی تاسیس فرمائی اور اس کو عسکری نظام (جنود ربانیہ) عطا کیا۔ اس سے افغانستان کو آزادی حاصل ہوئی۔ یہ سب آپ کے مساعی اور مبارک اعمال کا فضل تھا۔ اس کی بہت بڑی تفصیل ہے جو یہاں نہیں دی جاسکتی۔

جب دو متحارب انگریز اور افغانستان کے درمیان صلح ہوئی اور شیخ کے لیے کابل میں قیام مقرر ہو گیا تو پھر وہاں سے استنبول کی طرف ۱۳۴۰ھ میں جانے کا ارادہ کیا۔ آپ شرقِ اوسط کے مطالعہ پر بھی بہت حریص تھے۔ آپ پر شمال کے سوا طریق بند تھی تو آپ نے رُوسی اشتراکیہ کے وکیل سے بات کی، اس نے راستے کے آسان بنانے کا وعدہ کیا، جب وہ رُوس میں داخل ہوئے اور نہر جیحوں کو عبور کر لیا تو اس کو ایک نئی دُنیا پایا جس کی بنیاد اساساتِ جدیدہ پر ہے۔ شیخ اگرچہ نئے ملک کی تعمیر عالی سے متاثر ہوئے لیکن اس کے ساتھ ان کی محبت اور عشق اسلام سے بڑھتا گیا اور اللہ تعالیٰ پر آپ کا ایمان اور اعتقاد بڑھا۔ آپ کی ماسکو کے کئی شیوعی زعما سے ملاقاتیں ہوئیں اور اُن کے اُصول کا مطالعہ کیا لیکن مسلم اور موحد باقی رہے۔ کیوں کہ اُنھوں نے اسلام کو رُوس کے انقلاب اور نظریات سے اعلیٰ پایا۔

یہ اسلام جس کو اُنھوں نے دیکھا تھا، رُوسیوں کے انقلاب سے اعلیٰ تھا۔ یہ اسلام جس کو اُنھوں نے دیکھا تھا وہ اسلام نہ تھا جس کا نمونہ آپ نے غیر منقسم ہندوستان میں دیکھا تھا اور اس کے لیے اسلامی مملکت کا قیام ضروری تھا۔ وہ ہند کی مملکت ہو یا کسی غیر ملک کی۔

پھر حضرت شیخ ماسکو سے ترکی گئے اور یہ مصطفیٰ کمال مرحوم کا زمانہ تھا اور وہ ترکی کی تعمیر جدید میں مشغول تھے۔ خلافت باطل ہوئی اور سوئٹزر لینڈ کا قانون رائج ہوا، اوقاف کو باطل کیا، دینی مدارس کو بند کیا عربی رسم الخط کو تغیر کر دیا۔ شیخ نے وہاں چند سال قیام فرمایا اور بصیرۃ کی

Marfat.com

آنکھوں سے وہاں کے انقلاب کو دیکھا۔ معلوم نہیں کہ آپ کے قلب پر کیا تاثیر ہوا۔ لیکن آپ ان لوگوں میں نہ تھے کہ جب کوئی مکروہ چیز کو دیکھتے تو اپنی آنکھیں بند کر لیتے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے کہ جب کسی چیز کو نہ دیکھیں تو اس کو معدوم زعم کریں بلکہ ان حوادث اور اُن کے اسباب کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ نے جب دو انقلابوں کو دیکھا ایک رُوس کا اور دوسرا ترکی کا تو اسلام کے مرکز مکہ معظمہ کو قیمتی تجارب کے ساتھ دیکھا اور وہاں آپ کا شغل درس و تدریس تھا۔ شیخ مسجد الحرام میں درس دیتے تھے اور خارج مسجد میں بھی درس دیتے تھے۔ وہاں بڑے بڑے علما نے آپ سے کتبِ حدیث کو پڑھا اور آپ نے وہاں قرآن حکیم کا درس دیا اور فلسفہ امام ولی اللہ دہلوی کو پڑھایا۔ جیسے علامہ موسیٰ جار اللہ نے تفسیر کو پڑھا اور املی تفسیر کو مرتب کیا (جس کے آٹھ پارے شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ میں چھپ چکے ہیں) علامہ موسیٰ جار اللہ لینن گراڈ کے تاتاری مسلمان تھے، جنھوں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر دُنیا کا سفر اختیار کیا۔ دس سال پہلے مجھے رُوس جانا ہوا اور لینن گراڈ بھی گیا جو رُوس کا اصلی مرکز تھا اور عالم موسیٰ جار اللہ کی مسجد اور مدرسہ کو بھی دیکھا۔ وہاں ایک معمر شخص نے حالات سنائے۔ جب علامہ عبیداللہ سندھی رمضان شریف کے لیے حکومت سے رُخصت لے کر علامہ موسیٰ جار اللہ کے پاس آئے تھے۔ علامہ موسیٰ مالدار آدمی تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی بیوی علامہ سندھی کے افطار اور روزہ رکھنے کے لیے روٹی خود پکاتی تھی، پھر اس نے کہا وہ اگرچہ ایک عورت تھی لیکن علم میں ان بزرگ علاموں سے کم نہ تھی۔ میں نے جب یہ سنا تو ترجمان سے کہا کہ اس شخص سے کہو کہ وہ اپنا چشمہ اُتار لے۔ میں اس شخص کی آنکھوں پر بوسہ لوں گا جس نے ایسے اشخاص کو یہاں دیکھا ہے۔ اس نے ایسا کیا اور میں نے اسے بوسہ دیا۔ وہاں میں نے علامہ کے کتب خانہ میں قاضی مبارک مکمل دیکھا جو تصورات اور تصدیقات پر مشتمل تھا۔ میرے ساتھ جناب محمود ہارون اور جناب کرم شاہ ازہری بھی تھے۔ وہاں کے مسلمان تاتاری تھے۔ جو پکے مسلمان تھے۔ عورتیں بھی نماز کے لیے آتی تھیں۔ چوں کہ میں اور پیر کرم شاہ صاحب دونوں ڈاڑھی رکھتے تھے اس لیے وہاں کے لوگوں کی نظر میں ہم دونوں فقیر تھے۔ اس لیے ایک بوڑھی عورت نے پیر کرم شاہ صاحب کو خیرات کے طور پر ایک روپیہ رُوسی دیا جس پر مجھے ہنسی

Marfat.com

آئی لیکن شاہ صاحب نے ایک روپیہ کو جیب میں رکھا۔ مکہ معظمہ میں جن دوسرے بزرگوں نے شیخ سے پڑھا ان میں شیخ عبدالرزاق، آل حمزہ، شیخ محمد نور مرشد مکی، شیخ عبدالوہاب دہلوی، شیخ السیّد علوی مالکی ہیں۔ شیخ علوی مالکی نے مجھے مکہ مکرمہ میں بتایا کہ میں نے شیخ عبیداللہ سندھی سے موطا امام مالک کو پڑھا اور وہ ایسا بحر تھے کہ جس کا کوئی ساحل نہ تھا۔ سیّد علوی جیسا حافظ میں نے دُنیا کے اندر کوئی نہیں دیکھا اور شیخ ابوالطاہر امیر السمع، والشیخ سلیمان الفیح مدیر مکتبہ حرم و الشیخ عبداللہ کلنتوی، شیخ محمد سندی الملکی، والشیخ محمد نو بحری، شیخ عبداللہ الحجازی، شیخ عبداللہ لغاری سندھی، پروفیسر محمد سرور وغیرہم نے آپ سے استفادہ کیا۔

جب حجاز میں اقامت پذیر تھے گوشہ نشینی میں ماضی کی زندگی میں فکر کرتے تھے تو اس زمانے میں اپنے دینی افکار کو ترتیب دیا۔ ان افکار کی صداقت میں آپ کو یقین اور اذعان راسخ وغیر متزلزل تھا۔ اور آپ کا یہ ارادہ تھا کہ آپ کے افکار سے آپ کے اہلِ وطن مستفید ہوں تو آپ نے حکومتِ برطانیہ مستعمرہ کے قیود اور ضوابط کو برداشت کیا تا کہ اپنے وطن لوٹنے کی اجازت مل جائے اور ۲۴ سال کے تجربہ کے بعد جو افکار مرتب کیے تھے اپنے اہلِ وطن کو ان سے واقف کریں۔ یہ تھا آخرِ حیات میں اپنے وطن کی طرف لوٹنے کا سبب۔ جب کراچی سندھ میں ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو لوٹے تو اپنے افکار کی اشاعت میں جلدی فرمائی اور قوم کو یہ خطاب فرمایا:

> ''اونچی عمارتیں جس کو تم آسمانوں سے بھی بلند سمجھتے ہو زمانہ کے ہاتھوں سے نجات نہ پائیں گی اور تمھارا تمدن اور تمھاری عشرت اور تمھارے افکار اور تمھارے آرا سب کمزور ہو گئے ہیں۔''
>
> (حضرت شیخ کی کتاب التمہید کے مقدمہ (عربی) کا ترجمہ)

[الولی: اگست ۱۹۹۴ء، ص ۵-۱۰]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

امام عبیداللہ سندھی

تفسیر سورۃ النساء

اس سورۃ میں اجتماعی زندگی کی کیفیت اور معاشرتی زندگی کی کیفیت بتلائی گئی۔ جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے مرد اور عورت کے توسط سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور یہ صورت بڑھتے بڑھتے ایک کنبے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہی سوشل زندگی ہے اس کے ساتھ جب کنبے کی حالت ہوگی تو اب خرچے وغیرہ کی بھی ضرورت محسوس ہوگی اور اس طرح اقتصادی زندگی پیدا ہوگی۔ عرب میں یمن، حضرموت اور نجد یعنی ساحلی علاقے کے باشندے تجارت کرتے تھے اس لیے وہ متوسط درجہ کے ترقی یافتہ کہلانے کے مستحق تھے۔ عرب کے وسط میں بدو تھے جو بالکل جاہل تھے۔ اس لیے ان کی ترقی کے لیے ایک اجتماعی قانون دیا گیا، جسے اسی صورت میں منضبط کیا گیا ہے۔ عرب ایک ریگستانی علاقہ تھا جہاں ہوا کے سوا ضروریاتِ زندگی کافی محنت سے دستیاب ہوتی تھیں مثلاً خورد ونوش کے لیے پانی بھی بآسانی مہیا نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کے لیے بھی کافی محنت درکار تھی اس لیے اجتماعی قانون کے ساتھ ساتھ اقتصادی قانون کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ جیسے ایک کنبہ ہے اس میں ایک بڑا آدمی ہے وہ اپنے زورِ بازو سے روپیہ پیدا کرتا ہے اور اپنے بال بچوں پر صرف کرتا ہے اور پس ماندہ روپیہ کے لیے حالت المرگ میں وصیت کرتا ہے۔ اس بات کو ہر ایک جانتا ہے کہ وصیت وہی کرے گا جس کے پاس روپیہ یا جائداد ہوگی اور جس کے پاس کچھ نہیں اس نے وصیت کیا کرنی ہے۔ غرض اب بتلایا کہ انسان کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک اجتماعی دوسری اقتصادی زندگی۔

اجتماعی زندگی میں انسان کو بہت سی ضروریات درپیش رہتی ہیں۔ جیسے دوسرے کنبہ سے تعلقات اور کسی سے صلح و ناراضگی اور کسی سے لڑائی وبھڑائی۔ ان تمام باتوں کے لیے اس

Marfat.com

صورت میں قانون دیے ہیں، مگر ضمنی طور پر رکھا ہے اور اس طرح گورنمنٹ بھی ضمنی طور پر قرار دی جاتی ہے یعنی پہلے سوشل زندگی ہے اور اس کے بعد حکومت وغیرہ اس زندگی سے خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ اس سورت کی پہلی آیت میں اجتماعی زندگی اور آخر میں اقتصادی کی کیفیت بتلائی مگر اس اجتماع میں عربی زندگی کا صرف ذکر ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا [۴/النساء:۱]

''اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے ربّ سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اس سے پیدا کیا اس کا جوڑا، اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطے سے سوال کرتے ہو اور خبردار ہو قرابت والوں سے، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔''

اے لوگو! جس طرح تمھارے ربّ نے تم سے حساب کیا اسی طرح تم بھی آپس میں انصاف کرو غرض کہ حقوق الناس کا خیال رکھو اور کسی کا حق پامال نہ کرو۔

ہم سب خدا پرست ہیں اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا ربّ العالمین ہے تمام مخلوقات کی پرورش اور نگہبانی کرنے والا ہے۔ جو خدا پرست لوگ ہیں یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق جو ہمارے سایہ میں بستی ہے۔ ہم ان کی بربادی کے درپے نہ ہوں ہم خدا کو عادل جانتے ہیں اس لیے ہمیشہ علم و انصاف کے پابند ہیں ہم خدا کو مہربان اور دیالو اور کرپالو مانتے ہیں، اور دیا، دھرم کے کاموں کے اُصول کو سچا مانتے ہیں۔ اس لیے جانوروں اور انسانوں پر رحم کریں۔ جب کوئی آدمی لاچار یا بیمار ہو کر ہمارے پاس قرض لینے کے لیے آئے تو ہم اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر سود پر قرضہ دے کر خون چوسنے میں دریغ نہ کریں اور اس طرح اس غریب کا کچومر نکال دیں اور اس کا تمام مال و متاع تھوڑے ہی عرصہ میں ہمارے قبضہ میں آ جائے۔

ہم خدا پرست لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ایک روز ہمیں اپنے کاموں کا پھل مل کر رہے گا اس لیے ایسے عمل کریں کہ جواب دہی کے وقت ندامت نہ اُٹھانی پڑے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو رہیں۔ ہم خدا پرست ہیں اور خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں اور علیم

Marfat.com

بذاتِ الصدور سمجھتے ہیں۔ اس لیے چوری اور زنا جیسے افعالِ قبیحہ سے اجتناب کریں جس طرح انسانوں کی موجودگی میں ہم اس قدر خائف رہتے ہیں کہ ان افعال کی جرأت نہیں کر سکتے، اس طرح خدا کی موجودگی کا ہمیشہ خیال رہے ہم خدا کو کریم اور رزّاق خیال کرتے ہیں۔ اس لیے اپنے آپ کو بھی جود و سخا کا پابند بنائیں۔ اگر مصیبت زدہ مدد کا طالب ہو تو اس کی صدا پر لبیک کہیں، ہم خدا کے حکیم وغفور و رحیم ہونے کے مدعی ہیں۔ اس لیے جہاں عفو و درگزر کا موقع ہو ہم نہایت کشادہ دلی سے معافی دیں۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ:

در عفو لذتی است کہ در انتقام نیست

ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا ستار العیوب ہے اس لیے دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کریں۔ ہم خدا پرست ہو کر کسی خوف یا لالچ سے کسی شیطانی طاقت کے آگے سجدہ نہ کریں اس لیے کہ اللہ کا بندہ دوسرے کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ خَلَقَكُم مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ تم سب ایک دوسرے سے پیدا ہوئے تم سب اپنے آپ کو ایک ہی خاندان سمجھو یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے کنبے سے بے انصافی نہیں کرتا۔ دُنیا کے تمام مذاہب ابراہیمی، موسوی، عیسوی، مسلم، ہنود اور زرتشی کے پیرو اس بات کے قائل ہیں کہ انسان کی ابتدا ایک انسان سے ہوئی اگرچہ ہر ایک مذہب نے اس کے جدا نام رکھے ہیں۔ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا آدم سے اس کا جوڑ بنایا قَوْلُهٗ مِنْهَا اَیْ مِنْ جِنْسِهَا یعنی حوا آدم کی ہم جنس پیدا کی گئی نہ یہ کہ ان کی پسلی سے پیدا کی گئی، ابو مسلم اصفہانی نے اس آیت کے یہ معنی لیے ہیں اور امام رازق اس کے ہم زبان ہیں کہتے مِنْهَا اَیْ مِنْ جِنْسِهَا، [بحوالہ: علم الکلام، مصنف شبلی نعمانی] غرض آدم سے ان کا جوڑا بنایا مگر یہ غیر فطرتی پیدائش صرف ایک ہی دفعہ، پیدا ہوئی، اس کے بعد قدرت کے اُصولوں پر جاری ہوئی۔

اگر تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر فطرتی طریقہ ایک ہی دفعہ وقوع میں آیا ہے مثلاً گھوڑے اور گدھے کے ملاپ سے خچر پیدا ہوتا ہے مگر خچر سے آگے بچہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح انسان کے جوڑے کی پیدائش ''عورت'' پہلی دفعہ غیر فطرتی طریقہ سے ہوئی اس کے بعد اسے فطری طریقہ پر لے آئے وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا اس کے بعد امام قانون پیدائش کے مطابق اس کا پھیلاؤ ہوا۔ جس سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا ہوئیں وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ

Marfat.com

[۵۸/المجادلۃ:۹] جس انصاف کی تم دوسروں سے توقع رکھتے ہو تو خود بھی دوسروں سے انصاف کرنا چاہیے۔ وَالْاَرْحَام جس طرح تم اپنے عزیز و اقارب پر ظلم نہیں کرتے اسی طرح تم دوسروں پر ظلم کرنا چھوڑ دو یعنی ان کے ساتھ اپنے عزیزوں جیسا انصاف کرو کہ سب ہی آدم کی اولاد ہیں۔

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے عزیزوں اور اقارب کا خاص طور پر خیال رکھتا ہے ان سے حتی الوسعت نہایت منصفانہ طور پر برتاؤ کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح دوسروں سے ان کے رشتہ داروں کے نام سے تم انصاف دیتے ہو اس طرح تم بھی دوسروں کے ساتھ انصاف سے پیش آؤ۔ معاشرتی زندگی میں پہلا کام انصاف ہے جس پر حکومتوں کا مدار ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا [۴/النساء:۱] اللہ تعالیٰ تمھارا نگہبان ہے جس طرح تم لوگوں سے کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نگراں ہے کہ تمھارے ساتھ بھی کم انصاف نہ ہو۔ اگر تم دوسروں کے ساتھ ظلم کرو گے تو لازماً تمھیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس آیت میں بتلایا گیا کہ معاشرتی زندگی میں قانون مزاجی ہے اور اسی انصاف پر حکومتوں کا دارومدار ہے۔

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا [۴/النساء:۲]

''اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدل لو برے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بڑا وبال۔''

جس بچے کے سر سے اس کے باپ کا سایہ اُٹھ جائے اسے اسلام نے یتیم قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس کی ماں دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اس صورت میں وہ اپنے دوسرے خاوند کی خدمت میں مصروف رہے گی اور پہلی اولاد کی نگرانی اور تربیت حسب دلخواہ نہیں کر سکے گی۔ دوسرے خاوند سے جو اولاد ہو گی اس کی طرف لازماً زیادہ توجہ دینی پڑے گی اس لیے حکم ہوتا ہے کہ ایسے یتیموں کو ان کا مال دے دو یعنی اس مال میں نہایت انصاف برتو اور اس کمزور حصے سے جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے انصاف کرو۔ کسان، معذور اور مساکین بھی اس حصے میں داخل ہیں۔

وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ: اور اس کی اچھی چیزوں کے بجائے اسے بری چیزیں مت دو۔ یعنی اس کا مال تبدیل مت کرو جس سے اسے نقصان پہنچے وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اور اگر تم ان

Marfat.com

کے اور اپنے مال سے مشترک تجارت یا کوئی کاروبار شروع کیا ہوا ہے تو اسے واپسی حصہ دے دو۔ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا یہ بہت بے انصافی اور ظلم ہے۔ اس کی دلیل نہیں دی اس لیے کہ یہ دعویٰ اس قدر زبردست ہے کہ مخاطب سے خود بخود اس کی تائید ہوتی ہے اور یہ صرف اجتماعی زندگی سے بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ انسان کو اپنے بچوں سے فطرتاً محبت ہوگی اگر وہ کسی یتیم کا مال غصب کرے گا جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تو اسے اس طور سمجھا سکتے ہیں کہ دیکھو اگر آج تم دوسروں سے اس قسم کا سلوک کروگے تو اگر خدانخواستہ تمھاری کل وفات ہو جائے تو تمھارے یتیموں سے بھی دوسرے اس قسم کا سلوک کریں گے۔ اس طرح وہ بہت متاثر ہوسکتا ہے۔ بنسبت اس شخص کے جو معاشرتی زندگی میں داخل ہی نہیں ہوا۔ یہ جذبات پیدا ہی نہیں ہوئے۔ اسی واسطے اسلام نے رہبانیت اور ترکِ دُنیا کو جائز قرار نہیں دیا۔ ایک عورت تمھاری مر جائے اور اولاد اس سے ہوگی تو اس کی تکفیل یا تربیت کے لیے تم کو تکالیف پیش آئیں گی۔ اس سے تم یتیم کی پرورش سیکھ لو۔ باپ مرے آدھا یتیم ماں مرے پورا یتیم۔ شادی نہ کرنے سے بھی معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہوں گی۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا [۴/النساء:۳]

”اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرسکوگے یتیم کے حق میں تو نکاح کرلو جو اور عورتیں تم کو خوش آئیں دو دو تین تین چار چار پھر اگر ڈرو گے کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے اس میں اُمید ہے کہ ایک طرف جھک نہ پڑو گے اور نہ ظلم کرو گے۔“

ماطاب لکم من النساء من الحواء التی اقاربھم احیا و ھم یطالبون منکم حقوقھن

اگر سوسائٹی میں جنگ وغیرہ کی حالت ہو جس میں بہت سے افراد شہید ہو جائیں۔ كَمَا فِیْ اُحُدٍ قُتِلَ سَبْعُوْنَ مِنْ سَبْعِ مِائَةٍ سو اس صورت میں اس قانون پر عمل کرنے کی اجازت لڑنے والی سوسائٹی کو اپنی حالت برقرار رکھنے کے لیے قانون کی ضرورت رہتی ہے مگر یہ قانون

Marfat.com

کے طور پر نہیں ہوتی، بلکہ فرضی مصلحت کے طور پر ہے، جیسے مجبوری کی حالت میں اکل میتۃ اس واسطے اس کے لیے قانون بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب وہ ضرورت پوری ہو جائے گی تو وہ قانون خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ مثل اکل المیتۃ والخنزیر یرتفع اجارتہ بارتفاع لافات الشروط۔

ازفات الشرط یا جیسے کوئی گورنمنٹ کسی تحریک کو دبانے کے لیے عارضی طور پر کوئی آرڈیننس پاس کر دے مگر اس ضرورت کے پورا ہونے کے بعد یہ عارضی قانون خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ غرض بچے کی بہترین تربیت گاہ اس کی ماں کی گود ہے اس لیے ایک بہترین خوش اخلاق معلّم جو اپنی سوسائٹی کو نہایت بااخلاق بنانا چاہتا ہے وہ یہی کوشش کرے گا کہ اس سوسائٹی کی عورتیں بہترین قابل اور بااخلاق ہوں۔

مگر ان کو تعلیم دینی ازحد مشکل ہے اس لیے کہ مرد خواہ کسی قدر پابند صوم وصلوٰۃ ہو اس کا عورتوں کو تعلیم دینا قباحت سے خالی نہیں ہے اس سے کئی قسم کے سوئے ہوئے فتنوں کے اُٹھنے کا احتمال ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے اور پھر ان کو تعلیم دے سکے۔ ان کے اخلاق بھی نہ بگڑنے پائیں اور پھر وہ بھی بااخلاق ہو کر تعلیم دے سکیں۔ حضور ﷺ کے ازواجِ مطہراتؓ کے یہی راز مضمر تھا۔ سندھ میں دارالحکومت ٹھٹھہ میں ایک بزرگ نے چار بیویاں کیں مگر ازدواجی تعلقات قائم نہیں رکھے اور انھیں مکمل تعلیم دے کر رُخصت کر دیا اور پھر اس طرح چار اور سے نکاح کیا اور انھیں مکمل تعلیم دے کر رُخصت دے دی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام سندھ میں عورتوں میں دینیات کی تعلیم آج تک عام ہے۔ غرض بتلایا کہ معاشرتی زندگی بسر کرنے کا درجہ ہے اگر تم نے صرف قومی پروگرام کو مکمل کرنا ہے تو اس کے لیے صرف ایک عورت کافی اور زیادہ عورتیں صرف اس صورت میں کی جائیں جب کہ بین الاقوامی پروگرام کی تکمیل منظور ہو۔ تم میں جب ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی طاقت اور اُن کے لیے علیحدہ علیحدہ مقام اور دیگر انتظام کر سکو گے اس صورت میں تو جائز ہے۔ بین الاقوامی پروگرام کو چلانے کے لیے تم اپنے گھر میں ایسی شادیاں کرو تاکہ ان سے جو بچے پیدا ہوں انھیں بین الاقوامی پروگرام کی تعمیر کے لیے تیار کیا جائے فَوَاحِدَۃً تو ایک ہی پر قناعت کرو اگر انصاف نہ کر سکو۔

اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وہ عورتیں جن کے مرد جنگ میں مارے جائیں اور وہ گرفتار

Marfat.com

ہو جائیں ان عورتوں کو اب جیل میں رکھنا ان کی اخلاقی موت کے برابر ہے، جیسا کہ آج بھی جیلوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہاں عورتیں اور بچوں کی اخلاقی حالت نہایت گر جاتی ہے۔ ان عورتوں کو اس ذلت کی زندگی سے بچانے کے لیے گھر میں رکھنے کی اجازت دی۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا سیدھے راستے سے گمراہ نہ ہو گے تمھیں اُوپر جو قانون دیا اور کسی پر ظلم نہ کرسکو گے۔ اب بچوں کے حقوق کا بیان ختم ہوا۔ اگلی آیت میں عورتوں کے حقوق کا بیان شروع ہوا۔

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا [۴/النساء:۴]

”اور دے ڈالو عورتوں کو مہران کی خوشی سے پھر اگر وہ اس میں کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے اس کو کھاؤ۔“

ان کو مہر عطیہ کے طور پر دو فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ انھیں اپنے مال ”مہر“ صرف کرنے کا پورا اختیار دیا جائے۔ اس کے بعد وہ خوشی سے اس میں تم کو بھی شامل کرسکتی ہے تا کہ تم بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکو۔

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا [۴/النساء:۵]

”اور مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا اللہ تعالیٰ نے تمھارے گزران کا سبب اور اُن کو اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور کہو ان سے بات معقول۔“

اَمْوَالَكُمْ مراد قومی مال پہلے شخصی حقوق کے متعلق اب قومی حقوق کے متعلق ذکر ہو رہا ہے کہ اگر اس یتیم کو کافی سمجھ پیدا نہیں ہوئی تو اس کو اس کا مال نہ دو اس لیے کہ یہ قوم کا مال ہے اور قوم کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذریعہ ہے اور وہ یتیم ممکن ہے کہ اسے بے سمجھے تلف کر دے۔

وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا وَ مَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَ مَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

Marfat.com

عَلَيْهِمْ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْكَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا [٤/النساء:٦-٧]

''اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچے نکاح کی عمر کو، پھر اگر دیکھو، ان میں ہوشیاری تو حوالے کر دو ان کے مال ان کو اور نہ کھاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے پہلے کہ تو یہ بڑے نہ ہو جائیں اور جس کو حاجت نہ ہو تو مال یتیم سے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہو تو کھائے موافق دوست کے پھر جب ان کو حوالے کرو ان کے مال تو گواہ کر لو اس پر، اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو۔ مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت، سو حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔''

بَلَغُوا النِّكَاحَ معاشرتی زندگی کے قابل ہوا امام ابوحنیفہ نے جانچنے کے لیے عمر کا وقت ١٥ برس رکھا ہے اور جانچ کے لیے تین سال مقرر کیے ہیں۔ اس صورت میں اس کا مال اٹھارہ سال کی عمر میں دے دینا چاہیے رشدا اس عرصے میں اگر دیکھو کہ وہ شریفانہ طور پر چل رہا ہے تو اس کا مال اس کو دیدو وَ لَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا غنی کو لینے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ قومی مال ہے، خواہ مخواہ برباد نہیں ہونا چاہیے بالمعروف یعنی بڑی بڑی تنخواہیں لینے کی اجازت نہیں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا اپنے آپ کو تیار رکھو کیونکہ تم نے اللہ کو حساب دینا ہے یعنی اگر اسی قانون پر عمل کرو گے تو دُنیا میں پھولو پھلو گے، غرض اس اجتماعی زندگی میں سارا قانون دے دیا گیا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ [٤/النساء:٧] کیا کرتے کے متعلق اُوپر ذکر کیا ہے کہ اس سے خاندان بنتے ہیں۔ اب بتلایا گیا کہ خاندان بننے کے ساتھ ان کی اقتصادی ضرورت کا انتظام کریں۔ مگر مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کا رونا عام رویا جاتا ہے اس کی وجہ ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں بے حد

Marfat.com

مسرف اور فضول خرچ واقع ہوتے ہیں۔ شادی بیاہ اور موت کے موقع میں صرف نام کے لیے اپنی جائیدادیں مہاجنوں اور بنیوں کے ہاتھ کوڑیوں کے مول فروخت کرتے ہیں۔ اس کو سود مندی نہیں بلکہ ان کی جدوجہد اور محنت کی زندگی دکھانے کی حاجت ہے اور فضول خرچی اور اسراف سے بچانے کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ جدید تعلیم ان میں سے کسی مرض کی دوا نہیں بن سکتی۔ تعلیم یافتہ مرد ہو یا عورت اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلا کر فیشن کرنے کی خواہش دونوں میں یکساں موجود ہے۔ نئی تعلیم صرف اس قدر تبدیلی کرتی ہے کہ اپنے فیشن کا روپیہ ملک کے بجائے یورپ کو بھیجنا پسند کرتی ہے۔ غیر تعلیم یافتہ کو دیسی غذا ملے گی اور تعلیم یافتہ خاتون کو یورپی پاؤڈر، عورتوں کی تعلیم بے شک ضرور ہے مگر تعلیم سے زیادہ ضروری چیز تربیت ہے اور وہ بھی مذہبی اور قومی مذہبی تربیت۔ کیا یہ افسوس کے قابل نہیں کہ جس طرح تعلیم یافتہ مرد انگریزوں کی نقل کو اپنا کمال جانتے ہیں تعلیم یافتہ خواتین بھی میموں کی نقل کو اُتارنا فخر مانتی ہیں یہ تمام باتیں اصلاح کے قابل اور اصلاح کی محتاج ہیں۔ مضمون لکھنا اور لکھانا کوئی بڑے کمال کی چیز نہیں، کمال کی چیز عمل ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان مردوں کی طرح مسلمان عورتوں میں بھی یہ عیب ترقی پاتا جا رہا ہے اور عمل کے بغیر حرف لکھنے اور جوڑنے کو اصلاح کرنے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔ ہماری مثال ایسی ہے جیسے گھر میں آگ لگی ہوئی ہو اور گھر کے سب لوگ آگ کو عملاً بجھانے کے بجائے صرف آگ آگ چلا رہے ہیں اور اس پر ماتم اور تقریر کر رہے ہوں۔

ہمارے گھروں کی اصلاح کے اکثر کام ہماری عورتوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، اگر وہ سنبھل جائیں تو مسلمان کا گھر سنبھل جائے۔ مسلمان عورتوں کی جہالت حد درجہ قابلِ افسوس ہے اور ہم کو تو ہر طرح سے اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن علم کے ساتھ عمل سکھانے کی بھی ضرورت ہے۔ ہمارے اکثر اسکولوں کی مدرسات غیر مسلمہ ہوتی ہیں جو ہمارے کیریکٹر اور مذہبی اخلاق سے ناواقف ہوتی ہیں، ان کے زیر سایہ یہ بیوی بچوں میں کسی خوبی کے پیدا ہونے کی اُمید ہو سکتی ہے؟ ہندوستان کی عورتوں میں اگر کسی قسم اور صحیح تعلیم کا نمونہ پیش کیا ہے تو مرہٹہ عورتوں میں جو ایک طرف ٹھیٹھ ہندو اور ہندوستانی گھریلو عورتیں ہیں اور دوسری طرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور گریجویٹ ہیں۔

Marfat.com

قرونِ اولیٰ کی عورتوں کے حالات کا مطالعہ کیجیے، حضرت عمار کی والدہ سمیہ ؓ جب مسلمان ہوئیں تو مشرکوں نے لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا شاید ایمان توڑ دیں مگر سورج کی گرم شعاعیں ان کی حرارتِ ایمانی کو تیز کرتیں، کفار جب سب کرتب کر چکے مگر ان کے ایمان میں کوئی فرق محسوس نہ کیا تو آخر اُنھوں نے تان کر برچھی مار کر شہید کر دیا، عمار کا گھرانہ غلام تھا۔ اسلام میں شہادت کا یہ پہلا واقعہ ہے، زنیرہ ؓ کنیز تھیں، حضرت عمر ؓ قبل اسلام اس بے کس کو مارتے مارتے تھک جاتے تھے تو کہتے تھے کہ میں نے تجھے رحم کی بنا پر نہیں چھوڑا بلکہ اس وجہ سے کہ تھک گیا ہوں۔ انھیں مصائب و آلام کی وجہ سے ان کی آنکھ جاتی رہی۔ ہند ؓ یہ اور اُم عبید ؓ دونوں کنیز تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں۔ حضرت ام شریک ایمان لائیں تو ان کے اعزہ و اقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا اور تین دن تک پانی نہیں دیا۔ ایسے بے انتہا واقعات ہیں اور صحابیات جو جنگ میں لڑیں ان کی تفصیل بہت لمبی ہے۔

عشق پہ زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب　　　جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا [۴/النساء:۸]

”اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کہہ دو بات معقول“

یعنی اس وقت غربا کا خیال بھی رکھو۔ اس اُصول کو مدنظر رکھ کر انگلینڈ میں ہر بے روزگار کے لیے حکومت کی طرف سے وظیفہ مقرر ہے وَ قُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا انھیں نہایت نرمی سے سمجھاؤ کہ حصہ تمھیں تمھاری ضروریات کے لیے دیا جا رہا ہے۔ ایک غنی رحم دل اپنے محلّہ کے غربا اور اپنے مساکین اقربا یتامیٰ کا بھی خیال رکھتا ہے اور وہ مر گیا اس کا مال تقسیم ہو رہا ہے اور اُن کا بڑا غم ہے تو ان کے غم ٹالنے کی یہ صورت ہے۔

وَ لْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَکُوْا مِنْ خَلْفِھِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْھِمْ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا [۴/النساء:۹]

Marfat.com

"اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑی ہے اپنے پیچھے اولاد ضعیف
تو ان پر اندیشہ کرے یعنی ہمارے پیچھے ان کا ایسا ہی حال ہوگا جو چاہیے
کہ ڈرے اللہ سے اور کہیں بات سیدھی۔"

ان مسکینوں اور یتیموں کو تسکین دینے کا پیام ہو رہا ہے اور اُن کو وارثانِ دولت کیا جا رہا ہے، تو اس میں تمھاری اولاد ہوتی تو تمھارے دل میں کیا کیا خیال گزرتے اور مرتے وقت رحم کی درخواست ہر ایک سے کرتے اس لیے ایسی جماعت یتامی کو اپنی اولاد سمجھ اور اچھی طرح کچھ دے کر ان کی تسلی کرو۔

سبحان اللہ عجیب رحم کرنے والی کتاب قرآن مجید ہے اگرچہ توریت میں رحم دلی سمجھائی جاتی ہے مگر قرآن مجید کا طرزِ بیان قلب کو پانی سے زیادہ نرم کر دیتا ہے، غرض اب بتلایا کہ یتیم کی نگرانی کے لیے نہ اس کی ماں ہے نہ اس کا باپ، اس بے چارہ کا پرسانِ حال کوئی نہیں، اس غریب کی حالت ماں باپ کے بعد بہت بدتر ہو جاتی ہے اس طرح تمھیں بھی دُنیا میں انصاف کرنا چاہیے تا کہ تمھاری وفات کے بعد تمھارے یتیموں کے ساتھ اس طرح کا انصاف ہو، یتیم کی بڑی وصف بے مددگاری کی ہے یعنی تمام بے مددگار غریبوں سے اچھی باتیں کرو اور اُن کو تسلی دو۔ [الولی: اکتوبر ۱۹۹۴/۲-۴، جنوری ۱۹۹۵/۲-۴، مارچ ۱۹۹۵/۲-۴، مئی ۱۹۹۵/۲-۴]

❁……❁❁……❁

Marfat.com

سطعات [افاداتِ مولانا سندھی]

حکمت کی پرانی تاریخ میں تین ملک ہم فکر رہے ہیں: ہند، ایران اور یونان، حکمت کا مطلب فقط یہ ہے کہ ہم جو چیزیں اپنے گردو پیش دیکھتے ہیں ان کی حقیقت سمجھنا، یہ علم حضرت ابراہیم ◆ سے پہلے کی نبوتوں میں اساسی چیز تھی۔ مثلاً ایک نبی آکر حساب کا قاعدہ سکھا دیتا ہے۔ یہی اس کا کمال ہے۔ چنانچہ جواهر المضيئة فی تراجم الحنفية میں ایک متقی عالم کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ حساب میں خطائیں کا قاعدہ دو غلطیاں کر کے نتیجہ صحیح نکالنا ایک نبی نے آکر سکھایا ہے۔ یہ قاعدہ آج کل جبر و مقابلہ کی وجہ سے متروک ہے۔

حکمت کی بعض چیزیں تمام انسانیت یکساں طور پر مانتی ہے مثلاً حساب کے قواعد اور علم ہیئت کے اُصول سب قوموں میں یکساں مانے جاتے ہیں۔ ہیئتِ فلکی سے ترقی کر کے علمِ نجوم پیدا ہوا اور اسی طرح ارضی اشیا کی تاثیرات ضبط کرنے سے علمِ طب پیدا ہو گیا۔ طب اور نجوم کو ماننے والا آدمی آخر خدا کو مانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار نہیں کرسکتا۔ پہلے زمانہ میں یہ طب اور نجوم انسان کی دینی اور دُنیاوی ضرورتوں کے لیے کافی سمجھے گئے ہیں۔ چنانچہ امام غزالی نے لکھا ہے من لم یعرف الهيئة والتشريح وهو عنين فی معرفة الله اگر ثابت ہو جائے کہ انسانیت کا کوئی طبقہ کسی علم سے خالی نہیں رہا ہے تو وہ علم اس طبقہ کے لیے بہت محترم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا ماننا اس درجہ کا علم ہے اس لیے نہایت ہی محترم ہے۔ جیسے بعض انسان اندھے پیدا ہوتے ہیں، ایسے ہیں بعض اس معرفتِ الٰہی سے خالی اور نابلد ہوتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو انسانیت کا معیار قرار دیا جائے تو معاملہ ہی اُلٹ جائے گا۔ بھلا ایسوں کو انسانیت

[☆۱-قَدْ جَاءَ فِیْ الْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ: وَ مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی (۱۷/الاسراء:۷۲)]

Marfat.com

سے کیا تعلق ہے، حکمت کی اشاعت یا تو ہند سے ہوئی ہے، جیسے ریاضی اور نجوم یا ایران سے جس کا مرکز بابل تھا۔ پھر اس سے آگے یونان ہے، یونان کا چونکہ جلد ہی مسیحیوں سے تعلق جڑ گیا، اس لیے وہ جلد ہی ممتاز ہو گیا اور وہاں کے حکما دُنیا میں مشہور ہو گئے۔ ورنہ دراصل بعض چیزوں میں تو واقعی ممتاز ہے لیکن بعض میں ایران اور بعض میں ہندوستان بہت ہی آگے ہے اور یہ سب فلسفہ حضرت ابراہیم ◆ سے پہلے کے ہیں۔ اس دور کی ترقی دو مرحلوں پر ختم ہوتی ہے:

- یہ کہ سارے عالم کا مادّہ ایک ہی ہے۔ جس چیز کا حیات سے تعلق ہے وہی مادّہ ہے اور تمام مادّی قوتیں ایک مرکز سے نکلی ہیں چاہے وہ آسمان کے ستارے ہوں یا زمین کا پانی۔ جو حکیم اس درجہ پر پہنچے گا وہ طبیعیات، نجوم اور ریاضی میں استاذ مانا جائے گا۔
- یہ کہ مادّی اشیا کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں جو مادّہ کی تعریف کے ذیل میں نہیں آتیں مگر عقل انھیں قدرتی طور پر ادراک کرتی ہے۔ مثلاً فرشتہ اور برق وغیرہما، جنھیں بعض حکما نے اپنے مرکز کی تلاش میں تحرک کر کے بذاتِ خود ملاحظہ بھی کر لیا ہے جہاں مادّی اور غیر مادّی چیزیں جا کر جمع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کی تنظیم مرکز کے سوا ہو ہی نہیں سکتی۔ حکما کے نزدیک مادّیت اور غیر مادّیت کا جو مشترک مرکز ہے اس کا نام وجود ہے انھیں اس وجود کی وحدت بھی ایسے ہی ماننی پڑے گی۔ جیسے کہ مادّے کو مانتے ہیں۔ مٹی سے نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ کسی کو تردد نہیں کہ یہ مٹی سے نکلی ہیں اور اجڑنے کے بعد گل سڑ کے پھر مٹی میں گھل جائیں گی، مادّے کی وحدت میں ان تغیرات سے کوئی فرق نہیں آتا۔ اس طرح متفرق چیزوں کو مرکز سے وابستہ کرنے کا نام وحدت ہے۔

ایک حکیم جب تمام وجودی چیزوں مادّی خواہ غیر مادّی کا ایک مرکز سے تعلق پیدا کر کے اس میں سب کی تشریح کر سکا اور اس میں ان سب کا وجود ولیہا ہی اَلْآنَ کَمَا کَانَ غیر متغیر ہے تو اس حکمت کا نام 'وحدت الوجود' ہے، یہ ایک حقیت اور سائنس ہے، فلسفہ نہیں کیونکہ ایک انسان جب اس وجود کو سوچتا ہے لیکن احاطہ نہیں کر سکتا اور صرف اپنے محسوسات کے مطابق چیزوں کے نام اور شکلیں مقرر کرتا ہے تو یہ فلسفہ بن جاتا ہے اور اس تجلی کے ذریعہ سے حقیقت

Marfat.com

سے آشنا ہوگا اور جو حکیم وجود کی معرفت ماہر ہوتا ہے اسے الٰہی حکیم کہا جاتا ہے۔ حکمت کے یہ دونوں درجہ کہ مادّہ کو مرکز بتایا جائے یا وجود کو وحدۃ المعادہ اور وحدت الوجود انسانیت کے لوازم میں سے ہیں۔ انسانیت ان خیالات سے خالی نہیں رہ سکتی۔ بعض اوقات زمین کے بعض حصے ایسے مردم خیز واقع ہوتے ہیں کہ جمع اوصاف حکمت پر بحث کرنے والے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں اور وہ ایسا خطہ دُنیا میں انسانیت کے لیے مرکز بن جاتا ہے جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس زمانہ میں بابل اور سوریا انسانیت کے مرکز تھے چنانچہ سوریا میں انسانیت کے حکیم زیادہ ہوئے ہیں اور بابل میں طبعیات کے زیادہ ہوئے ہیں۔ انبیا □ کا درجہ جیسے کہ طبقات کے مطالعہ سے سمجھا جاتا ہے، ان حکما کے معلّمین کا ہے اور اُن میں سے اچھے حکیم نوت کے بہترین شارح ہیں ان ہی کو صدیق کہا جاتا ہے یہ ان مسائل کو جو انبیا □ نے پیش کیے ہیں، اپنے عقل سے صحیح مانتے تھے اس لیے اُنھوں نے جھٹ تصدیق کر دی، الٰہی حکیم وہ چیز کبھی نہیں مان سکتا جسے نبی رد کر دے۔

انبیا □ کے گرد ایسے حکما یعنی صدیقین کی ایک جماعت جمع ہو جاتی ہے جن کے زور سے انبیا □ کی حکمت انسانیت میں پھیلتی ہے۔ انبیا □ کی تعلیم میں حکمتِ الٰہیہ ہمیشہ مرکز رہتی ہے اور باقی اجتماعی حکمتیں، گاؤں بسانا، شہر بسانا اور جو اِرتفاقات بڑھیں گے یہ سب نبوت کی تعلیم میں دوسرے درجہ پر ہیں لیکن حکیم کے ہاں یہ سوشل اجتماعات پہلے درجہ کی چیزیں ہیں۔ صدیقین کے اس علم کا نام ہے ''الحکمۃ'' حکما کی حکمت کے بعد انسانیت میں نظام قائم کرنے کے لیے حکمرانوں کی ضرورت ہے کیونکہ انسانیت کے تمام طبقے حکمت کو خود ٹھیک طرح نہیں سمجھ سکتے اس لیے ایک طبقہ جو اِرتفاقات میں زیادہ مصروف رہتا ہے۔ اپنے اچھے استاذ پر اعتماد کر کے حکمت کو مان لیتا ہے یہ لوگ اصل میں حکم ماننے والے ہوتے ہیں، استاذ جو حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں ان لوگوں کے سردار کا نام شہدا ہے یہ نبی کے گرد دوسری صف میں جمع ہو جاتے ہیں یہ خود حکمت سمجھتے ہیں اور عام تک حکم کی صورت میں پہنچاتے ہیں۔ اس حکم کا اصطلاحی نام ''الکتاب'' ہے یعنی لکھی ہوئی چیز نوشتہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس طرح حکم

Marfat.com

میں تبدیلی نہیں انھیں یعنی عوام کو اپنی عقل کو اس حکم کے تابع کرنا پڑتا ہے۔

حضرت ابراہیم ◆ سے پہلے جن قوموں کا تعلق انبیا □ سے ہے وہ سب الحکمۃ کی حامل ہیں۔ ملک کے کسی حصے میں کوئی نبی پیدا ہوا، اس کے شاگردوں نے اپنے گرد کے لوگوں میں حکمت پھیلا دی۔ بس حضرت ابراہیم ◆ سے پہلے یہ حکمت کی حامل جماعتیں آرین قوم ہیں جو ہند میں ہوئیں یا ایران اور روم میں یونان میں سب کا ایک ہی سائیکولوجی ہے اور سمجھنے کا ایک ہی طریقہ انسانیت ان میں محصور ہوگئی۔ اس حکمت میں غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ سوچنے میں واسطے بڑھ جانے سے بعد والوں سے غلطیاں سرزد ہوئیں ہیں۔ اس بات کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

یہ واقعہ لوگوں نے ہمیں سنایا تاریخ میں نہیں پڑھا۔ ایک بادشاہ ہے جس کے دربار میں عوام، ہر کہ ومہ براہِ راست پہنچ سکتے ہیں اور اس کے احکام سیدھے سن سکتے ہیں اور ایک اور بادشاہ ہے جس کے احکام کئی ایک محکموں کے توسط سے دس بیس درجوں میں نیچے اُتر کر عوام بیچاروں تک پہنچتے ہیں اور اُن عوام کو کبھی بادشاہ کے روبرو اپنی فریاد کرنے کا موقع نہیں ملتا تو جتنا انصاف اوّل الذکر کی رعایا کو اس طور پر حاصل ہوگا اتنا ہی دوسرے والے نہایت اقل قلیل درجہ پر رہ جاتے ہیں۔

استنبول کے ایک سلطان کو اطلاع پہنچی کہ حرم کے کبوتروں کے لیے اناج نہیں ہے۔ قاعدہ تھا کہ کبوتروں کے لیے غلہ سیدھا استنبول سے بھیجا جائے فرض کرو کہ ایک سو من غلہ کافی تھا اُنھوں نے دس ہزار من بھیجنے کا حکم دیا۔ ایک وزیر نے پوچھا کہ اتنا غلہ کبوتروں کے نام کا مطلب، سلطان نے کہا بتاؤ۔ یہ غلہ کتنے امیروں کے ہاتھوں سے گذرے گا وزیر نے چند ایک نام گن لیے۔ سلطان نے کہا کہ اگر سو من بھی وہاں منزل مقصود پر پہنچ گیا تو غنیمت ہے۔ ایک حاکم مکہ میں گیا اسے قسم دلائی گئی کہ رشوت نہیں لے گا جب مکہ پہنچا تو کسی نے اسے رشوت نہ دی کہنے لگا اجی میں نے تو قسم کھائی ہے رشوت نہ دینے کی۔

افسوس یہ ہے نظامِ حکومت جسے مسلمان زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اُسی میں کوئی شک نہیں کہ حکمت کی ترقی شاخیں بننے سے ہوتی ہے لیکن حقیقت سے دوری بھی اس قدر ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

پہلی سب حکمتوں کے مراکز ایسے ہی تباہ ہو چکے ہیں اب ہمارے ہاں اس کی مثال فقہ حنفی ہے۔
یہ ہارون کے زمانہ میں مسلمانوں کو منظم کرنے کا بہترین نظام تھا۔ ہارون کے تمام قاضی ایک ہی قانون پر فیصلہ کرتے تھے اور اُن قضاۃ کی اپیل دربار میں ہوتی تھی اور انصاف فی الجملہ سب ہی کو مل جاتا تھا۔ ہارون کے بعد اب تک فرض کرو کہ ایک ہزار سال سے اس قانون کی شرح اور حاشیہ لکھتے لکھتے ہم اتنے دور تک پہنچ گئے کہ جب مجھے خواہش ہوئی کہ امام صاحب کے اصلی نصوص مجھے ملیں تو تمام کتابیں پڑھ کر یقین ہو گیا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ ان کے اقوال کی شرح، شرح کی شرح اور اُصول کے اندر اُصول سب آپس میں مل جاتے ہیں اور اصل چیز نہیں ملتی۔

مثلاً ترک نماز کرنے پر کیا سزا ہو؟ غیر حنفی اسے کافر کہتے ہیں "اسے قید کر دو" مجھے شک ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں کسی جگہ اس قید کا ذکر نہیں ہے فقہ میں کیسے پیدا ہو گیا۔ حنفی پر اعتراض ہوتے ہیں اس لیے میں اصل معلوم کرنے کا شوق رکھتا تھا۔ بہت عرصہ کے بعد فتاویٰ عالمگیری میں دیکھا اس میں "کتاب الزکوٰۃ" کے شروع میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا فرض ہے اس کا منکر کافر ہے اور اس کا چھوڑنے والا قتل کیا جائے گا۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں پر قتل کا فتویٰ حضرت ابوبکر صدیق ◆ کے زمانے میں دیا گیا۔ حضرت عمر ◆ نے اس کی مخالفت کی تو جواباً کہا گیا کہ جو شخص زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرے گا ہم اسے قتل کریں گے کیونکہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ نماز کے ترک پر دونوں کا اتفاق ہے اس لیے اُنھوں نے نکالا کہ زکوٰۃ کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے اور میں حیران کن تھا کہ صحابہ کرام ؓ کے زمانہ تک صرف ترک نماز کے فعل پر قتل کا اتفاق تھا اور ابوبکر کے زمانہ میں زکوٰۃ بھی شامل کر لی گئی اس سے کسی کو خبر نہیں ہے۔ اب فقہا حنفیہ نے جو قید کی طرح لگائی اور زکوٰۃ پر قتل کی اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے سب کتابیں پڑھیں اور اس کا حل کہیں نہ ملا۔ ایک فارسی کتاب کا نام ہے ترغیب الصلوٰۃ بخارا کے کسی عالم کی لکھی ہوئی ہے، قلمی ہے سندھ میں ملی، پھر اس طرح کی عبارت محمد ہاشم سندھی کے فتویٰ میں پڑھی اس میں لکھا ہے یُحْبَس تَارِكَ الصَّلٰوۃِ ثَلٰثَۃُ اَیَامٍ ثُمَّ یُقْتَلُ یہ چیز معقول ہے کہ تین دن قید کر کے بعد میں قتل کیا جاتا ہے۔ دیکھو ایک امام کی بات شارحین کے جھگڑے میں کیسے گم ہو گئی۔

اسی طرح حکمت جیسے پھیلتی ہے اور اصلی اجزا نیچے اُترتے ہیں تو اصل سے دور ہو جاتی

Marfat.com

ہے، صحیح بات کتابوں میں نہیں ملتی۔ علم نجوم پورا پڑھ جاؤ خدا کی یاد تک نہیں آتی۔

طب ساری پڑھ جاؤ خدا کہیں نام کو نہ ملے گا۔ حساب اور ریاضی کی دوسری شاخوں کا بھی یہی حال ہے کہ کہیں خدا کا نام تک نہیں آتا اس لیے کہ یہ بات انبیا ◻ اور صدیقین علیہم الرضوان سے بہت ہی دور ہوگئی۔ اس لیے اب ابراہیم ◆ آتے ہیں اور یہ تمام طریقے منسوخ کر دیتے ہیں اور انسان کے اندر کی امانت کو خدا کی معرفت کا ذریعہ بناتے ہیں۔

توئی آنکہ تا من منم بامنی (نظامی) یہ ابراہیمی معرفت کا خلاصہ۔ انبیا ◻ کے ہاں طریقہ یہی تھا مگر حکمت کی شاخیں پھوٹی پھوٹی، کہیں کے کہیں پہنچ گئیں اور حضرت ابراہیم نے سب کی سب کاٹ ڈالیں۔ اب ان کے ذریعے سے جو حکم پھیلے گا زیادہ تر حکم کے تابع ہوں گے۔ وہ حکمت کو اپنے حکم میں حکومت ملا لیں گے یہ الکتاب کے مالک ہوں گے۔ یہ علم الکتاب سامی قوموں کا ہے۔

اب رسول کو الحکمۃ اور الکتاب دونوں چیزوں کا جامع بنایا گیا ہے۔ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [۲/البقرۃ:۱۲۹] اس لیے وہ ساری دُنیا کی امامت کریں گے وہ جو الحکمۃ ہے وحدت الوجود کا نام ہے اور یہ وحدت الوجود کا جو حجر بحت ہوگا اور اس انسانی حجر بحت کا جو تجلی اعظم سے ربط ہوگا۔ یہ ہوگی ابراہیمی طریقہ کی حکمت اس حکمت، میں وحدت الوجود کا خاص مقام ہے۔ اس میں عقل انسانی کا تعلق تجلی اعظم سے قائم کیا جاتا ہے۔ یعنی تھیوری اور نظریہ وہی قائم رہے گا کہ وجود ایک ہے تمام اشیا اس میں سے نکلتی ہیں اور اس کی طرف واپس جائیں گی اس وجود کا نام ہے اللہ، اس وجود کو سمجھنا تجلی کے ذریعہ ممکن ہے تجلی کے ذریعہ کے بغیر سمجھنا ناممکن، کیونکہ انسانی دماغ اس وجود اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں نے تجلی کو چھوڑ کر خدا کو سمجھنے کی کوشش کی وہ بہت سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے۔ ابراہیمی طریقہ کی حکمت میں تجلی اعظم سے معرفت کا مسئلہ ابتدا ہی میں الف بے کے درجہ پر رکھا گیا ہے اور اس حکمت میں تجلی اعظم اور انسانی حجر بحت کا ملنے آپس کے باہمی تعلق کا مرکز ملأ اعلیٰ اور وہ جگہ جہاں ملأ اعلیٰ میں جمع ہوتے۔ حظیرۃ القدس ہے یعنی حکمت کا کمال ہے۔ یہ ہے کہ انسان حظیرۃ القدس کا رکن، ممبر بن جائے۔ پس سارے کی ساری حکمت ان کی تعلیم میں آ گئی۔ پوچھا سمجھ

Marfat.com

گئے، میں نے کہا ہاں جی سب کچھ (در الفوائد)

فرمایا اب ایک اور چیز بتاتے ہیں، آخری مرتبہ اب ساڑھے دس بجنے والے ہیں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عید مسیح کے موقع پر حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ آخری مرتبہ کھانا کھایا، مولانا نے تلاش کر کے یوحنا کی انجیل سے باب ۱۶ کی آیت نکال لی۔

''ہم جان گئے کہ تو سب کچھ جانتا ہے اور اس کا محتاج نہیں کہ کوئی تجھ سے پوچھے اس سب سے ہم ایمان لاتے ہیں کہ تو خدا سے نکلا ہے، یسوع نے جواب دیا، کہا کہ تم اب ایمان لائے ہو؟ دیکھو وہ گھڑی آئی ہے بلکہ آ پہنچی ہے کہ تم سب پراگندہ ہو کر اپنے اپنے گھر کی راہ لو گے اور مجھے اکیلا چھوڑ دو گے، تو بھی میں اکیلا نہیں ہوں، کیونکہ باپ میرے ساتھ ہے۔''

پھر باب نمبر ۱۶ کی آیت پڑھی

''میں نے تیرے نام کو ان آدمیوں پر ظاہر کیا جنھیں تو نے دُنیا میں مجھے دیا وہ تیرے تھے اور تو نے انھیں مجھے دیا اور وہ آیت تیری ہی طرف سے ہے جو کلام تو نے مجھے پہنچایا وہ میں نے انھیں پہنچا دیا اور اُنھوں نے اسے قبول کیا اور سچ سچ جان لیا کہ میں تیری طرف سے نکلا ہوں، اور وہ جو ایمان لائے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔''

پھر فرمایا اسی باب ۱۶ کی آیت ۱۶-۲۵ میں ہے۔

''جس طرح میں دُنیا کا نہیں وہ بھی دُنیا کا نہیں، انھیں سچائی کے وسیلہ سے مقدس کر یہ تیرا کلام سچائی ہے جس طرح تو نے مجھے دُنیا میں بھیجا، اسی طرح میں نے بھی انھیں دُنیا میں بھیجا اور اُن کی خاطر میں اپنے آپ کو مقدس کرتا ہوں تاکہ وہ بھی سچائی کے وسیلہ سے مقدس کیے جائیں، میں صرف انھیں کے لیے درخواست نہیں کرتا بلکہ ان کے لیے بھی:۔ ان کے کلام کے واسطے سے مجھ پر ایمان لائیں گے تاکہ وہ سب ایک ہوں۔ یعنی جس طرح اے باپ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں، وہ

Marfat.com

بھی ہم میں ہوں اور دُنیا میں ایمان لائے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا اور وہ جلال جو لوگوں نے مجھے دیا ہے، میں نے انھیں دیا تا کہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں۔ میں ان میں اور تو مجھ میں تا کہ وہ قابل ہو کر ایک ہو جائیں اور دُنیا جانے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا اور جس طرح کہ تو نے مجھ سے محبت رکھی ہے ان سے بھی محبت رکھ۔"

یہ جو جملہ ہے، کہ "تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں" یہ حجر بحت اور تجلی اعظم کے تصور سے حل ہو سکتا ہے، تجلی اعظم کبھی کسی کے حجر بحت پر غلبہ کر لیتی ہے تو اسے تجلی میں فنا حاصل ہو جاتی ہے، تو کہا جاتا ہے کہ وہ خدا میں ہے، معرفت الٰہی میں ترقی کا جو طریقہ مسیح ◆ کو فطرۃً نصیب ہوا ہے وہ اس طریقہ پر اپنے حواریوں کو اور اُن کے واسطے سے جو ان کی تعلیم کو قبول کرے سب اس درجہ پر لانا چاہتے ہیں۔ یہ وہ حکمت ہے جس کا نام انجیل رکھا جاتا ہے اور یہ پہلی حکمت کی رُوح ہے اور جو ابراہیم ◆ سے پہلے رائج تھی۔ ہم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت اس لیے بڑھانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس میں الکتاب اور الحکمۃ دونوں جمع ہیں اور یہ حکمت ولی اللّٰہی اس فلسفہ وحدت الوجود پر مبنی ہے، جس کو تمام آرین قومیں حکمت کی بنیاد مانتی ہیں۔ اب اگر ہم اس بنیاد سے کام شروع کریں تو ان اقوام کو بھی اپنے ساتھ شامل کر سکتے ہیں اور اُن کو تجلی کی دعوت دے کر خطیرۃ القدس سے تعلق پیدا کرنے کے بعد الکتاب کا علم بھی دے سکیں گے۔

پھر مختصر لفظوں میں ہم یوں کہتے ہیں کہ وہ وحدت الوجود کے فلسفہ کو اس شکل میں لانا کہ تجلی اعظم اور خطیرۃ القدس کے مرکز کو سمجھ سکے اور اپنے حجر بحت کے ذریعہ سے وہاں خطیرۃ القدس پہنچنے کا امکان تسلیم کر لے یہی وہ حکمت ہے جس کی میں نے بنیاد ڈالی یہی اس کی اصل آرین تہذیب ہے، مگر ہم اسے مسیح سے لیتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابراہیمی طریقہ کے چند اوالوالعزم انبیا □ کو جمع کرنے سے جن میں موسیٰ ◆، عیسیٰ ◆ اور حضرت محمد ﷺ شامل ہو جاتے ہیں، ہمارا پروگرام انسانیت کے لیے مکمل ہو جاتا ہے اور ہم کسی بیرونی حکیم یا فلاسفر کا محتاج ہو کر نہیں رہتے، ہمارے لیے اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ آج کل کا اقتصادی پروگرام جو یورپ پر حاکم ہے، ہم اسے شاہ صاحب سے لیتے ہیں اور ہمیں اس بحث کی ضرورت نہیں ہے

Marfat.com

کہ آپ نے کہاں سے لیا ہے، اتنا یقیناً جانتے ہیں کہ یورپ سے نہیں لیا ہم نے جو تعلیم ان سے حاصل کی ہے۔ وہ ساری دینی ہے تو یہ اکانومیکل پروگرام بھی ہمارے دین کا جزو ہوگی، اسی طرح جب ہم انجیل کے مصدق ہیں تو اس خاص فلاسفی کو قبول کرنا ہمارے لیے لازم ہوگا۔ انجیل کہاں سے لیتی ہے اس سے بحث کی ضرورت نہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن کا ایک مضمون زمزم لاہور میں نکلا جو انجمن ترقی اُردو کے کسی اشتہار پر اعتراض کا جواب تھا۔ مولوی حفظ الرحمٰن انجمن ترقی اُردو کو الزام دیتے ہیں کہ تمھاری طرف سے شائع ہونے والی کتابوں میں ایک مصنف یہ فکر دیتا ہے وہ خدا کا پرانا تصور جو کتب الٰہیہ میں ہے وہ کم ہو جائے گا اور ایک اور تصور پیدا ہوگا، جس کی تعبیر وحدت الوجود سے ملتی جلتی ہے، مولوی حفظ الرحمٰن نے انجمن پر الزام لگایا ہے کہ اس کی اشاعت میں حصہ لیا ہے یہاں دو چیزیں پیش نظر رہیں:

اس مصنف نے جس چیز کا تعارف کرایا ہے وہ صحیح ہے۔ تمام دُنیا کے فلاسفر اور سائنس دان اس نقطہ پر جمع ہو گئے ہیں کہ وجود ایک ہے۔ اگر اسے اللہ کے لفظ کا مصداق قرار دیا جائے تو خدا کا ماننا ہر انسان کے لیے ضروری ہو گیا۔ سائنس کی اس ترقی کے دور میں اس وجود کے سوا کسی اور خدا کا ماننا ناقابلِ تسلیم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسانیت اس میں مبتلا ہو رہی ہے، اس کا علاج یہ نہیں کہ اس کا انکار کیا جائے، بلکہ اس کا صحیح علاج امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت ہے۔ اس سائنس کو انسانی دماغ کے مطابق فلسفہ کی شکل میں لایا جائے گا تو وجود کی ایک تجلی ماننی پڑے گی اور اس تجلی کے ساتھ انسان کا تعلق ثابت کرنا ضروری ہوگا اسی طرح تمام انبیا ☐ کی حکمتِ موجہ یعنی مدلل ہو جائے گی۔ اس سائنس کی ترقی سے انبیا کی پیدا ہو جاتی ہے۔ سائنس دان انکار نہیں کر سکتا کہ آفتاب کا وجود زمین سے کئی لاکھ حصہ گنا بڑا ہے۔ انسانی دماغ کی طاقت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر انسانی دماغ کو آفتاب سے تعلق نہ دیا جائے تو زمین کی تمام اشیا معدوم ہو جائیں۔ کیونکہ زمین پر جو حوادثِ ارضی ہو رہے ہیں ان کا تعلق آفتاب کی گرمی، حرارت سے ہے اگر انسان آفتاب کو صرف اندھوں کی طرح سمجھتا ہے وہ کوئی حکمت مدوّن کر سکتا ہے، آفتاب تو اپنی اصل حالت پر قائم ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانی دماغ کی ساخت کچھ ایسی بنائی ہے کہ

Marfat.com

وہ آفتاب کو ایک چھوٹی سی شکل میں دیکھ سکتا ہے اسے یقین ہے کہ یہ آفتاب ہے اور اسے یہ بھی یقین ہے کہ اسے اصلی آفتاب سے کوئی تناسب نہیں ہے وہ بے حد و بے کراں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جیسے انسان کی آنکھ میں بصارت کی طاقت رکھی ہے کہ وہ آفتاب کو دیکھ لے اسی طرح اس کے دماغ میں بصیرت کی قوت بھری ہے جس سے وہ غیر متناہی وجود کو جو اس کا خدا ہے ایک چھوٹی سی شکل میں دیکھ سکے مگر پھر بھی وہ جانتا ہے کہ میں ایک غیر متناہی وجود یا ذات کو دیکھ رہا ہوں۔ انبیا کرام □ اس قسم کے دیکھنے کا اثبات کرتے ہیں۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تم اپنے ربّ کو ایسے ہی دیکھو گے جیسے دوپہر کا آفتاب یا چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہیں۔ یہ حقیقت میں تجلیات کا اثباتؔ ہے اس کی تفصیل عبقات میں ہے اس کی مخالفت دُنیا کا کوئی انسان نہیں کر سکتا اور اس تجلی سے ملاءِ اعلیٰ اور خطیرۃ القدس کیسے پیدا ہوتے، اسکی اجمالی کیفیت سطعات میں مذکور ہے، عبقات صفحہ ۱۵ میں ہے کہ ولایت حاصل کرنے کے مرتبہ میں جب معرفت پوری ہو جاتی ہے تو انسان کا نفس وجوب کے غلبہ میں مضمحل ہو جاتا ہے تو لاہوت کی خصوصیات اس کو ہر طرف سے گھیرنے یا احاطہ کرنے لگتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے لوہا آگ میں ڈال دیا جائے اور آگ سے وہ محاط ہو جائے تو ہم اس حالت کو اس جملہ سے تعبیر نہیں کریں گے وہ نفس ربّ کا عین بن گئی یا کہیں کہ ربّ اس میں دخل ہو گیا اس لیے کہ یہ ایک قسم کا کفر ہے اور اگر ایسا کریں تو ہم نصاریٰ کی سی غلطی کریں گے، مگر ہم یوں کہیں گے کہ ربوبیت نے اس نفس کا احاطہ کر لیا ہے (داخل اور خارج سے) تو وہ نفس اب اس طرح ممکن نہیں جیسے کہ تھا۔ بلکہ ربوبیت نے اس کے امکان کو مغلوب کر دیا اور وہ یہاں تک چھپ گیا کہ اب اس کا کوئی نام تک نہیں لے سکتا۔

اب دیکھیے جب آگ لوہے کا احاطہ کر لیتی ہے تو لوہا حقیقت میں لوہا ہی رہتا ہے مگر اس کی جو حدیدیت تھی اس کا اثر باقی نہیں رہا، رنگ ہے تو آگ کا، نور ہے تو آگ کا جلانا ہے تو آگ کا اور پگھلانا ہے تو آگ کا۔

ہر چیز آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔ اس رنگ و نور کی مالک وہی آگ ہے جس نے لوہے کو گھیر لیا ہے۔ لوہا اس کا مالک نہیں بنا۔ اس حالت کی صحیح تعبیر یہی ہے مگر جس شخص نے

Marfat.com

یوں کہا کہ لوہا آگ بن گیا وہ جھوٹ کہتا ہے۔ ہاں ایک طرح تاویل سے مطلب ٹھیک بن سکتا ہے۔ اور جس نے یوں کہا ہوگا اس وقت آگ ہے جس نے پتھر کی شکل اختیار کر رکھی ہے تو یہ اور بھی غلط کہتا ہے، اس لیے کہ آگ تو اس کی شکل اختیار کر ہی نہیں سکتی، ہاں جو شخص یوں کہے کہ آگ نے لوہے کا احاطہ کر لیا اور حدیدیت آگ کی روشنی میں چھپ گئی وہ سچا ہے۔

اس پر مولوی حمید الدین فراہی نے حاشیہ لکھا ہے: هذا عين ماقال البراهمة وما قال یعنی ویدانیت فلاسفی والے یہی کہتے ہیں اور ہمارا دعویٰ یہی ہے کہ ہم اس فلاسفی سے ہندوؤں اور یونان والوں سب کو ساتھ لے سکتے ہیں، اگر ہم ہندوستانی دماغ کو اس کے سمجھنے کے قابل پاتے ہیں تو یہ صحیح ہے کہ وہ دُنیا کا حکمران ہوسکتا ہے۔

ایک اور چیز بتاتے ہیں (طبقات، صفحہ: ۱۵۶) کوئی ایسا مذہب ہو جس پر عقلمندوں کی ایک بڑی جماعت متفق ہو جس میں ایسے لوگ بھی ہوں جنھیں خطیرۃ القدس یا غیب سے کسی قسم کا تعلق ہے وہ سب مذاہب اصل میں صحیح ہیں۔ جیسے نصاریٰ اور یہودیوں کے رہبان اور اشرافية اليونان و اصحاب النور والظلمة من الفرس وجوگية الهند الادله قدم راسخ فی خطيرة القدس واصل مؤسس فيها ثم اختلط بها الفساد الى بانواع فالحكم يدرك اصلهم الموسس فی خطيرة القدس الممتاز من التخاليط لسقط روحه یہ قرب الوجود کے درجہ کی بحث ہے۔ [الولی: اگست ۱۹۹۰ء، ص ۲-۴، ستمبر ۱۹۹۰ء، ص ۲-۴، ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۲-۴، نومبر ۱۹۹۵ء، ص ۲-۴، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۲-۴، مارچ ۱۹۹۶ء، ص ۲-۴]

❁……❁❁……❁

Marfat.com

امام عبیداللہ سندھی: مولانا حسین احمد مدنی کے بیان پر ایک نظر

اخبار المدینہ مورخہ ۱۷؍مارچ ۱۹۴۵ء میں ''مولانا عبیداللہ سندھی'' کے عنوان سے مولانا حسین احمد مدنی کا ایک بیان شائع ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ اس مضمون کے بعض جملوں پر نظر و بحث کی جائے، میں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کو حضرت مولانا مدنی کی ذاتِ گرامی کے متعلق کسی گستاخی پر محمول نہ کیا جائے۔ حضرت مولانا مدنی احقر راقم کے نہ صرف استاذ ہیں، بلکہ سلوک میں وہ میرے پیر طریقت بھی ہیں۔ اس مضمون کی تحریر سے مقصود صرف یہ ہے کہ امام عبیداللہ سندھی پر جو الزامات عائد ہوتے ہیں، ان پر حقیقت کی نظر ڈالی جائے اور امام سندھی کی جرأت پیش کی جائے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ وہ ایک نہایت مشغول شخص ہیں۔ انھیں اتنی فرصت ہی نہیں کہ مولانا سندھی کے افکار کا مطالعہ کر کے کوئی رائے قائم کریں۔ یہ سب کچھ بالواسطہ ان کی سازش ہے، جو گورنمنٹ کے ایجنٹ ہیں اور عقیدت مندوں کا لبادہ اوڑھ کر مولانا کو گھیرے ہوئے ہیں۔ بیان کے ابتدائی حصے میں مولانا سندھی کے بارے میں کہا گیا ہے۔

> ''مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم ذکی الطبع اور سمجھ بوجھ والے جفاکش اور محنتی، ابتدائے عمر سے واقع ہوئے تھے۔ عنفوان شباب کی غلط کاریوں اور لغو و فضول حرکات جو کہ اس زمانے میں عموماً پائی جاتی تھیں، مرحوم میں ان کا وجود نہ تھا۔ ان کا تمام زمانہ طالب علمی، استقامت اور اعتدال سے مزین رہا۔ کتب بینی اور مشاغل علمی میں انہماک رکھتے تھے۔''

حضرت شیخ الہندان کی ذکاوت اور علمی دلچسپی اور استقامت ہی کی بنا پر ان سے بہت

Marfat.com

زیادہ مانوس رہتے تھے۔ ابتدا ہی سے ان کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور اُن کے خاندان کے علما کی تصانیف سے بہت شغف تھا۔ مرحوم ان کتابوں اور رسائل کو بغور اور جد وجہد کے ساتھ مطالعہ کیا کرتے تھے۔ تاایں کہ اکثر مضامین ان کتب کے ان کو ازبر ہو گئے تھے۔

مولانا عبیداللہ کا دن رات اسی اصلاح عقائد واُصول کی ترقی کی فکر اور امت مسلمہ کی مغربی زہر آلودہ اور الحاد و بے دینی کے وبائی جراثیم سے حفاظت مشغلہ اور نصب العین تھا۔ اسی نصب العین کے ماتحت دارالعلوم کی ترقی کے لیے وہ سندھ سے دیو بند آئے اور حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے اُنھوں نے جمعیت الانصار قائم کی اور اس کے لیے اُنھوں نے دہلی میں مدرسہ معارف القرآن (نظارۃ المعارف القرآنیہ) کی بنیاد ڈالی، مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ جنگِ طرابلس اور بلقان کے رُوح فرسا اور اطمینان کش واقعات پیش آئے، جنھوں نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے غیرت مند دل میں انتہائی غم اور بے چینی پیدا کر دی۔ اُنھوں نے مولانا عبیداللہ صاحب کو بیدار کرتے ہوئے اس قدر متاثر کیا کہ اس کے نتیجے میں اب ان کی زندگی کا اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا اور سوچ آزادیِ ہندوستان اور آزادی ممالکِ اسلام میں گم ہو گئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں جنگِ عظیم کی گھنگھور گھٹاؤں نے ان کو گھیر لیا۔

یہ حالت ایسی نہ تھی کہ اس قسم کے قلوب ماہی بے آب کی طرح تڑپ میں نہ آئیں۔ آپ اپنی بساط کے موافق تگ ودو کرنے لگے۔ بالآخر اسی تاثر میں مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم کابل اور حضرت شیخ الہند حجاز پہنچے۔ مولانا عبیداللہ صاحب کا یہ جذبۂ آزادی روز افزوں ترقی کرتا رہا۔ کابل پہنچنے کے بعد مرحوم نے امیر حبیب اللہ خان صاحب مرحوم اور اُن کے حاشیہ نشینوں سے اس مقصد کے ماتحت تعلقات قائم کر کے اپنی اُمیدوں کی شمع کو روشن کیا، مگر امیر حبیب اللہ مرحوم کی شہادت نے ان کی تمام شمعوں کو بجھا دیا۔ تاہم فطرت نے ان کو لوہے کا قلب اور نہ تھکنے والا دماغ دیا تھا، وہ اپنی جد وجہد میں مصروف رہے۔ جب امیر امان اللہ خان والی سریر تخت ہو گئے تو موصوف نے اپنی جد وجہد کا مرکز ان کی ذات ستودہ صفات کو قرار دیا۔ افغانستان کی جنگ آزادی میں مرحوم کی اسکیموں اور کوششوں کا بڑا حصہ شامل تھا، چنانچہ ایک مشہور جنگی انگریز افسر

Marfat.com

کا قول ہے کہ ''یہ کامیابی افغانستان کی نہیں ہے، بلکہ مولانا عبیداللہ کی فتح ہے۔''

مولانا عبیداللہ سندھی کے سفر کابل کے بارے میں لکھنے کے بعد وطن اور مذہب کی آزادی کی راہ میں ان کی قربانیوں کے بارے میں مولانا مدنی تحریر فرماتے ہیں:

> ''وطن اور مذہب کی آزادی کے لیے اور بھی متعدد اشخاص نے مشکلات اور مصائب جھیلے ہیں، مگر مولانا عبیداللہ مرحوم کی سی مشکلات کسی نے نہیں جھیلیں۔ اگر غور کیا جائے تو پہاڑ اور ذرے کا فرق پایا جائے گا۔''

اس حد تک تو ہم مولانا مدنی صاحب کی رائے سے متفق ہیں، لیکن اس کے سوا مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کی صحت کے بارے میں ہمیں شبہ ہے۔ اگر واقعی یہ مضمون مولانا مدنی کا لکھا ہوا ہے تو پھر شاید مولانا مدنی کے علم میں امام سندھی کے آخری دور کے حالات مکمل طور پر نہیں ہیں۔ مولانا سندھی کے سفر رُوس، ترکی وغیرہ کے مصائب بیان کرنے کے بعد مولانا مدنی لکھتے ہیں:

> ''ان مصائب عظیمہ غیر متناہیہ نے اگرچہ مولانا مرحوم کو موت کے گھاٹ تک پہنچانے میں شکست کھائی اور مولانا کی سخت جانی ہی غالب رہی۔ تاہم وہ مولانا کے قلب اور دماغ کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مولانا دماغی توازن کھو بیٹھے، صبر و تحمل، علم و بردباری، استقلال اور گراں باری وغیرہ نے جواب دے دیا۔ فکر، غور اور جرأت طبع جو کہ مولانا مرحوم کو مضامینِ عالیہ اور سیاسیاتِ مدینہ کی عمیق گہرائیوں تک پہنچانے والے تھے، وہ تقریباً کافور ہو گئے۔''

مولانا مصائب جھیلتے ہوئے جب حجاز میں پہنچے اور ہم کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے، تو ان کی حالت دیکھ کر ہمارے تعجب اور تحیر کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہم نے دیکھا کہ مولانا کی وہ متانت اور ظرافت، وہ علم اور بردباری، وہ سکون و سکوت، جس کو ہم پہلے مشاہدہ کرتے تھے، سب کے سب تقریباً رُخصت ہو چکے ہیں۔ ذرذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں۔ چیخنے چلانے لگتے ہیں، غصہ آ جاتا ہے، باتیں بہت زیادہ کرنے لگے ہیں، بسا اوقات ایک ہی مجلس میں متضاد اور متخالف اُمور و طرز ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ہندوستان آنے کے بعد بھی ان احوالِ متضادین میں کمی نہیں ہوئی بلکہ کچھ اضافہ ہی رہا، جس کی بنا پر ہم کو یقین ہو گیا کہ مولانا کے دماغی توازن پر کاری اثر ہوا ہے اور کیوں نہ ہو جو ناساز احوال اور گوناگوں صدماتِ عظیمہ ان کو پیش آتے تھے، ان کا یہ اثر بہت ہی کم ترین اثر تھا۔ چنانچہ متعدد مجالس میں خود مولانا بھی اس کے مقر ہوئے۔ ایسے احوال میں یقیناً ہر چیز کا جاری اعتدال و استقامت سے بہہ جانا اور جملہ شیون میں اختلال پیدا ہو جانا طبعی بات ہے۔

چنانچہ یہ دماغی انقلاب نہ صرف مولانا کی سیاسیات ہی تک محدود رہا، بلکہ علمی اور مذہبی تقاریر اور تحریرات تک میں بھی متجاوز ہوا اور اسی امر نے مولانا کی اعلیٰ قابلیت اور بیش از بیش قربانیوں کے ہوتے ہوئے ہندوستانی پبلک اور سیاسی رہنماؤں میں اس پوزیشن اور رتبہ کو مولانا مرحوم کے لیے حاصل ہونے نہ دیا جس کے وہ یقیناً مستحق تھے۔

🗀 اب ہم ان الزامات کا جائزہ لیتے ہیں جو مولانا مدنی صاحب کے اس مضمون سے مولانا سندھی پر صادر ہوتے ہیں۔ اس میں سب سے پہلا الزام یہ ہے کہ ان کی زندگی کے آخری دور کو دیوانگی کا دور بتایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں چند شواہد یہ ہیں:

(الف) علامہ موسیٰ جار اللہ رُوسی بین الاقوامی شہرت کے عالم ہیں۔ ماوراء النہر کے علما انھیں امام کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم کے حالات میں یہ بات فخریہ بیان کی گئی ہے کہ: علامہ مرحوم کی حضرت شاہ صاحب سے ایک ہفتہ تک علمی صحبتیں رہیں۔ دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کے علمی فضائل اور ذہنی و فکری کاوشوں کا اعتراف کیا۔ اس جلیل القدر عالم کے ایک تازہ لکھے ہوئے خط سے (جو رسالہ توحید کراچی کے شمارہ بابت ۶ رفروری ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا ہے، مولانا سندھی کی مکی زندگی کے مشاغل پر روشنی پڑتی ہے۔ علامہ موسیٰ جار اللہ اس خط میں لکھتے ہیں:

> ''رُوس سے امام عبیداللہ سندھی ۱۹۲۳ء میں روانہ ہوئے اور ترکی تشریف لے گئے۔ میں ۱۹۲۶ء میں استنبول میں ان سے ملا۔ اسی سال وہ حجاز تشریف لے گئے۔ بعد کے برسوں میں ان سے حرمین شریفین میں کئی مرتبہ ملا اور مکہ معظمہ میں کئی ماہ تک ان کی صحبت سے فیض یاب

Marfat.com

ہوتا رہا۔ میں نے امام شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی بنیاد پر قرآن کریم پر ان کی تفسیری تقریریں لکھ لیں۔ فرصت کے ان قیمتی ایام میں مَیں نے ان کے جمہوری افکار اور قرآن کریم کے متعلق حکیمانہ مقاصد سے خوب واقفیت حاصل کر لی۔ بعض اوقات امام عبیداللہ فرماتے تھے کہ: مجھ میں یہ طاقت ہے کہ مختلف مذاہب کی کانفرنس میں مَیں امام ولی اللہ کی کتابوں سے استدلال اور اُن کے طرزِ فکر سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو ثابت کروں کہ ''اے رسول ﷺ کہہ دیجیے! اے انسانو میں تم سب کے لیے رسول بن کر آیا ہوں'' مگر شرط یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر امام شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی بنیاد پر کی جائے۔''

اب ناظرین محترم خود انصاف کر سکتے ہیں کہ مولانا عبیداللہ مرحوم کی مکی زندگی علمی مشاغل سے بھرپور اور ذہنی وفکری عروج وکمال کی زندگی تھی۔ جس کی گواہی بین الاقوامی شہرت کا اس درجہ بلند پایہ عالمِ دین دے رہا ہے، یا دیوانگی اور ذہنی اختلال کی؟ مولانا عبیداللہ سندھی کے تفسیری امالی جو علامہ موسیٰ جاراللہ نے عربی زبان میں قلم بند کیے تھے، وہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سندھی مرحوم پر مکہ میں سکونت کے زمانے میں قرآن مجید کے اسرار وحکم اور سیاستِ مدینہ کے رموز ونکات کا فیضانِ الٰہی اتنا زیادہ ہوا کہ مرحوم کو امام یا مجتہد کہنا بے جا نہیں ہو سکتا۔ میرا دعویٰ ہے کہ موجودہ دور کا کوئی عالم جو نہ صرف صحیح الدماغ ہو بلکہ صاحبِ فہم ہو اور قرآن کی تفسیر سے اس کے ذہن کو خاص مناسبت بھی ہو۔ قرآن مجید کے بصائر وحکم اور اس کے عالمی سیاست کے رموز پر امام سندھی کے اعلیٰ فہم کے مقابلے میں ایک صفحہ نہیں لکھ سکتا۔

(ب) اب ہم ایک دوسری شہادت قارئین محترم کے سامنے پیش کرتے ہیں:

مولانا محمد نور مرشد مکی ایک بڑے عالم دین ہیں، وہ نہایت وسیع السطح شخص ہیں۔ حدیث، تفسیر اور تاریخ وادب میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو، جو ان کے مطالعے میں نہ آئی ہو، وہ ریاض میں سلطان ابنِ سعود کے شہزادوں کے استاذ رہ چکے ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی سے

Marfat.com

جب ان کی ملاقات ہوئی تو اپنی اعلیٰ درجے کی ملازمت اور نہایت آسودہ زندگی چھوڑ کر امام سندھی سے نسبتِ تلمذ کو اُنھوں نے اپنے لیے فخر جانا اور مولانا کی صحبت اختیار کر لی اور جب مولانا سندھی وطن تشریف لائے، تو مولانا محمد نور مرشد مکی نے بھی اپنے وطن کو خیر باد کہا اور یہاں تشریف لے آئے تاکہ امام سندھی کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوسکیں۔

(ج) حضرت مولانا سندھی جب وطن تشریف لائے تو ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے دیوبند پہنچے اور مولانا مدنی کے مہمان ہوئے۔ میں اس زمانے میں دارالعلوم میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا۔ حضرت امام سے میری ملاقات مولانا مدنی ہی کے مکان پر ہوئی تھی۔ میں ان کی صحبت میں بیٹھا اور اُن کے اعلیٰ افکار اور بلند پایہ خیالات سے استفادہ کیا۔ مجھ پر ان کے علمی و سیاسی خطابات کا اتنا اثر ہوا کہ میں انھیں مجتہد تسلیم کرنے لگا۔ اس کے بعد ان کی زندگی کے آخری لمحوں تک ان کے قرب و صحبت سے فیض یاب ہوتا رہا، لیکن میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کے خیالات و بیانات میں کوئی فتور یا تضاد ہے یا ان کے ذہن میں کسی قسم کا اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ مولانا سندھی پوری ہوش مندی اور حسن تدبر کے اپنے پروگرام سے مخاطبین کی ذہنی و فکری سطح کے مطابق مختلف انداز اور رسالتِ بیان میں پیش کرتے رہتے تھے، لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مولانا مدنی مدظلہ نہایت معروف اور کثیر المشاغل انسان ہیں، انھیں اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی تھی کہ وہ مولانا سندھی کی بات کو توجہ کے ساتھ سن سکیں۔ ایسا ہوتا تھا کہ مولانا سندھی ان سے بات کرنے کے لیے موقع کے منتظر رہتے، لیکن انھیں اپنے مشاغل میں اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ وہ مولانا سندھی کی بات سن سکیں۔

(د) دارالعلوم میں دورۂ حدیث سے فراغت پا کر میں نے پنجاب یونیورسٹی سے کچھ امتحانات پاس کیے اور ایک عرصہ مدرسہ دارالسعادت گورو پھوڑ (ضلع شکار پور سندھ) میں مصروف درس و تدریس رہنے کے بعد میں حضرت امام سندھی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سندھ کے نامور علما میں سے اس وقت میرے ساتھ مولانا علی محمد کاکے پوتا مولوی فاضل، منشی فاضل، فاضل دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالحق ربانی ناظم جمعیت علمائے صوبہ سندھ، مولانا حافظ محمد خلیل صاحب سجاول اور کئی دیگر بزرگ بھی تھے۔ پنجاب سے مولانا بشیر احمد بی اے لدھیانوی اور

Marfat.com

مولانا خدا بخش صاحب لاہوری حاضر تھے۔ ہم سب نے درس تفسیر قرآن میں حضرت امام عبیداللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ایک عرصہ کے درس و استفادہ کے بعد ہم لوگ اس بات پر متفق تھے کہ مولانا سندھی کی ذاتِ گرامی تفسیر، علومِ قرآنی، فلسفہ، سیاست، تاریخ فقہ وغیرہ میں امام وقت کے درجے پر فائز ہیں اور ہم لوگوں کو اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ مولانا کے علم کی گہرائیوں اور قابلیت کی کوئی حد نہیں۔ نیز یہ کہ موجودہ دور میں امام سندھی کے افکار کی روشنی میں ان کے پروگرام پر چل کر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ واقعہ ۱۹۴۳ء کا ہے۔

کیا یہ ایک دیوانہ اپنے نفس و کمال سے ایک علمی جماعت کو اتنا متاثر اور ایسا گرویدہ بنا سکتا ہے؟ حضرت امام سے ہم لوگوں اور پچاسوں اہلِ علم کا تعلق ان کی زندگی بھر رہا۔ وہ ان کے درس وصحبت سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہے، لیکن ان میں سے کسی ایک شخص نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کے ذہن میں اختلاج پیدا ہو گیا ہے بلاشبہ بیماری نے ان کی صحت کو تباہ کر دیا تھا۔ بڑھاپے کے آثار روز بہ روز نمایاں ہوتے جا رہے تھے اور کمزوری تیزی کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی، لیکن ان کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں میں ان کی وفات تک کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

امام سندھی کے خلاف ایک سازش: حضرت مولانا سندھی نے ایک ملاقات میں آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ جب گورنمنٹ نے میری وطن واپسی منظور فرمائی، تو میرے خلاف ایک سازش تیار کر لی گئی تھی۔ سرکاری ایجنسیوں نے جن میں میرے استاذ شیخ الہند کی سیاست کے مخالف علما بھی شامل تھے، انھوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا کہ مولانا عبیداللہ یورپ زدہ ہو گئے ہیں، کمیونزم سے متاثر ہیں، اب وہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں، ان کا دماغی توازن درست نہیں ہے لیکن سوچنے والوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ:

(الف) مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی اور مولانا سیّد حسین احمد مدنی جو صحیح الدماغ ہیں، اسی پروپیگنڈے کے مطابق وہ غلط کار اور گم کردہ راہ حق ہیں اور

(ب) مولانا عبیداللہ سندھی جو صحیح الفکر ہیں ان کے ذہن میں اختلاج پیدا اور دماغ خراب ہو گیا ہے۔

Marfat.com

(ج) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن استاذ الاساتذہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

اب کسے رہنما کرے کوئی۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت شیخ الہند کی سیاست کہاں گئی، برٹش استعمار کے خلاف ولی اللٰہی جہاد ناکام ٹھہرا، میدان حضرت شیخ الہند اور اُن کی سیاست کے مخالفین کے سر رہا، گویا استعمار جیت گیا۔

حضرت امام سندھی فرماتے تھے کہ: میرا سیاسی نظریہ اور تجربات یورپ کی انٹرنیشنل سیاست تک وسیع تھے۔ انھیں کوئی ایسا شخص یا پارٹی جس میں میری اپنی جماعت کے لوگ بھی شامل تھے، سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ موجودہ زمانے میں سیاست کلکتہ، دہلی یا ملک کے اندر کے حالات تک محدود نہیں رہی تھی۔ اب ہندوستان کی سیاست یورپ کی سیاست اور وہاں کے مشینی، صنعتی اور زراعتی انقلاب سے وابستہ ہو گئی تھی۔ اب کوئی ملکی پارٹی سیاسی جنگ میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی، جب تک اس کی نظر یورپ میں آنے والے انقلابات اور اُن سے پیدا ہونے والی سیاسی تبدیلیوں پر نہ ہو۔ ہمارے ملکی رہنماؤں میں سے چند کے سوا کسی کی نظر ان حالات و انقلابات پر نہیں ہے، اس لیے وہ اس قسم کے پروپیگنڈے کے جلد شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے خلاف پروپیگنڈے کا جادو ان پر بہت جلد اثر کر گیا اور اور بیگانے تو بیگانے ہی تھے، میرے اپنی پارٹی کے علما بھی میرے پروگرام پر عمل کرنا تو درکنار میری بات پر غور کرنے اور سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ مولانا نے فرمایا:

> ''اس لیے ہم نے اپنا روئے سخن نوجوان علما اور انگریزی دان طبقے کی طرف موڑ دیا ہے۔''

▤ یہ بات بھی حقیقت کے مطابق نہیں کہ صبر و استقلال نے مولانا کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس بات کی تردید کے لیے یہ بیان کر دینا ہی کافی ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی ہر طرف کی مخالفتوں اور زہریلے پروپیگنڈے [سے قطع نظر]، اپنے بڑھاپے اور حد درجہ جسمانی ضعف کے باوجود پوری استقامت اور تن دہی کے ساتھ ہندوستان کے گوشے گوشے میں بڑے بڑے شہروں سے لے کر قصبوں اور دیہات تک میں علما مفکرین سے لے کر عوام تک میں اپنے پروگرام

Marfat.com

کی اشاعت کے لیے آخر دم تک دورے کرتے رہے اور عوام و خواص کو خصوصاً مسلمانوں کو آنے والے انقلاب کی خبر دیتے رہے۔

حضرت امام سندھی کے متعلق لکھا گیا ہے کہ بسا اوقات ایک ہی مجلس میں متضاد اور متخالف اُمور فرماتے رہتے تھے۔ اس کے جواب میں اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ احادیث کے اساتذہ کے سامنے روزانہ ایسے اقوال اور جملے آتے رہتے ہیں جن میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ موقع محل کے لحاظ سے بیان و نصیحت اور تعلیم میں کوئی حکیمانہ فرق ہوتا ہے۔ یہ بات ہر واعظ و سلیم طبع انسان خوب جانتا ہے کہ ایک ہی بیان اور یکساں اُسلوب ہر مخاطب کے لیے ہرگز مفید نہیں ہوتا۔ تمام علمائے اُمت نے ایسے سیاق و سباق میں جن میں تضاد و تخالف نظر آیا، ان میں تطبیق سے کام لیا ہے۔ خصوصاً ایسے علمائے اُمت جن کی پوری زندگی مذہب وطن کی آزادی کے لیے ایثار، قربانی کی اعلیٰ سے اعلیٰ مثال ہو۔ جس نے تمام عمر درس و تدریس قرآن میں گزاری ہو، جو زندگی کے آخری لمحوں تک خدماتِ دین کے کاموں اور قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح میں مصروف رہا ہو، اس کی زبان سے اگر کوئی ایسا جملہ صادر بھی ہو جائے، جو کسی کے فہم سے بالا ہو یا اس میں کسی کو کوئی تضاد نظر آیا ہو، تو لازم ہے کہ اوّل تو مولانا سندھی ہی سے اس کا مطلب یا وضاحت بیان کرنے کے لیے کہا جاتا اور اگر ایسا نہ کیا جا سکا تو اس میں تطبیق سے کام لیا جاتا، لیکن کیا ایسا کیا گیا تھا؟ کیا ان سے ان کے کسی متضاد بیان کے بارے میں کسی نے پوچھا تھا؟ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ پھر سوال یہ ہے کہ امام سندھی کے وہ کون سے جملے ہیں، جن میں مولانا مدنی صاحب کو تضاد نظر آیا اور جن کی بنا پر اُنھوں نے مولانا سندھی کے ذہنی عدمِ توازن کا فیصلہ کر دیا؟

ایک بات کا ہمیں ذاتی طور پر تجربہ ہے کہ مولانا امام سندھی کی مجالس میں ہر قسم کے لوگ شریک ہوتے تھے، اس میں عوام، خواص، طلبہ، علما کے علاوہ سرکاری ملازمین اور سی آئی ڈی کے آدمی بھی شریک ہوتے ہوں گے۔ ہاں! اگر ان میں سے کسی نے کوئی ایسی بات بیان کی ہو جس سے حضرت مولانا مدنی اس نتیجے پر پہنچے ہوں، تو ہمیں تعجب نہ ہوگا، لیکن مولانا نے کسی ایسی روایت کی طرف اشارہ نہیں کیا اور کوئی ایسی بات بھی نہیں لکھی، جس سے عدمِ ذہنی توازن کا ثبوت ملتا ہو۔

Marfat.com

☆ انھیں تضاداتِ بیان اور عدمِ ذہنی توازن کے سلسلے میں لکھا گیا ہے: ''اسی امر نے مولانا کی اعلیٰ قابلیت اور بیش از بیش قربانیوں کے ہوتے ہوئے ہندوستانی پبلک اور سیاسی رہنماؤں میں اس پوزیشن اور رتبے کو مولانا مرحوم کے لیے حاصل نہ ہونے دیا جس کے وہ یقیناً مستحق تھے۔''

ذرا غور فرمایئے کہ مولانا اپریل ۱۹۳۹ء میں ۲۴، ۲۵ برس کی جلاوطنی کے بعد ہندوستان تشریف لائے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام صوبوں میں کانگریس کی یا کانگریس کے تعاون سے حکومتیں قائم تھیں۔ جن کے خلاف لیگ نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ انگریز اس زمانے میں غیر جانبدار ہونے کے باوجود لیگ کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ لیگ کو کھلی چھٹی تھی کہ جو چاہے کرے۔ کچھ عرصہ بعد جنگ کے آثار نمایاں ہوئے، کانگریسی حکومتوں نے استعفیٰ دے دیا۔ مسلم لیگ نے یومِ نجات منایا۔ پورا ملک افراتفری کی نذر ہو گیا۔ کرپس مشن آیا اور ناکام واپس گیا۔ کانگریس نے ''ملک چھوڑو'' کی تحریک شروع کی اور کُل ہند سطح کے تمام رہنما گرفتار کر لیے گئے۔ ہنگامہ لبریز ہوا تھا کہ مولانا امام سندھی نے اگست ۱۹۴۴ء میں انتقال فرمایا۔ سوال یہ ہے کہ امام سندھی جیسا مفکر جو کسی کی ہاں میں ہاں نہ ملا سکتا ہو۔ کانگریس کی پالیسی سے جسے کلیۃً اتفاق نہ ہو، جو مسلم لیگ کی ہنگامہ آرائی میں اس کی اتباع نہ کر سکے۔ آزادانہ جدوجہد اور برٹش حکومت کی پالیسی سے ادنیٰ انقلاب کے لیے ہنگامی حالات اور طرح طرح کے آرڈی ننسوں نے کوئی راستہ کھلا نہ چھوڑا ہو۔ مولانا سندھی ان حالات میں کیا مقام حاصل کر سکتے جو وہ حاصل نہیں کر سکے؟ کانگریس کے نزدیک اس وقت سب سے بڑی پوزیشن یہ تھی کہ آدمی جیل چلا جائے۔ مسلم لیگ کے نزدیک سب سے بڑا رتبہ یہ تھا کہ جنگی پالیسی میں حکومت کا ساتھ دیا جائے اور آدمی بھرتی کرائے جائیں اور تمغۂ خدمت اور اعزازی سند حاصل کی جائے۔ مولانا امام سندھی سیاسی رہنماؤں میں یہ پوزیشن اور ہندوستانی پبلک میں یہ مقام حاصل نہیں کر سکے تھے اور اگر ان پر یہ الزام ہے تو پھر واقعی ان کا دفاع نہیں کر سکتے۔ سیاسی جماعتوں میں ایک اہم جماعت علمائے ہند تھی۔ سوال یہ ہے کہ ۱۹۳۷ء سے اس وقت تک اس نے مسلم لیگ اور مسلمان عوام کی گالیاں کھاتے، بے عزت ہوتے اور جیل جانے اور تکالیف اُٹھانے کے سوا اور

Marfat.com

کیا پوزیشن حاصل کی ہے؟ لیکن ٹھیک اس مدت میں (اپریل ۱۹۳۹ء تا اگست ۱۹۴۴ء) مولانا سندھی کی زندگی میں تعطل اور بے عملی کی زندگی کا ایک لمحہ بھی نہیں آیا۔ اُنھوں نے اس دوران میں چند نہایت بلند پایہ مقالات لکھے (یا املا کرائے) کراچی اور حیدرآباد سے لے کر لاہور، دلی اور کلکتہ و مدارس کے طویل سفر کیے۔ اندرونِ سندھ میں تو چھوٹے چھوٹے قصبات و دیہات تک دورے کیے اور ہر جگہ جلسوں سے خطاب کیا۔ طلبہ علما اور جدید تعلیم یافتہ سینکڑوں افراد سے ملاقاتیں کیں اور مذہبی و سیاسی افکار کی تبلیغ و ارشاد میں وقت صرف کیا۔ علمی اور تعلیمی، سیاسی ادارے، بیت الحکمت وغیرہ قائم کیے۔ سندھ ساگر پارٹی کے پروگرام کی اشاعت، سندھ میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تو خود اپنے شاگردوں، پیروؤں اور دوستوں کو دیہات میں بھیجا اور خود بھی گاؤں گاؤں جا کر امن کے قیام میں بھرپور حصہ لیا۔ جہاں گئے، ولی اللہی افکار کی اشاعت اور تعلیم و تدریس قرآن کے کاموں کو جاری کیا۔ مسلمانوں میں جمود اور رجعت پسندی کے خلاف جہاد کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں ولی اللہی افکار کی تعلیمات و تدریس کے لیے خصوصی درجے کے قیام اور ان کے طلبہ کے لیے وظائف کے حصول کی سعی کی۔ کانگریس کے اندر جماعت کے قیام اور حکمتِ عملی کی بنیاد پر ذہنی و فکری انقلاب لانے کی جدوجہد کی اور زندگی کے آخری لمحوں تک اسی فکر و علم میں مصروف رہے اور انقلابی فکر و عمل کے لیے ایسی بنیادیں قائم کر گئے کہ آج انھیں مسلمہ طور پر امامِ انقلاب کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

مولانا امام سندھی کی بعض نہایت نکتہ انگیز اور قابلِ قدر تالیفات و امالی، خطبات و تقاریر کی اشاعت کے علاوہ، مسلمان اہلِ علم میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و افکار کے مطالعے کے علاوہ مسلمان نوجوانوں میں اسلامی تعلیمات اور تاریخ فقہ اور قرآنِ حکیم کے مطالعے کا ذوق پیدا ہوا ہے اور مسلمان علومِ رئیسہ کے طلبہ کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ حضرات میں بھی اسلام اور شاہ ولی اللہ کے افکار کے مطالعے سے دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ کئی لوگوں نے استعمار پرستی سے رجوع کر کے، اسلامی فلسفہ انقلاب کو اپنایا ہے اور ولی اللّٰہی انقلابی افکار کو بنیاد دے کر فکر و مطالعہ کا نیا سفر شروع کیا ہے۔ اس بیداری کے نتیجے میں مولانا سندھی کی شخصیت اور فکر و سیرت کے مطالعے اور تصنیف و تالیف پر توجہ دی ہے اور نہایت اہم بات یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کو

Marfat.com

ایک انقلابی سیاسی مرکز سمجھا جانے لگا ہے اور اس کے بزرگوں کی سیاسی قومی خدمات اور قومی رہنما کی حیثیت سے ان کی اہمیت کا نقش اجاگر ہوا ہے۔

ملک میں اس بیداری کے نتیجے میں سرکاری ایجنسیوں کے حلقے میں تہلکہ مچ گیا ہے اور اُنھوں نے مولانا امامِ سندھی کے خلاف طرح طرح سے پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے اور بعض مقامات میں لیگیوں نے مولانا امامِ سندھی کے خلاف نہ صرف توہین آمیز شرمناک رویہ اختیار کیا بلکہ مدراس میں تو ان کی جان لینے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ہمیں اُمید ہے کہ وہ اس مخالفت میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ مخالفت کا یہ طوفان چھٹ جائے گا اور حقیقت کی روشنی ضرور پھیلے گی۔ ملک میں جو بیداری پیدا ہوئی ہے، اسے غفلت سے بدلا نہیں جا سکتا۔ اب یہ بات ممکن نہیں ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی مجدد دین کو جس کی ساری زندگی فلسفہ ولی اللہی کے مطالعے اور اُن کے فلسفے کی اشاعت میں گزری ہے اور مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا شیخ الہند کے مسلک دینی و سیاسی پر عمل میں گزری ہے۔ اب انھیں اس راہ سے الگ کیا جا سکے اور کام سے انھیں روک دیا جائے اور انھیں اس راہ منزل سے بے خبر اور اس مسلک سیاسی و دینی سے برگشتہ قرار دینے میں کامیابی حاصل کی جائے۔

چنانچہ ہم اس بات کو اسی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے اس بیان کا اہلِ علم پر اثر نہیں ہوا جس کی توقع کی جا سکتی تھی۔ حالانکہ اس کی اشاعت میں حضرت مولانا سے زیادہ بعض دوسرے حضرات نے سرگرمی دکھائی اور اُن خیالات کو پھیلانے میں ساعی ہیں، حالانکہ انھیں مولانا مدنی صاحب سے اور اُن کے خیالات سے ذرا بھی سروکار نہیں ہے۔

مولانا سندھی کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار میں عبور ہے اور حضرت نانوتوی اور حضرت شیخ الہند سے انھیں جو عشق ہے اسے غیر بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سیّد سلیمان جیسے حضرات بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار میں مولانا سندھی کی نظر بہت گہری ہے اور شاہ صاحب کے علوم و افکار کا عالم اور ماہر مولانا سندھی کے سوا اس وقت کوئی اور نہیں ہے۔

ہمارے بزرگ ہمیں بتاتے ہیں کہ بہت سی باتوں کے باوجود ہندوستان کے سیاسی

Marfat.com

رہنماؤں میں ان کی کیا حقیقت ہے اور اُنھوں نے کیا مقام حاصل کیا ہے اور اُنھوں نے اپنے کتنے جان نثار اور پیروکار پیدا کیے ہیں اور ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں جن حضرات نے ان بزرگوں کا تعاون حاصل کیا تھا اور سیاسی کامیابی حاصل کی تھی۔ دُنیا نے دیکھا کہ اُنھوں نے کامیابی کے بعد نہ صرف ان سے قطع تعلق کرلیا تھا، بلکہ انھیں بے عزت اور بدنام کرنے کی بھی کوشش کی تھی اور اس کے بعد بھی ان کا جو رویہ رہا، وہ سب کے سامنے ہے۔

افسوس صد افسوس کہ جس شیخ (مولانا امام سندھی) نے امام ولی اللہ، مولانا نانوتوی، حضرت شیخ الہند اور دارالعلوم دیوبند کو دُنیا سے متعارف کرایا، آج اسی ہستی کو ان بزرگوں سے برگشتہ ثابت کیا جارہا ہے اور اسی مسلک سے جس کے لیے اُنھوں نے قربانیاں دی تھیں، ان کا رشتہ کاٹا جارہا ہے۔ افسوس!

آخر میں اس شعر پر مضمون کو ختم کرتا ہوں:

آں دل کہ دم خوردہ از خوبرو جوانی　　　دیرینہ سال پیرے مرزاں بکس نگاہے

[الولی: جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۲-۱۵]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

مولانا سندھی [ماخوذ تفسیر الہام الرحمان]

امام عبیداللہ سندھی کے مایہ ناز شاگرد علامہ موسیٰ جار اللہ امام صاحب کی املائی تفسیر الہام الرحمان فی تفسیر القرآن (عربی) کے مقدمہ میں حمد وصلوٰۃ کے بعد فرماتے ہیں:

امابعد! تحقیق اللہ جل جلالہ و جمل جملاہ و عم کل احد نوالہ نے میری رہنمائی اس طرف فرمائی کہ میں اپنی پوری زندگی قرآن کریم حاصل کرنے کی راہ میں اور اس کے علوم حاصل کرنے کی راہ میں وقف کردوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدَانَا اللّٰہ۔

چنانچہ میں نے قرآن کریم حاصل کیا اور ہر وہ علم بھی حاصل کیا جسے اسلاف نے علوم قرآن میں مدوّن فرمایا اور عام علوم میں سے ہر وہ علم حاصل کیا جس کی انسان کو قرآن کریم کا بیان سمجھنے میں ضرورت پڑتی ہے اور میں جتنا حاصل کرنے میں کوشش کرتا تھا، اللہ جل جلالہ میرے میں قرآن کریم کا شوق و رغبت بڑھاتے جاتے تھے اور چونکہ ہمارے مدارس کے نظام میں مطلوب علم حاصل کرنا، اساتذہ سے سیکھنے اور کتب سے اخذ کرنے کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ کائنات کبیر کے نشانات میں غور کرنے سے اور نہ ہی قرآن کریم کی آیات میں غور وفکر کرنے سے اور نہ ہی طالب علم کے متحضر (ذہن میں حاضر) معلومات سے ایسے مطلوب کی طرف انتقال کرنے سے جس کے حاصل کرنے کے لیے طالب کوشاں ہے۔ (یہ نظام حفظ و اخذ ہے نہ کہ نظام کشف ونظر ومجاہدہ) تو میں بھی دیگر طلبہ کی طرح مطالعہ اور مشائخ و کتب سے اخذ کرنے کی راہ چلا اور مطبوعہ تمام تفاسیر یا اکثر کو میں نے پڑھا اور بہت ساری ایسی تفاسیر کا میں نے مطالعہ کیا جو کہ کتب خانوں (لائبریریوں) میں محفوظ ہیں، جن میں سے بعض طبع شدہ ہیں اور بعض غیر مطبوع ہیں، جیسے کتاب البصائر، قاموس والے کی اور جیسے امام بقاعی کی نظم الدرر فی

Marfat.com

تناسب الآیات والسور لیکن میں تفاسیر کی کثرت میں افادہ کی کثرت نہیں پاتا تھا اور نہ ہی تشریح کی زیادتی بلکہ صرف نقل در نقل اور تکرار و اختصار ہوتا ہے، جن میں قلمیں تو تھک چکی ہیں لیکن فکریں نہیں تھکیں۔ اور جب میں ۱۳۵۶ھ-۱۹۳۷ء میں نجد و یمن کی سیاحت کی غرض سے حرم شریف مکہ گیا تو امام عبیداللہ ابنِ اسلام سندھی کو پایا، اللہ اس کی حیاتی اور افادات کی برکات سے طلبہ اسلام اور اساتذہ ہند کو بہرہ ور فرمائے۔

استاذ صاحب مجھے اس سے پہلے جانتے تھے اور میں انھیں جانتا تھا، میں نے آپ کو فرصت میں پایا، آپ کے ہاں اکے دکے کے علاوہ کوئی حاضر نہیں ہوتا تھا اور وہ بھی استفادہ کے لیے نہیں بلکہ جو بھی آتا محض تبرک کی خاطر جیسے لوگوں کی عادت ہے اور امام سندھی نے اپنی پوری زندگی قرآن کریم کی تفسیر امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب حجة الله البالغه۔ کے اُصول فلسفہ پر کرتے تھے اور آپ شاہ صاحب کے فلسفہ کی تحصیل اور اس کی تشریح میں چند سال لگے رہے، یہاں تک کہ آپ نے اسے مستحکم طور پر حاصل کرلیا اور اسے دیگر فلاسفہ کے تمام فلسفوں پر ترجیح دی پھر امام ولی اللہ کے فلسفہ پر پورے قرآن کریم کی تفسیر کی بنیاد رکھی۔

اور آپ امام صاحب کے ایسے معتقد تھے کہ میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا جو ائمہ امت میں سے کسی امام کے بارے میں ایسی عقیدت رکھتا ہو، اور اس نوعیت کی عقیدت بڑا اُدب ہے جسے میں اچھا سمجھتا ہوں بلکہ مناسب ہے کہ عالم کا اپنے امام کے لیے احترام ایسے ہی ہو جیسے صحابہ کرام ؓ کا احترام تھا سیّد الانبیا نبی ﷺ کے لیے۔

اور میں پہلے ہی امام ولی اللہ کی کتابوں میں سے ان کی کتاب حجة الله البالغه اور ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء پڑھ چکا تھا اور میں نے علمائے اسلام کی کتابوں میں ان دونوں کی نظیر نہیں دیکھی اور میں نے آپ کی ان دو کتابوں سے وسیع تر استفادہ کیا، پھر امام سندھی کے ہاں ولی اللہ کی کتابوں میں سے

- الخیر الکثیر
- البدور البازغة
- کتاب السطعات
- الطاف القدس
- تاویل الاحادیث

پڑھیں اور تفہیماتِ الٰہیہ کا میں نے خود مطالعہ کیا اور آپ کے ہاں کتاب العبقات

Marfat.com

پڑھی اور جب مجھے امام ولی اللہ کے فلسفہ سے کچھ (شُد بُد) حاصل ہوا تو میں نے مزید (حاصل کرنے) کا شوق کیا اور اپنا شوق مولانا استاذ امام سندھی کے سامنے پیش کیا تو آپ خوش ہوئے اور میرے شوق سے زیادہ شوق کا اظہار فرمایا۔

چنانچہ ہم نے بسم اللہ کی اور قرآن کریم کی تفسیر شروع کی امام ولی اللہ کے اُصولِ فلسفہ پر، روزانہ سورج طلوع ہونے کے بعد سے لے کر ظہر کی نماز تک یا عصر کی نماز تک، آپ اپنی عربی زبان میں لکھواتے تھے اور میں لکھتا تھا، میری کوشش ہوتی تھی کہ مجھ سے کوئی حرف اور کلمہ نہ چوکے، چنانچہ میں نے ایک سو پچاس دن کی مدت میں دو ہزار چار سو صفحات کی کاپی لکھی۔ اسی (تفسیر والی) کاپی کے صفحات کے سائز میں (۱۸؍ جمادی الاولیٰ بروز پیر ۱۳۵۶ھ سے ۱۳؍ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ تک، ۲۶؍ جولائی ۱۹۳۷ء سے ۱۳؍ جنوری ۱۹۳۸ء تک)۔

استاذ سندھی تھکتے نہیں تھے اور لکھنے سننے سے میری نشاط میں اضافہ ہوتا تھا، اگرچہ میں سخت بیمار بھی تھا۔ درس کے اختتام پر میں نے امام سندھی کا دل و زبان سے شکریہ ادا کیا اور امام نے میرے شکریہ سے کہیں زیادہ، ہزار مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ میرا شکریہ ادا کیا، اپنے کرم کی بنا پر اور میرے ثابت قدمی، نشاط اور سخت محنت کو دیکھ کر اور یہ دیکھتے ہوئے کہ میں نے ان کی تمام امالی کو مکمل اہتمام کے ساتھ لکھا اور ضبط کیا اور امام سندھی جملے معترضے بہت بتاتے تھے اور فرماتے "جملہ معترضہ ہے" تو میں جملہ معترضہ لکھتا اور یہ (معترضہ جملے) چھوٹی یا لمبی فصلوں کے برابر ہوتے اور امام صاحب کی طرف سے ایسا کرنا فوائد کو یکجا کرنے کے لیے ہوتا تھا اور مجھے یہ طریقہ اچھا لگتا تھا، آپ ان معترضہ جملوں میں حکایت، لطائف اور نوادرات بیان فرماتے جن میں اہمیت کے حامل فوائد ہوتے اور جب مناسبت ظاہر ہوتی اور وقت ہوتا تو اپنی سیاسی آرا کا اظہار ایسی زبان سے کرتے جس سے میں سمجھ جاتا کہ یہ امانت ہے لیکن جب سیاست اور اُمور، اجتماعیہ میں اسلامی تعلیمات کو بیان فرماتے تو وضاحت کے ساتھ صراحۃً قطعی طور پر بیان فرماتے، اس میں نہ تو مدارات رکھتے اور نہ مداہنت سے کام لیتے۔ موسیٰ جار اللہ غفرلہ

[الولی: نومبر ۲۰۰۰ء، ص ۲-۴]

Marfat.com

Marfat.com

حصہ دوم:

علمائے کرام و مشاہیرِ عظام

[سوانح، خدمات اور افکار و نظریات]

❁……❁❁❁……❁

Marfat.com

Marfat.com

امام ابنِ حزم اور امام ابنِ جوزی

اسلامی تاریخ کی دو بڑی خوبیاں ایسی ہیں جو دوسری اقوام کی تاریخ میں نہیں ملتیں۔ ایک یہ کہ ''ہر واقعہ کے بیان میں سند کا ہونا''۔ اس کی ابتداء تو علم حدیث سے ہوئی لیکن تاریخ میں بھی اسے نظر انداز نہیں کیا گیا اور یہی قرآن حکیم کا ارشاد ہے فَأْتُوا بُرْهَانَكُمْ [۲/البقرہ:۱۱۱] یعنی اپنی بات اور مُدّعیٰ کے لیے دلیل لاؤ۔ دوسری چیز ہے ''اپنے اسلام کے حالات میں ان کے شب و روز کی تفصیل''۔ اس سلسلے میں حافظ ذہبی کی کتاب العبر فی خبر من غبر پانچ جلدوں میں مستند کتاب مانی جاتی ہے اور اسی نہج پر سندھ پاکستان میں بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ بارھویں صدی میں لکھی گئی جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شب و روز کے احوال پر مشتمل ہے۔

شروع سے لے کر آج تک علمائے اسلام نے جو علوم و فنون کی خدمتیں کی ہیں وہ اتنی ہیں کہ اُن کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے چند تو وہ نابغہ روزگار تھے جو علمی دُنیا میں بڑی شہرت کے مالک گزرے ہیں جیسا کہ امام ابنِ حزم اندلسی اور ابنِ جوزی وغیرہ۔

ابنِ حزم

۳۸۴ھ میں جہاں عالم اسلام میں بیسیوں واقعات ہوئے ہوں گے، وہاں علامہ ابن حزم کی ولادت بھی ہے۔ علامہ ابن حزم کی پیدائش ماہِ رمضان ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں ہوئی۔ آپ کا پورا نام علی بن احمد بن سعید بن حزم ہے۔ اور دادا کی طرف نسبت کی وجہ سے ابن حزم مشہور ہو گئے۔ آپ کا خاندان اصل میں فارس ایران کا رہنے والا ہے۔ آٹھویں پشت میں ان کا دادا خلف نامی پہلا شخص ہے جو اندلس آیا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ علامہ ابن حزم کی تعلیم اندلس میں ہوئی۔ آپ کو اگرچہ آبائی جاگیر حاصل تھی لیکن سرمایہ دارانہ زندگی سے نفرت تھی اس لیے جاگیر کو

Marfat.com

چھوڑ کر درویشانہ زندگی کو اختیار کیا۔ اپنے دور میں وہ اندلس کے عالم اور ائمہ اسلام میں شمار ہوتے تھے اور وہاں کی ایک بڑی جماعت نے آپ کے آراء کو اختیار کیا، اس لیے انھیں ''حزمیہ'' کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن حزم بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے، کتاب اور سنت سے براہِ راست احکام کا استنباط کرتے تھے، اس لیے آپ کو ''ظاہری المذہب'' کہا جاتا ہے جن کے سرگروہ امام داؤد ظاہری، امام شافعی علیہ الرحمۃ کے تلمیذ ہیں۔ باب الاسلام سندھ میں عربوں کے دورِ حکومت میں منصورہ سندھ کے قضاۃ بھی ظاہری مذہب پر شرعی فیصلے دیتے تھے اور ان کو ظاہری بتایا گیا ہے۔ تصنیف و تالیف میں آپ کا کوئی نظیر نہیں ملتا۔ شیخ ابن حزم کے صاحبزادے شیخ الفضل نے کہا ہے کہ ان کے پاس ان کے باپ کے خط سے چارسو کتابیں موجود ہیں جو اسی ہزار اوراق پر مشتمل ہیں۔ ابن حزم زبان کے تیز تھے، کوئی عالم آپ کی تنقید سے بچ نہ سکا اس لیے مثل مشہور ہے کہ لسان ابن حزم و سیف حجاج شقیقان یعنی ابن حزم کی زبان اور حجاج کی تلوار دونوں آپس میں بہن، بھائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کے علما نے علامہ ابن حزم کی سخت مخالفت کی اور حکومت سے ان کو شہر بدر کیا گیا اور ''لبلہ'' گاؤں میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات ہوئی۔ اس وقت علامہ شیخ ابن حزم کی تالیفات میں مشہور کتابیں یہ ہیں:

الفصل فی الملل والا ہواء والنحل، المحلی' گیارہ جلدوں میں۔ پہلی کتاب مذاہب کی تاریخ ہے اور اس موضوع میں دُنیا بھر میں پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعد علامہ عبدالکریم شہرستانی نے اس قسم کی کتاب الملل و النحل لکھی، اور موجودہ دور کے عظیم فقیہ اور مؤرخ استاذ ابوزہرہ نے بھی جامع کتاب لکھی۔ المحلی علامہ ابن حزم کی فقہ اسلام میں بے نظیر کتاب ہے۔ تیسری کتاب سیرت پاک پر جوامع السیرۃ نامی کتاب ہے جو باوجود مختصر ہونے کے بڑی جامع کتاب ہے۔ الاحکام لاصول الاحکام' آٹھ جلدوں میں، ابطال القیاس والرأی، ابوالولید الباجی اور علامہ ابن حزم میں طویل مُناظرات رہے۔

ابن جوزی

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن ابی الحسن الجوزی الحنبلی اپنے دور کے علامہ اور حدیث میں وقت کے امام تھے۔ وعظ کے فن میں تو لاثانی تھے۔ ان کی ولادت ۵۰۸ھ میں ہوئی اور

Marfat.com

وفات ۱۲رمضان المبارک ۵۸۷ھ میں ہوئی۔ تصنیف وتالیف میں علامہ ابن جوزی بھی علامہ ابن حزم کی طرح ہیں۔ آپ کے متعلق یہ مشہور روایت ہے کہ اگر وہ کاپیاں جمع کی جائیں جو آپ نے لکھی ہیں اور پھر عمر اور زندگی کے ایام پر تقسیم کیا جائے تو ہر روزہ لکھنے کی مقدار ۹ بڑی کاپیوں پر پہنچتی ہے اس وقت جو آپ کی تالیفات موجود ہیں ان میں علم تفسیر میں زاد المسیر فی علم التفسیر چار جلدوں میں مشہور ہے اور حال ہی میں مصر سے چھپ کر شائع ہوئی ہے۔ بے نظیر فوائد پر مشتمل ہے۔ آپ کی علم تاریخ میں تالیف المنتظم دُنیا بھر میں شہرت کی حامل ہے۔ موضوعات حدیث میں بھی آپ کی تالیف دُنیائے اسلام میں ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ البتہ آپ کے متعلق محدثوں میں یہ مشہور ہے کہ رجال کی تنقید میں ذراسختی اور شدت سے کام لیتے تھے، اس لیے موضوعات ابن جوزی کتاب میں کئی ایسی احادیث بھی موضوعات میں شمار کی گئی ہیں جو موضوع نہیں ہیں۔ ابنِ قتیبہ کی کتاب المعارف کی طرح علامہ ابن جوزی نے ایک کتاب فہوم الاثر نام کی لکھی۔ علامہ ابن جوزی نہ صرف حدیث فقہ اور علوم دین کے علامہ تھے بلکہ آپ کو فنِ طب میں بھی بڑا کمال حاصل تھا، اس فن میں آپ کی کتاب لقط المنافع فی الطب تالیف ہے آپ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جن اقلام سے حدیث لکھتے تھے اور ان کو کاٹ کر بناتے یا اصلاح کرتے رہتے تھے اور اس کا برادہ جو ہوتا تھا وہ جمع کرتے جاتے تھے وہ بھی کافی ہو گیا تھا، اس سے ان کے لکھنے کے اوسط کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے یہ وصیت کی تھی کہ اس برادے کی آگ سے وہ پانی گرم کیا جائے جس سے ان کو بعد وفات غسل دیا جائے، کیونکہ یہ برادہ ان اقلام کا ہے جن سے اُنھوں نے احادیثِ نبی ﷺ لکھی ہیں۔ علامہ ابن جوزی حاضر جوابی میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ جوز ایک جگہ ہے جہاں ان کی سکونت تھی اس لیے ان کو جوزی کہا جاتا ہے۔ آپ عربی اشعار بھی کہتے تھے اور عربی زبان کے بڑے فصیح شاعر مانے گئے ہیں۔ حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے معاصر ہونے کی وجہ سے ابن جوزی کی شیخ سے کچھ مخالفت بھی چلتی تھی حالانکہ دونوں حنبلی المذہب تھے اور علم میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ حق کی طلب میں اگر مخالفت ہو تو کوئی بری بات نہیں ہے۔ [الولی: جون ۱۹۷۷ء، ص ۲-۴]

❁......❁❁......❁

ابوبکر شبلی

قارئین الرحیم نے جناب ابوبکر شبلی صاحب کے مقالات بارہا پڑھے ہوں گے، افسوس وہ بھی گزشتہ ماہ ہم سے رُخصت ہو گئے۔ مرحوم کی عربی میں بڑی اچھی دستگاہ تھی اور سندھی میں آپ نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ جناب ابوبکر شبلی مولوی عزیز احمد صاحب کے داماد تھے۔ جن کی ساری عمر مولانا سندھی کی رفاقت میں گزری اور مولانا کے ساتھ افغانستان، رُوس اور حجاز میں رہے۔ مرحوم کا وطن موضع تھریچانی ضلع سکھر (سندھ) تھا۔ اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے۔ [الرحیم: اپریل ۶۷/۴۰/۷]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

مولانا محمد اسماعیل سلفی

مولانا محمد اسماعیل صاحب [۱۸۹۵ء-۲۰ر فروری ۱۹۶۸ء] امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے انتقال پر ملال کا صدمہ پورے برصغیر میں محسوس کیا جائے گا۔ مولانا مرحوم نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس میں گزاری، وہ واقعی شیخ الحدیث تھے، اس کے علاوہ مرحوم ملی و قومی سرگرمیوں میں بھی برابر حصہ لیتے رہے اور اس سلسلے میں اُنھوں نے ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں۔ مولانا مرحوم و مغفور نے مسلم معاشرہ کی اصلاح اور مسلمان عوام کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے واقف اور اُن پر عمل پیرا کرانے کے لیے بھی عمر بھر جدوجہد کی۔ خدا کے فضل و کرم سے مرحوم کی یہ کوششیں کامیاب رہیں اور اُن کے بڑے اچھے نتائج نکلے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب کی بڑی خوبی یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ وہ جمعیت اہل الحدیث سے متعلق تھے بلکہ آخر میں اس کے امیر بھی تھے، لیکن ان میں جماعتی تعصب بالکل نہ تھا اور اُن کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں دوری کم ہو اور اُن میں باہمی تعاون عمل کی راہیں نکلیں۔ [آپ نامور عالم دین کے علاوہ خطیب، مصنف، ملّی تحریکوں کے سرگرم کارکن، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان اور مدرسہ محمدیہ، گوجرانوالہ کے بانی تھے۔] مرحوم بڑا متوازن ذہن رکھتے تھے اور مسائل کو پیش کرنے میں انصاف کا رشتہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

غرض مرحوم و مغفور کی شخصیت ہمارے اس موجودہ دور میں ایک بہت بڑی نعمت تھی اور اس سے محرومی عرصہ دراز تک محسوس ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مرحوم کو علیّین میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ [الرحیم: مارچ ۱۹۶۸ء، ص ۸-۷]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

ابوالعلاء محمد اسماعیل گودھروی

علوم ولی اللّٰہی کے طلبہ اور اساتذہ کو یہ سن کر بڑا رنج ہوگا کہ مولانا ابوالعلاء محمد اسماعیل صاحب گودھروی کا اپنے وطن گودھرا، ضلع پنچ محل، گجرات اسٹیٹ ہندوستان میں انتقال ہوگیا ہے مرحوم و مغفور کے صاحبزادے محمد سعید صاحب نے گودھرا سے اطلاع دی ہے کہ ۵ رستمبر ۱۹۶۳ء کو مولانا رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مولانا مرحوم کی تمام زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری شاہ ولی اللہ صاحب کے علوم سے مولانا کو خاص شغف تھا۔ آپ نے شاہ صاحب کی مشہور ترین تصنیف حجة الله البالغه کا اُردو ترجمہ کیا تھا، جسے کئی سال ہوئے لاہور کے ایک ناشر نے شائع کیا گو اس کتاب کے اب تک متعدد ترجمے ہو چکے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم کا یہ ترجمہ ہر لحاظ سے ان پر فوقیت رکھتا ہے۔ آپ نے شاہ صاحب کی کتاب المسوىٰ کا بھی، جو مؤطا امام مالک کی عربی شرح ہے، اُردو ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے بہت سی کتابوں کے مسودات چھوڑے ہیں، جنھیں وہ اپنی زندگی میں چھپوا نہ سکے۔ افسوس مولانا مرحوم کے ساتھ ہمارے ان بزرگوں کا سلسلہ ختم ہوگیا جو ایک عرصہ دراز سے ولی اللّٰہی علوم کے مطالعہ و تحقیق کے لیے وقف تھے اور ان میں وہ محقق مانے جاتے تھے۔

سب سے پہلے ۱۹۱۹ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے جب کہ وہ رانچی (بہار) میں نظر بند تھے مولانا مرحوم کو حجة الله البالغه کا اُردو ترجمہ کرنے کا فرمایا۔ اس کے بعد مرحوم ۱۹۷۳ء میں حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم نے بھی نہ صرف آپ کو ادھر متوجہ کیا بلکہ اس پر پیہم اصرار کیا۔ غرض شاہ ولی اللہ صاحب کی تصانیف اور خاص طور پر حجة الله البالغه کافی عرصہ تک مرحوم کے زیر مطالعہ و تحقیق رہیں۔ چنانچہ

Marfat.com

آخر الذکر کتاب کا اُردو ترجمہ ان کی کئی سالوں کی محنت کا نتیجہ ہے خدا کا شکر ہے کہ ان کا یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا۔

مولانا گودھروی مرحوم کا شاہ ولی اللہ کے خانوادۂ علمی سے صرف یہی تعلق نہیں تھا، بلکہ ان کا سلسلۂ اسنادِ حدیث بھی شاہ صاحب تک جاتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا مرحوم نے لکھا ہے:

> اس وقت ہندوستان میں جس قدر بھی محدثین کی اسانید ہیں، ان سب کا سلسلہ اسناد آخر میں جا کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک منتہی ہوتا ہے۔ مترجم حجة الله البالغه کا سلسلہ اسناد بھی حضرت شاہ صاحب تک جاتا ہے۔ فقیر کی اکثر و بیشتر تعلیم مدرسہ عالیہ رام پور میں ہوئی معقولات، فقہ، اُصول فقہ، تفسیر اور دیگر علوم و فنون کی سند حضرت علامہ مولانا ابوالافضال محمد فضل حق صاحب رام پوری پرنسپل مدرسہ عالیہ سے مجھے ملی، جو مشہور خیر آبادی خاندان کے ایک جلیل القدر اور جامع کمالات فاضل تھے۔ اور صحاح ستہ، شرح نخبة وغیرہ کی سند و اجازت حضرت علامہ ابوالمنصو رمحمد منور العلی صاحب محدث رامپوری سے ملی جو مدرسہ عالیہ میں درجہ حدیث کی سند پر تھے۔ اور جن کا سلسلہ اسناد و اجازت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک منتہی ہوتا ہے۔ حضرت ممدوح ہی کے سلسلے سے فقیر کو "دُعائے حزب البحر" کی بھی سند و اجازت حاصل ہے۔ جس کی اسناد اور اجازت حضرت شاہ ولی اللہ تک منتہی ہوتی ہے۔

غرض مولانا مرحوم کا حدیث اور ادعیائے تصوف میں علمی تعلق اور نسبت خانوادہ ولی اللٰہی سے تھی، اور معقولات میں خانوادہ خیر آبادی سے۔

ہمارے یہ بزرگ ایک ایک کر کے اُٹھتے جا رہے ہیں۔ اور اس طرح جو جگہیں خالی ہو رہی ہیں، انھیں پُر کرنے والے کہیں نظر نہیں آ رہے۔ مولانا گودھروی صاحب کی دینی و علمی و تصنیفی زندگی ہم سب کے لیے ایک نمونہ ہے۔ خدا تعالیٰ انھیں ان کی دینی و علمی خدمات کا صلۂ عظیم عطا فرمائے اور انھیں اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے۔ [الرحیم: اکتوبر ۱۹۶۳ء/۲-۴]

Marfat.com

قاضی اکبر عباسی کے بیٹے کی حادثاتی وفات

حال میں قاضی محمد اکبر صاحب عباسی کے صاحب زادے کا سپر ہائی وے پر جو حادثہ ہوا جس کے نتیجے میں یہ بائیس سالہ نوجوان جانبر نہ ہوسکا۔ یہ ایسا المیہ حادثہ ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ ایسے حوادث پر وقت کی حکومت کی طرف سے بروقت افسوس تو کیا جاتا ہے لیکن یہ اس کا حل نہیں ہے۔ عوامی حکومت نے جس طرح دوسری اصلاحات نافذ کی ہیں اور عوام کے لیے نفع رسانی کے کارنامے انجام دیے ہیں، اسی طرح شاہراہوں پر وقت بوقت ہونے والے ان مہلک حوادث کی روک تھام کے لیے بھی جرأت مندی سے کوئی قدم اُٹھایا جائے، تاکہ ان حادثات کا سدباب ہوجائے۔

قاضی صاحب کا سندھ کے بڑے علمی اور سیاسی خانوادے سے تعلق ہے۔ وطن کی آزادی اور قیامِ پاکستان کے سلسلے میں بھی آپ کی بڑی قربانیاں رہی ہیں۔ کئی بار وزیر بھی رہ چکے ہیں اور اب بھی حکومتِ پاکستان کی طرف سے سفارت کے عہدے پر فائز ہیں۔

ہم اس حادثے میں قاضی صاحب کے ساتھ شریکِ غم ہیں اور دست بدُعا ہیں کہ ان کے مرحوم صاحب زادے کو اللہ اپنی جوارِ رحمت میں رکھے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: جون ۱۹۷۶ء، ص ۴]

Marfat.com

شیخ محمد اکرام

اس ماہ ہمارے ایک محترم بزرگ جن کا شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے قریبی تعلق تھا بلکہ ایک گونہ اس کے مؤسس بھی تھے ہم سے رُخصت ہو گئے، یہ ہیں جناب ڈاکٹر شیخ محمد اکرام [١٠ رستمبر ١٩٠٨ء - ١٧ رجنوری ١٩٧٣ء] صاحب۔ ١٩٦٣ء کا ذکر ہے کہ حیدر آباد سندھ میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے قیام کا مسئلہ اہلِ علم حضرات کے سامنے پیش آیا۔ اس کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ قصبہ سجاول ضلع ٹھٹھہ میں ٹمیاری سادات کا ایک مشہور خاندان موجود ہے، اس کے ایک بزرگ الحاج سیّد عبدالرحیم شاہ تھے جن کا ١٩٤٧ء میں انتقال ہوا ہے ان کی زندگی ہی میں ان کی زوجہ محترمہ نے اپنے حصہ کی زرعی زمین کا ایک بہت بڑا رقبہ وقف محمد رحیم شاہ کی صورت میں منتقل کر دیا اور وقف کی ایک شرط یہ رکھی کہ اس کی آمدنی میں سے شاہ ولی اللہ کے اسلامی فلسفہ کی نشر و اشاعت کی جائے۔ سیّد محمد رحیم شاہ جن کے نام سے یہ وقف کیا گیا تھا الحاج سیّد عبدالرحیم شاہ کے والد بزرگوار تھے۔ جب ١٩٦٣ء میں مذکورہ وقف کی بنا پر اکیڈمی کے تاسیس اور قیام کی تحریک شروع ہوئی تھی تو خوش قسمتی سے مغربی پاکستان کے محکمہ اوقاف کے سکریٹری اور ناظمِ اعلیٰ جناب شیخ محمد اکرام تھے، جب ان کے سامنے یہ تحریک پیش ہوئی تو مرحوم نے اکیڈمی کے قیام اور اسے کم سے کم مدت میں باقاعدہ ادارہ کی شکل دینے اور کام شروع کرنے کے قابل بنانے میں بڑی عملی دلچسپی لی اور ہر مرحلہ میں رہنمائی فرمائی اور اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ جہاں تک یہ اکیڈمی پاکستان، اسلام اور مسلمانوں کی کوئی خدمت کر سکی ہے تو اس سلسلہ میں وقف کے اہل کاروں کے ساتھ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب مرحوم و مغفور کی مذکورہ کوششوں کا بھی ضرور ذکر آتا رہے گا، جن کی بدولت شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا وجود ممکن ہوا اور وہ آج ایک فعال ادارہ کی شکل میں کام کر رہی ہے۔ اس ماہ کی ١٥ رتاریخ کو اکیڈمی کے آفس میں

Marfat.com

محکمہ اوقاف سندھ کے ناظمِ اعلیٰ اور سکریٹری جناب سیّد قطب علی شاہ صاحب حسینی کے زیر صدارت شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے بورڈ کے ڈائریکٹروں کا ایک تعزیتی اجلاس ہوا جس میں مرحوم ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کی رُوح پر فتوح کو ایصالِ ثواب کیا گیا اور اُن کی نمایاں علمی اور اَدبی خدمتوں کو سراہتے ہوئے ان کے حق میں دُعائے مغفرت کی گئی اور اُن کے پسماندگان کے ساتھ شریکِ غم ہونے کا اظہار کیا گیا۔ [الولی: فروری ۱۹۷۳ء، ص ۲-۳]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

البیرونی

تاریخ اسلام کے چند ممتاز ترین اربابِ علم و حکمت و تحقیق میں سے ایک ابوریحان البیرونی [ستمبر ۹۷۳ء - ۱۰۴۸ء] تھا۔ اس کی علمی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ ریاضی، ہندسے، ہیئت، جغرافیہ، تاریخ تمدن، علم الآثار اور علم المذاہب پر ایک سو سے زیادہ کتابوں کا مصنف ہے۔ اس کی کتاب الہند تو اس وقت تک اس دور کے ہندوستان کی علوم و فنون اور اہلِ ہند کے تمدن پر بہترین کتاب ہے۔ البیرونی ایک بے تعصب، صلح کل، آزاد مشرب اور بالائے مہ حق پرست حکیم تھا اور اس کے علمی تعلقات ہر مذہب و ملت کے اہلِ علم سے تھے اور اس نے ان سب سے استفادہ کیا۔ شہرزوری نے البیرونی کے علمی شوق اور اُن کی تحقیقی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ وہ ہمیشہ علوم کے حاصل کرنے میں محو رہتا تھا۔ اور کتابوں کی تصنیف پر جھکا ہوا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ سے قلم کو، آنکھ کو دیکھنے سے اور دل کو فکر سے کبھی جدا نہیں کرتا تھا۔

لطیف ملک صاحب نے بڑی خوش سلیقگی سے اس نادر المثال عالم و محقق شخصیت کے حالات اور اس کی شہرہ آفاق تصنیف کتاب الہند کا لب لباب زیر نظر کتاب میں مرتب کر دیا ہے۔ عام مطالعہ کے لیے یہ کتاب بڑی دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔ اُمید ہے کہ کوئی سکول و کالج لائبریری اس سے محروم نہیں رہے گی۔ اگر مرتب کتاب کے مندرجہ اقتباسات کے جو ظاہر ہے کافی طویل ہیں حوالے بھی دیتے جاتے، تو بہت اچھا ہوتا۔ بہر حال بحیثیت مجموعی مرتب کی یہ کوشش بڑی مفید ہے۔

البیرونی اصلاً ترکستان کے علاقہ خوارزم کا تھا۔ وہ ۹۷۳ء، ۳۶۲ھ میں پیدا ہوا ۴۵ سال کا تھا کہ وہ غزنی میں سلطان محمود کے دربار میں پہنچا وہاں سے وہ ہندوستان گیا، ہندوستان سے لوٹا تو ساٹھ سال کا تھا۔ اس کے سترہ سال بعد جب وہ ۷۷ سال کا تھا کہ اس کا انتقال ہوا۔

Marfat.com

زیر نظر کتاب کا ایک بڑا حصہ یعنی ۱۰۷ سے صفحہ ۴۰۸ تک کتاب الہند کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ انھیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ البیرونی کی اس دور کے ہندوستان کے متعلق کتنی وسیع، گہری اور حقیقت رس معلومات تھیں اور وہ انھیں اکٹھا کرنے اور بیان کرنے میں کتنا بے تعصب اور حق پسند ہے، اس نے سب سے پہلے سنسکرت پڑھی اور ہندوؤں کے متعلق جو کچھ لکھا، ان کی کتابیں پڑھ کر اور اُن سے سن کر لکھا اور بقول جرمن مستشرق ایڈورڈ سخا جس نے البیرونی کی دو کتابوں الآثار الباقیہ اور کتاب الہند کو نہایت اہتمام سے شائع کروایا اور اُن کے جرمن اور انگریزی ترجمے کرائے، البیرونی نے کتاب الہند میں بالکل بے تعصبی اور غیر جانبداری کے ساتھ اس دور کے ہندوستان کی تہذیب وتمدن کی تصویر پیش کی ہے۔

البیرونی نے کتاب الہند کے شروع میں لکھا ہے:

> ''یہ کتاب بحث ومناظرہ کی کتاب نہیں ہے کہ ہم مخالف کے دلائل بیان کر کے جو ان میں سے حق کے خلاف ہیں، ان کی تردید کریں، یہ صرف نقل وحکایت کی کتاب ہے۔ ہم ہندوؤں کا قول اس کی اصلی صورت میں بیان کر کے، ہندوؤں اور یونانیوں کی باہمی مشابہت دکھلانے کے لیے اس کے ساتھ اس قسم کے یونانیوں کے اقوال کو بیان کریں گے۔''

اس محققانہ اور غیر جانبدارنہ نقطہ نظر سے البیرونی نے کتاب الہند لکھی، جس کے کثیر التعداد اقتباسات آپ کو زیر نظر کتاب میں ملیں گے۔ [الرحیم: جولائی ۶۵، ص ۴۵ تا ۴۶]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

سردار امین خان کھوسو

ماہ دسمبر میں سندھ بلوچستان کے ممتاز سیاسی رہنما اور تحریک آزادیِ وطن کے عظیم رہبر سردار محمد امین خان کھوسو [۱۹۱۰ء - ۵/دسمبر ۱۹۷۳ء] کا انتقال ایک ایسا قومی المیہ ہے جو کبھی فراموش نہیں ہوسکتا۔ مرحوم کھوسو کی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی۔ جیسے ہی اُنھوں نے وکالت کی تعلیم مکمل کی تو وطن میں آکر صحافت اور سیاست میں مشغول ہوگئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بلوچستان میں سامراجی حکومت کی طرف سے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ قبائلی سردار انگریز سامراج کی غلامی پر فخر کیا کرتے تھے اور القاب حاصل کرتے رہتے تھے۔ عین اس حالت میں جھل مگسی کے ایک نوجوان محبِ وطن سردار یوسف علی خان، بلوچوں کی اصلاح اور اُن کو حقوق دلانے کے لیے اُٹھے بلوچ کانفرنس بلائی اور اس کو کامیاب بنانے کے لیے تگ و دو شروع کردی۔ انگریز حکام کا اتنا رعب تھا کہ کسی سردار کو ان کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اچانک جیکب آباد سندھ کے ایک چھوٹے گاؤں عزیز آباد سے سردار یوسف علی خاں کی حمایت اور انگریز سامراج کے خلاف ایک باطل شکن آواز اُٹھی جس نے قصرِ سامراج کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ آواز تھی سردار محمد امین خاں کھوسو کی۔ کھوسو مرحوم نے نواب یوسف علی خان کے خاص رفیق اور راست بازو بن کر بلوچوں کی اصلاح اور وطن کی آزادی کے سلسلے میں زبردست تحریک چلائی۔ مگر افسوس کہ نواب یوسف علی خاں کوئٹہ کے زلزلہ میں حادثہ کا شکار ہوگئے۔

سندھ میں آزادیِ وطن کے کارواں کے پیشوا حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی تھے۔ حضرت استاذ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی اپنے استاذ شیخ الہند کے ایما سے افغانستان چلے گئے تھے۔ اس سفر کا سارا انتظام حضرت امروٹی نے کیا تھا۔ سردار کھوسو صاحب حضرت امروٹی کے بڑے معتقد تھے اور تحریک آزادی میں ان کی جماعت کے ساتھ مل کر کام کرتے

Marfat.com

تھے۔ آگے چل کر سردار صاحب، کانگریس کے ٹکٹ پر سندھ اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہو گئے اور خان بہادر شہید اللہ بخش او، بی، اے کو القاب چھڑا کر وطن کی تحریک آزادی میں سرگرم رہنما کی حیثیت سے شامل کرنے کا بڑا سہرا کھوسو مرحوم کے سر پر ہے۔ ان ہی کی کوشش سے اللہ بخش شہید نے اپنی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں حضرت استاذ مولانا عبیداللہ سندھی کی ضمانت دے دی اور مولانا سندھی کو واپس سندھ آنے کی اجازت ملی۔

سردار محمد امین خاں ایک شعلہ بیان مقرر اور زورِ قلم کے مالک تھے۔ عوام کی محبت میں اتنے بڑھ گئے کہ کچھ زمانہ تو مارکسزم کے بڑے حامی تھے۔ سندھ میں اکثر ہندو اور مسلم کا مریڈوں کی قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن مولانا عبیداللہ سندھی کی واپسی کے بعد جیسے ہی سردار صاحب کو مولانا سندھی کی زیارت نصیب ہوئی تو جملہ غیر اسلامی عقائد اور رجحانات سے تائب ہو کر مولانا سندھی کے سیاسی خیالات کے مبلغ بن گئے اور آخر دم تک اسی پر کاربند رہے۔ اس نظریہ میں اتنے پختہ تھے کہ گفتار، کردار اور شکل و شباہت میں بھی وہ مولانا سندھی کے مثیل بن گئے تھے۔ حضرت مولانا سے ان کو اتنی محبت تھی کہ ان کا نام لے کر گریہ کرتے تھے اور سختی سے ان کے سیاسی خیالات اور عقائد کی تبلیغ کرتے تھے۔ حضرت مولانا سندھی سے ان کی والہانہ محبت کا اندازہ ان کی اس تحریر سے کیا جا سکتا ہے:

> حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی مجھ غریب پر جو عنایت تھی اس کے ثبوت میں ان کا ایک فقرہ درج کرتا ہوں محمد بن قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل کالج کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے مولانا میرے کام کی تعریف میں فرماتے ہیں:
>
> ''ہمارا پارٹی نظام سندھ اسمبلی میں نمودار ہوگا۔ ہمارا یہ کام بڑھ رہا ہے مگر بہت آہستہ آہستہ۔''

حضرت مولانا کی آمد سے پہلے میری جو کیفیت تھی وہ باقی نہ رہ سکی۔ حق و صداقت کے اس پیامبر کے دیکھنے کے بعد میری صنم پرستیاں باقی نہ رہ سکیں

بالا بلند عشوہ گر سرو ناز من کوتاہ کرد قصہ زہد دراز من

Marfat.com

اب میں حضرت مولانا کی رُوح کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان مروں گا کسی سیاسی گروہ، جماعت یا فرد کی تائید کی یا اس سے سیاست سیکھنے کی اب مجھے ضرورت باقی نہیں رہی۔

سردار محمد امین خاں ایک عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف تو وہ اپنے سیاسی معتقدات میں کسی بھی دوسرے زعیم کی پیروی نہ کرتے تھے۔ اور دوسری طرف ان کی ذاتی دوستی کا یہ عالم تھا کہ جناب جی، ایم سیّد کو سندھ کا سیّد اعظم کہا کرتے تھے۔ اور جب کبھی لاہور جاتے تو مولانا مودودی صاحب سے بھی ان کی ملاقاتیں ہوتیں۔ قائدِ عوام جناب ذوالفقار علی خاں بھٹو کے بڑے مداح اور معاون تھے۔ جناب بھٹو بھی ان کو چچا کہہ کر پکارتے تھے اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مرحوم کا سندھ کے اندر حلقہ احباب نہایت وسیع تھا۔

مرحوم کا بہتر سال کی عمر میں کراچی میں انتقال ہوا اور لاولد ہو کر فوت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس المیہ سانحہ میں ہم مرحوم کے بھائی جناب نظام الدین کھوسو سے شریکِ غم ہیں اور دست بدُعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت کرے اور اُن کے اعزہ واقربا کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ [الولی: جنوری ۱۹۷۴ء، ص ۲-۴]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

محمد ایوب قادری کے جواں سال بیٹے کی وفات

یہ دُنیا فانی ہے، کوئی نسمہ جب پیدا ہوتا ہے تو اپنے ساتھ موت کا پیام بھی لاتا ہے اس لحاظ سے تو موت یقینی چیز ہے اس پر بے صبری بے سود ہے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی جدائی ان کے اعزہ و اقارب کے لیے خصوصاً اور احباب کے لیے عموماً ایک عظیم صدمہ کا سبب بنتی ہے اور خاص طور پر جب وہ اللہ کا پیارا ہونے والا عالمِ شباب میں واصل بحق ہوا ہو، ایسا ہی صدمہ ہمارے قریبی دوست سندھ کے مشہور مؤرخ اور ادیب پروفیسر محمد ایوب قادری کے نوجوان صاحب زادے کی ناگہاں موت اور جدائی سے لاحق ہوا ہے۔ ہم اس میں مرحوم کے بزرگوار والد سے شریکِ غم ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے اور اعزہ و اقارب کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ [الولی: ستمبر ۱۹۷۵ء، ص ۴]

Marfat.com

سیّد باقر شاہ ایڈوکیٹ

۲۱ر جولائی کو شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کا اجلاس تھا۔ جناب سیّد باقر شاہ صاحب ایڈوکیٹ اس میں شرکت کے لیے کراچی تشریف لائے تھے۔ گو آپ کی طبیعت کچھ عرصے سے ناساز تھی، لیکن اس کے باوجود آپ اکیڈمی کے اجلاس میں تشریف لائے اور اس کے مشوروں اور فیصلوں میں بڑا نمایاں حصہ لیا۔ بلکہ اجلاس میں جو بھی فیصلہ ہوئے۔ آپ ہی انھیں قلم بند فرماتے رہے۔ یہ ۲۱ر جولائی کا واقعہ ہے۔ ۴ر اگست کو یک بارگی کراچی سے خبر آتی ہے کہ جناب سیّد باقر شاہ صاحب کو دل کا دورہ پڑا۔ وہ جان لیوا ثابت ہوا۔ اور آپ انتقال فرماگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

مرحوم ومغفور کی اچانک اور بے وقت موت کا جس نے بھی سنا، اسے انتہائی دلی صدمہ ہوا، اور خاص طور سے وہ لوگ جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے سیّد صاحب سے زندگی میں واسطہ رہا تھا۔ ان کے لیے تو یہ صدمہ بڑا ہی جانکاہ تھا۔ لیکن شاہ ولی اللہ اکیڈمی اور اس کے ہمدردوں کے لیے یہ سانحہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ اکیڈمی جس ''وقف سیّد محمد رحیم'' کی بدولت وجود میں آسکی، اس کے قیام میں سیّد عبدالرحیم شاہ مرحوم، اور محترمہ بی بی زیب النساء مرحومہ کے بعد سب سے زیادہ سیّد باقر شاہ کی کوششوں کا دخل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ''واقفین'' حضرات مولانا عبیداللہ سندھی کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ کے عقیدت مند تھے۔ اور اُنھوں نے دین اسلام کی جو حکیمانہ تعبیر فرمائی ہے اسے وہ مسلمانوں اور تمام انسانیت کے لیے فلاح کا ذریعہ سمجھتے تھے، لیکن ''وقف سیّد محمد رحیم'' کو موجودہ قانونی شکل دینے کا تمام خاکہ سیّد باقر شاہ مرحوم نے تیار کیا تھا۔ اور وہی اس کارِ خیر اور صدقہ جاریہ کے سب سے بڑے محرک تھے، اور وقف مذکور کے شرائط بھی اُنھوں نے مرتب فرمائے تھے۔

Marfat.com

۱۹۵۷ء میں محترمہ بی بی زیب النساء صاحبہ کا انتقال ہوا، اس سے پہلے ان کے خاوند جناب سیّد عبدالرحیم شاہ اپنے ربّ کو پیارے ہو چکے تھے۔ بعدازاں جب تک کہ چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف مغربی پاکستان شیخ محمد اکرام صاحب کے عملی اقدام کے نتیجے میں حیدر آباد سندھ میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی وجود میں نہیں آگئی، اور اس نے اپنا کام نہیں شروع کر دیا، سیّد باقر شاہ مرحوم کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ جن اہل علم سے انھیں یہ توقع ہوتی کہ وہ شاہ ولی اللہ کے علوم اور ان کی حکمت اسلامی کی نشر و اشاعت میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ ان کے پاس جاتے، اور انھیں آمادہ کرتے کہ وہ اس کام کو شروع کریں۔ اور ''وقف سیّد محمد عبدالرحیم'' جس بلند مقصد کے لیے قائم ہوا تھا، اس کو پورا کرنے میں ساعی ہوں۔ مرحوم کو حضرت شاہ ولی اللہ اور مولانا عبیداللہ سندھی سے غیر معمولی عقیدت تھی، اور وہ اٹھتے بیٹھتے اور دوست احباب کے حلقوں میں اکثر انھیں بزرگوں کا ذکر کرتے رہتے۔ جب فروری ۱۹۶۳ء میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس کے نظامِ کار کا تعین ہوا، اور اکیڈمی کے نگران ڈائریکٹر چنے گئے تو یہ دن جناب سیّد باقر شاہ مرحوم کے لیے ان کی زندگی کا سب سے مسرت بخش دن تھا۔ اور وہ اتنے خوش تھے کہ گویا انھیں اپنی زندگی کی سب سے بڑی متاع حاصل ہوگئی۔

اس دُنیا میں کسی انسان کے لیے دوام نہیں، اور ہر ایک کو ایک نہ ایک دن اپنے ربّ کے حضور میں جانا ہے، اور جو دن قبر میں لکھا ہے، وہ قبر کے باہر نہیں آسکتا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ کہ جب وہ اس دُنیا سے رُخصت ہوتے ہیں، تو جو کام ان کے ہاتھوں سرانجام پاتے ہیں، یا ان کاموں کی تکمیل میں ان مرنے والوں کی کوششوں کا کچھ دخل ہوتا ہے، تو ان کے بعد بھی ان کی اچھی یادیں باقی رہتی ہیں اور اس طرح انھیں دوام بخشتی ہیں۔ آخر اس حیاتِ ناپائیدار کا اس کے سوا اور کیا حاصل ہے کہ ہم مرنے والوں کو اس طرح ان کے نیک اور اپنے کاموں کی وجہ سے بعد میں یاد رکھیں۔

جناب سیّد باقر شاہ صاحب انھی خوش نصیب لوگوں میں سے تھے، جو موت کے بعد اپنی اچھی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ [الرحیم: ستمبر ۱۹۶۳ء، ص ۲-۴]

Marfat.com

بہاؤالدین زکریا ملتانی

اس ماہ صفر کی دس تاریخ کو ملتان میں شیخ الاسلام غوث العالمین بہاؤالدین زکریا ملتانی [۱۱۷۱ء-۱۲۶۷ء] کی یاد میں ایک کانفرنس بلائی گئی تھی۔ اس کا افتتاح صدر مملکت پاکستان نے فرمایا اور ملک کے کئی نامور عالموں اور ادیبوں نے اپنے اپنے مقالے پڑھے جو بڑے معلوماتی اور عالمانہ تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر تاریخ کے مطالعہ سے دیکھا جائے تو نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالمِ اسلام میں اصفیا اور اولیاء اللہ نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں جو کام کیا ہے وہ حکومتوں نے نہیں کیا۔ شیخ الاسلام غوث بہاؤالدین زکریا کی ساری زندگی علم کی اشاعت اور تبلیغ اسلام میں صرف ہوئی۔ آپ نے تحصیلی ملکات کے سلسلہ میں کافی سفر کیا۔ ملتان سے چل کر ماوراء النہر، بخارا اور سمرقند پہنچے یہ وہ زمانہ تھا جب علامہ برہان الدین علی مرغینانی مؤلف ہدایہ زندہ تھے۔ شیخ الاسلام زکریا ملتانی نے علامہ مرغینانی ان کے معاصرین اور شاگردوں سے علم کی تحصیل کی اور پھر حج کو چلے گئے۔ مدینہ منورہ میں علامہ کمال الدین یمنی سے حدیث کی تحصیل اور روضۂ اطہر سے انوار حاصل کرتے رہے، واپسی میں بغداد پہنچے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت سے مستفید ہوئے کہا جاتا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے آپ کے علمی اور باطنی کمالات کو دیکھ کر صرف سترہ دنوں کے بعد ان کو خرقۂ خلافت عطا کیا، اس پر دوسرے مریدوں اور معتقدوں نے شیخ سے کہا کہ ہم سالہا سال سے ریاضت کرتے رہے ہیں ہمیں خرقۂ خلافت عطا نہ ہوا، اور اس سندھی درویش بہاؤالدین زکریا کو صرف سترہ دن ریاضت اور صحبت کے بعد خرقۂ خلافت عطا کیا گیا ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ زکریا سب کچھ ساتھ لائے تھے صرف توجہ کی ضرورت تھی وغیرہ۔ پھر شیخ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ تم سندھ جا رہے ہو وہاں میرا ایک خلیفہ نوح بکھری رہتا ہے۔ ان کی صحبت سے بھی مستفید ہونا، شیخ

Marfat.com

الاسلام جب بکھر سندھ پہنچے تو ایک دو ماہ پہلے مخدوم نوح بکھری وفات پا چکے تھے۔ پھر رُوحانی توجہ سے کچھ فیض حاصل کر کے ملتان پہنچے۔

ملتان اس دور میں سندھ کا دارالسلطنت تھا۔ اور شیخ الاسلام کے پوتے شاہ رکن عالم کے دور میں بھی ملتان سندھ کا دارالسلطنت رہا۔ جس کی شہادت عالم اسلام کے مشہور سیاح ابن بطوطہ نے دی ہے کہ میں جب ملتان پہنچا تو ملتان سندھ کا دارالسلطنت تھا اور شاہ رکن عالم سے ملاقات ہوئی۔ ان سے ان کے آباؤ اجداد اور مسکن کے متعلق دریافت کیا تو شاہ رکن عالم نے فرمایا کہ ہم منصورہ کے حکمران ہباری خاندان سے ہیں اور ہمارا بھی اصل مسکن منصورہ سندھ تھا۔ پھر ادھر ملتان آ گئے وغیرہ۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نگاروں نے شیخ الاسلام کے دادا شیخ کمال الدین کا عربستان سے خوارزم آنا اور پھر وہاں سے ملتان آنا لکھا ہے۔ یہ سارا من گھڑت افسانہ ہے ورنہ آپ کا خاندان سندھی ہے۔ جو بہت پہلے سندھ میں وارد ہوا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خواجہ کمال الدین منصورہ سے عربستان حج کرنے گئے ہوں گے اور پھر سیاحت کرتے ہوئے خوارزم پہنچے اور پھر وہاں سے ملتان آ گئے۔ اور اسی کو مسکن قرار دیا۔ اور گویا ایک ہی ملک کے اندر نقل مکانی تھی۔

حضرت غوث ملتانی کا اپنے آباؤ اجداد کے اصل مسکن سندھ سے برابر تعلق رہا، چھ مہینے اندرون سندھ کا سفر فرماتے اور تبلیغ کرتے رہتے تھے، آپ کے ساتھ شہباز قلندر بھی اس مسافرت میں ساتھ رہتے تھے، اس کا یہ اثر ہوا کہ ایک طرف سندھ اور ملتان کے روابط اور مضبوط ہوتے گئے اور دوسری طرف تونیہ، چاچڑ، انڈھڑ اور بھٹی جیسے قبائل آپ کی تبلیغ سے اسلام میں داخل ہو گئے تھے آج یہ قبائل لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ جو سب کے سب مسلمان ہیں اور آج تک ہر سال ملتان جا کر حضرت غوث العالمین کی زیارت کرتے رہتے ہیں۔

حضرت غوث کی سندھ میں تبلیغ چونکہ سرائیکی یا ملتانی زبان میں ہوتی تھی تو سندھی عقیدت مند اس کو بھی مادری زبان میں سندھی میں شمار کرتے ہیں اور آج سندھ کی کافی آبادی سرائیکی بولتی ہے۔ رُوحانی تعلق کا اثر ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ [الولی: اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۲-۴]

Marfat.com

محمد حنیف صدیقی

سندھ کے ایک بہت بڑے مؤرخ، ادیب اور دانشور جناب محمد حنیف صاحب صدیقی ایڈوکیٹ کی وفات حسرت آیات، یہاں کی علمی دُنیا کے لیے بہت بڑا سانحہ ہے۔ مرحوم شکارپور جیسے مردم خیز شہر میں پیدا ہوئے۔ وکالت کی ڈگری بمبئی یونیورسٹی سے حاصل کی اور پھر شکارپور سے لاڑکانہ چلے آئے اور وکالت کا کام شروع کیا۔ قاضی فضل اللہ صاحب کے ساتھ سالہا سال وکالت کرتے رہے۔ جس زمانے میں لاڑکانہ کے اندر بڑے بڑے ہندو وکلا تھے اس زمانے میں بھی مرحوم صدیقی کامیاب وکیل مانے جاتے تھے، مرحوم کو تاریخی، اَدبی اور فنونِ لطیفہ کی کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اسی طرح آثارِ قدیمہ کے بھی بڑے دل دادہ تھے۔ لاڑکانہ میں تاریخ اور اَدب سے دلچسپی رکھنے والے اُدبا کا آپ کے ہاں اکثر اجتماع رہتا تھا۔ نوجوانوں کو اَدب اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے کے لیے ترغیب دیتے رہتے تھے اور اپنی معلومات اور کتابوں سے ان کی اَدبی اور علمی اعانت کرتے رہتے تھے۔ آپ پاکستان کے بعد سیاست میں بھی دلچسپی لیتے رہے اور مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر بھی منتخب رہے۔ کافی عرصہ سے لاڑکانہ کو چھوڑ کر حیدرآباد میں قیام فرمایا تھا اور ادارہ سندھالوجی کے سالہا سال ڈائریکٹر بھی رہے اور تاریخ کی کچھ کتابوں کا انگریزی سے سندھی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ اور یہ کتابیں سندھی اَدبی بورڈ کی طرف سے چھپ چکی ہیں۔ مرحوم محمد حنیف صاحب صدیقی نے بہت بڑی علمی لائبریری چھوڑی ہے اور آثارِ قدیمہ کے نوادرات کا بھی ذخیرہ چھوڑا ہے۔ اسی طرح مرحوم نے کچھ کتابیں بھی لکھی تھیں۔ سندھ کے علمی اداروں کا فرض ہے کہ وادیٔ سندھ کے اس عظیم مؤرخ اور ادیب کے چھوڑے ہوئے علمی ورثہ کی حفاظت کریں اور اُن کی مؤلفہ کتابوں کی اشاعت کا انتظام کریں۔ مرحوم کی یاد کا یہی صحیح طریقہ ہے۔

ہم اس سانحہ میں مرحوم کے پسماندوں سے دلی ہمدردی کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اعزہ کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: اپریل ۱۹۷۶ء، ص ۴]

Marfat.com

مولانا خوش محمد

مرحوم گرامی کی جدائی کا غم ابھی تازہ تھا کہ سندھ کے ایک بہت بڑے دین کے عالم اور استاذ مولانا خوش محمد صاحب میروخان ضلع لاڑکانہ والے اس جہانِ فانی سے رُخصت کر کے اللہ کے پیارے ہو گئے۔ حضرت علامہ خوش محمد صاحب شمالی سندھ اور بلوچستان کے اکثر علما کے استاذ تھے۔ تقریر، تحریر اور تدریس میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ کی ۱۳۰۴ھ میں ولادت ہوئی، فارسی کی تعلیم اپنے شہر میروخان میں میاں نیک محمد صاحب مرحوم تونیہ سے حاصل کی۔ میاں صاحب فارسی اَدب کے حافظ کہلاتے تھے۔ فردوسی کے شاہنامہ کے بیسیوں اشعار ان کو از بریاد تھے۔ مولانا خوش محمد صاحب کے عربی کا ابتدائی سبق تبرکاً استاذ الاساتذہ علامہ غلام صدیق شہداد کوٹی سے ہوا تھا۔ اس کے بعد ابتدائی تعلیم گوٹھ بھٹی کے جید عالم مولانا دین محمد صاحب چانڈیو سے حاصل کی۔ مولانا دین محمد صاحب، استاذ الکل مولانا نظر محمد صاحب بھنگ والے سے فارغ ہوئے تھے۔ اس کے بعد مولانا میروخانی محدثِ عصر مولانا میر محمد صاحب نورنگی کی خدمت میں پہنچے اور یہ بزرگ بڑے معمر تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محشی صحیح بخاری کے مخصوص تلامذہ میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ مولانا میروخانی مرحوم نے علمی فراغت مولانا شیخ غلام الرسول صاحب سے کی جو شیخ الہند کے قدیمی شاگردوں میں بڑے پائے کے عالم تھے۔ اس کے بعد اللہ کے توکل پر اپنے ہی شہر میروخان میں دینی مدرسہ قائم کیا جہاں ہزاروں شاگردوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ میری ابتدائی تعلیم فارسی اور عربی کی بھی حضرت مولانا خوش محمد کے ہاں ہوئی تھی۔ میرے ساتھ جو دوسرے بزرگ علما نے مولانا خوش محمد صاحب کے ہاں تعلیم حاصل حاصل کی تھی ان میں مولانا خلیفہ عبدالعزیز بھانڈوی، مولانا حافظ محمد بخش، مولانا شاہ محمد صاحب ہکڑو، مولانا عبداللہ صاحب چانڈیو، مولانا عبدالکریم قریشی

Marfat.com

لاڑکانہ اور مولانا محمد نواز صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا مرحوم کی عمر ۹۲ رسال تھی۔ آخر عمر تک نظر سالم رہی چشمہ استعمال نہ کرتے تھے اور ہوش وحواس بھی سلامت رہے۔ سلوک میں حضرت مولانا امروٹی سے مجاز تھے اور اخیر عمر تک برابر تدریس کا شغل رہا۔ فقہی تحریک میں بھی بے نظیر تھے۔ ہم اس سانحہ کے غم میں حضرت استاذ کے صاحب زادوں میاں مویار محمد اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور دو برادرزادوں حافظ سکندر صاحب اور مولوی حافظ عبدالقادر صاحب کے ساتھ شریک ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: اکتوبر ۱۹۷۶ء، ص ۴]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

مولانا سیّد محمد داوٗد غزنوی

علمی و دینی حلقوں کے علاوہ ملک کے ہر طبقے میں مولانا سیّد محمد داوٗد غزنوی [اگست ۱۸۹۵ء - ۱۶؍دسمبر ۱۹۶۳ء] کے انتقال پر جس گہرے رنج واندوہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مولانا مرحوم کی کتنی ہر دلعزیز شخصیت تھی اور آپ ایک مخصوص مذہبی مسلک کے حامل اور عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ان اعلیٰ خوبیوں کے بھی مالک تھے، جو انسان کو مقبول عوام وخواص بناتی ہیں اور جب وہ اس دُنیا سے اُٹھ جاتا ہے تو ہر شخص اس طرح یاد کرتا ہے جیسے اس کے قریبی عزیز کا انتقال ہو گیا۔

مولانا مرحوم امرتسر کے مشہور و معروف علمی و دینی خاندانِ غزنویہ میں سے تھے۔ [آپ نامور عالم دین، کارکن تحریک پاکستان، بانی جمعیت علمائے ہند پاکستان، بانی جامعہ سلفیہ فیصل آباد، اوّلین جنرل سیکرٹری مجلس احرارِ اسلام، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان اور ہفت روزہ توحید امرتسر کے مدیر و بانی تھے۔] آج سے کوئی چوالیس سال قبل جب استخلاص وطن کے جدوجہد شروع ہوئی، تو مولانا سیّد محمد داوٗد غزنوی اس میں پیش پیش تھے، عمر کا ایک بڑا حصہ غیر ملکی حکومت کی جیلوں میں گزارا، ملک آزاد ہوا، تو جہاں تک ہو سکا اس کی خدمت کی اور آخر جب وہ وقت آ گیا۔ جس سے کسی کو مفر نہیں تو ۱۶؍دسمبر کو اپنے ربّ کو پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ [الرحیم: جنوری ۱۹۶۴ء، ص۲]

❁......❁❁❁......❁

Marfat.com

مولانا درمحمد خاک

مولانا درمحمد صاحب [پ: ۱۸۹۵ء] کا تعلق سندھ کے شمالی حصے ضلع لاڑکانہ سے تھا۔ فقہ اس علاقہ کا محبوب مشغلہ رہا ہے دسویں صدی ہجری میں محمد جعفر بوبکانی سندھی نے المتانۃ فقہ میں ایک محقق کتاب لکھ کر اس فن میں تصنیف و تالیف کی ابتدا فرمائی آپ کے بعد بیسیوں فقہا اس علاقے میں پیدا ہوئے جنھوں نے اس علم شریعت کے باغ کی آبیاری کی فتاویٰ عالمگیری کے تالیف کے لیے علما کی جو مجلس قائم کی گئی تھی اس کے صدر ٹھٹھہ سندھ کے علامہ نظام الدین سندھی تھے شاہ ولی اللہ صاحب کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی نے بھی کچھ وقت اس کی تالیف میں حصہ لیا تھا۔ محمد ہاشم صاحب ٹھٹوی نے تو اس فن میں وہ کمال حاصل کیا جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا۔ تیرھویں صدی میں محمد عابد سندھی نے در مختار کی شرح طوالع الانوار اٹھائیس جلدوں میں لکھ کر بڑا علمی کارنامہ سرانجام دیا اسی کا اثر ہے کہ آج تک سندھ میں بڑے بڑے فقیہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔

مولانا درمحمد خاک نے استاذ العلما مولانا میر محمد ذرنگی ضلع لاڑکانہ سے تحصیلِ علم کی، فقہی تحریر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا کئی فقہی تحریریں کتابی شکل میں آپ نے خود چھپوائی ہیں جن کے دیکھنے سے آپ کا فن فقہ میں تبحر معلوم ہوتا ہے۔ پانچ چھ سال سے مولانا درمحمد خاک صاحب کا حیدر آباد سے کوئی ایسا انس ہوگیا تھا کہ اکثر یہاں قیام فرماتے تھے اور احقر راقم سے ان کی علمی مجلسیں ہوتی تھیں۔ اپنی تالیفات کو اکثر و بیشتر پہلے مجھے دکھاتے تھے اور پھر چھپواتے تھے، انکساری کا یہ عالم تھا کہ لقب ہی خاک رکھ دیا تھا ایک سو کے قریب آپ کی سندھی، فارسی اور عربی میں تالیفات موجود ہیں۔ آپ کا کتب خانہ نصیر آباد ضلع لاڑکانہ میں مرجعِ علما و فضلا رہا مولانا خاک کتابوں کے ایسے شوقین تھے کہ اب بھی بڑھاپے میں جو نئی

Marfat.com

کتاب چھپتی وہ خرید لیتے تھے۔ خلافت تحریک میں آپ نے بڑا حصہ لیا اوراس دور کا جملہ لٹریچر آپ کے کتب خانے میں محفوظ ہے، شعر میں بھی بڑی صلاحیت رکھتے تھے سندھی، فارسی اور عربی اشعار فی البدیہہ کہتے تھے، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کا اکثر حصہ آپ کو اس عمر میں یاد تھا آپ نے ۸۹ برس کی عمر میں حیدرآباد میں سفر کی حالت میں انتقال فرمایا اور آپ کو آبائی گاؤں میں نصیر آباد کے قریب دفنایا گیا۔ مولانا خاک کو حضرت ملکانی صاحب سے نقشبندی طریقت میں خرقہ خلافت بھی حاصل تھا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ [ان] کو اپنی رحمت کے آغوش میں رکھے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ [الولی: جنوری ۱۹۸۱ء، ص ۳-۴]

Marfat.com

مولانا دین محمد سندھی

یہ خبر علمی اور اَدبی طبقہ میں افسوس سے سنی جائے گی کہ مولانا دین محمد ادیب، فیروز شاہی سندھی [۲۱ر مارچ ۱۸۹۷ء - ۲۷ر فروری ۱۹۷۳ء]، ایک طویل علالت کے بعد اسی (۸۰) سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ مرحوم اس علاقہ کے بڑے فقیہ، ادیب اور عظیم فارسی اور سندھی گو شاعر تھے۔ آپ کا مولد ومنشا فیروز شاہ سندھ تھا اور مرحوم استاذ العلما علامہ الحاج عطاء اللہ فیروز شاہی کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اور علامہ فیروز شاہی سے بھی ان کو شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ اس کے بعد ان کے تلامیذ اور تلامیذ کے تلامیذ سے ان کو تحصیلِ علم کا موقعہ حاصل ہوا۔ مولانا الٰہی بخش سندھی جیسے بزرگ فارسی گو شاعر کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے مولانا ادیب کو فارسی اور سندھی شعر میں ملکہ پیدا ہوا۔ مثنوی مولانا روم کا سندھی نظم میں مکمل، سہل اور عام فہم ترجمہ کیا۔ اس علمی کارنامے پر حکومتِ ایران کی طرف سے مولانا ادیب فیروز شاہی کو وظیفہ بھی مقرر ہوا تھا۔ اور کلیاتِ ادیب مولانا مرحوم کے فارسی اشعار کا ایک مجموعہ بھی چھپا ہے جس پر سندھی اَدبی بورڈ جیسے مشہور علمی ادارہ سے مولانا کو پانچ سو (۵۰۰) کا انعام ملا۔ اور یہ کتاب بھی چھپ گئی۔

مولانا ادیب فیروز شاہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ مولانا تھانوی کی زیارت کے لیے تھانہ بھون بھی گئے تھے۔ مولانا تھانوی سے ان کو جنون کی حد تک محبت اور عقیدت تھی، اس لیے مولانا تھانوی کے کئی اُردو رسائل کا سندھی میں ترجمہ کیا اور کچھ کتابیں چھپ بھی گئی تھیں۔

مرحوم سالہا سال حیدر آباد سندھ کے نور محمد ہائی اسکول میں عربی اور اسلامیات کے استاذ رہے اور تعلیمی مشاغل کے ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی ان کو بڑا شغف تھا۔ تقریباً چالیس پچاس تک آپ کی تصنیفات بتائی جاتی ہیں۔ اس عظیم سانحہ میں ہم مولانا مرحوم کے اعزہ اور اقربا سے شریکِ غم ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو غریقِ رحمت فرمائے اور اُن کی اولاد اور اعزہ کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۳-۴]

Marfat.com

مولانا دین محمد وفائی

مولانا دین محمد وفائی [۴/اپریل۱۸۹۴ء-۱۴/اپریل۱۹۵۰ء] جنھیں علامہ داؤد پوتا نے اپنے ایک مضمون میں سندھی زبان کی چلتی پھرتی ڈکشنری لکھا ہے، وطنِ عزیز کے ان عالموں، ادیبوں، صحافیوں اور مورخوں میں سے تھے۔ جن کی یاد کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا وفائی تعلقہ گڑھی یاسین (ضلع سکھر) کے ایک چھوٹے سے گاؤں نبی آباد میں رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی کا نام مولوی حکیم گل محمد تھا۔ وہ ابھی نو(۹) سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ والد گرامی کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے۔ اُنھوں نے فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد گڑھی یاسین میں علامہ محمد قاسم سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ علامہ محمد قاسم سندھ اور بلوچستان کے مفتی، عربی و فارسی کے بہت بڑے عالم، سندھی زبان کے ماہر صاحب طرز ادیب اور بلند پایہ شاعر تھے۔

فلسفے اور دوسرے فنون کی تعلیم کے لیے اوستے بھلے ڈنو آباد میں سندھ کے مشہور منطقی عالم مولانا خادم حسین جتوئی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت فیض حاصل کیا۔ یہاں علامہ حاجی حسن اللہ پاٹائی کے خاص شاگرد اور جید عالم مولانا غلام عمر سونی جتوئی سے سیال کوٹی نصاب کی تحصیل کی اور سندِ فراغت حاصل کی یہ مولانا وفائی کی تحصیل علمی کا مختصر خاکہ ہے۔

تحصیل علمی سے فراغت کے بعد رانی پور کے پیروں کے گدی نشین کے بیٹوں کی تعلیم کے لیے کچھ عرصہ رانی پور میں قیام کیا۔ اسی طرح ٹلاہ کے راشدی سلسلے کے پیروں کے ساتھ ان کے بچوں کے اتالیقی کی وجہ سے تعلق پیدا ہوا۔ وہاں انھیں سیّد رشد اللہ شاہ جھنڈے والے کی صحبت سے فیض اٹھانے کا موقع ملا، پیر سیّد رشد اللہ شاہ اپنے وقت کے بلند پایہ محدث تھے۔ حضرت پیر صاحب علیہ الرحمہ کی کوشش سے گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدر آباد) میں عربی کا بہت

Marfat.com

بڑا مدرسہ قائم ہوا تھا۔ اس کے علاوہ پیر صاحب نے ایک بڑا علمی کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ جس کے لیے اُنھوں نے ہزاروں قیمتی کتابیں علامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی کے کتب خانہ (ٹھٹھہ) سے حاصل کی تھیں۔ مولانا وفائی مرحوم نے کتب خانے سے بہت علمی فیض حاصل کیا تھا۔

اسی دوران میں آریہ سماجیوں کی طرف سے سندھ کے سنجوگی شیخوں کو شدھی کرنے کی تحریک شروع ہوئی مولانا وفائی کے دل پر اس کا بہت اثر ہوا اس لیے اُنھوں نے اپنی حجرہ نشینی اور خلوت گزینی کی زندگی ترک کی اور شدھی کے فتنے کے انسداد کے لیے سندھ کے دیہات کا دورہ کیا اور دشمنانِ دین کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔

شدھی اور سنگھٹن کی تحریک کے انسداد اور تبلیغ و اشاعت کے کاموں کے سلسلے میں مولانا وفائی مولانا تاج محمود امروٹی مولانا محمد صادق (کھڈے والے) اور شیخ عبدالمجید صاحب (سندھی) سے بھی ملتے رہتے تھے۔ ان بزرگوں کے مشورے اور تعاون سے اُنھوں نے شدھی تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالآخر اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے چھوڑا۔

جنگِ عظیم اوّل کے نتیجے میں خلافت ترکی کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا ہندوستان میں جو تحریک شروع ہوئی تھی اس کا بہت بڑا میدان سندھ تھا اس تحریک کو کامیاب بنانے، قوم کی تربیت اور اصلاح کے لیے ۱۹۲۰ء میں الوحید کے نام سے کراچی سے ایک سندھی روزنامہ جاری ہوا۔ مولانا اوّل دن سے اس کی ادارت میں شامل تھے۔ پھر اس کے با اختیار ایڈیٹر بن گئے الوحید کی ادارت سے کامل بائیس برس ان کا تعلق رہا۔ تحریر و انشا کی ان میں پہلے ہی سے خداداد صلاحیت موجود تھی۔ مولانا غلام عمر سونی جتوئی کی صحبت میں کتابت و انشا اور علمی تحریروں کی مشق نے سونے پر سہاگے کا کام کیا تھا۔ الوحید میں انھیں اپنی علمی معلومات سے کام لینے اور زورِ قلم دکھانے کا بہترین موقع ملا۔ الوحید کے فائلوں میں مولانا وفائی کے مضامین ان کے حسنِ انشا، ذوقِ تحقیق، علمی معلومات، مطالعے کی وسعت اور تالیف و تدوین کے کمال کے شاہد عدل ہیں۔

مولانا وفائی کی تحریر و انشا کا سلسلہ الوحید سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ جب اُنھوں نے صحیفہ قادریہ (رانی پور) اور ماہنامہ الکاشف (ٹلاہ) جاری کیا تھا یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔

Marfat.com

الوحید کی ادارت کے ساتھ مولانا وفائی نے توحید کے نام سے اپنا ایک ذاتی رسالہ بھی جاری کیا تھا جو پہلے پندرہ روزہ تھا پھر اسے ماہنامہ کر دیا تھا۔ یہ خالص علمی، دینی، تبلیغی اور اصلاحی رسالہ تھا۔ اس کا پہلا پرچہ ۱۵؍ربیع الاوّل ۱۳۴۲ھ بروز جمعہ مطابق ۲۴؍اکتوبر ۱۹۲۴ء کو نکلا تھا۔ اس میں ایڈیٹر کے نوٹ کا عنوان ''عرضِ حال'' تھا۔ بعد میں اسے ''ملاحظات'' کے عنوان سے بدل دیا گیا۔

اس سے قبل ٹلاہ کے زمانہ قیام میں الکاشف کے نام سے جو سندھی رسالہ نکالا تھا، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سندھی زبان کا پہلا رسالہ ہے، جس میں سندھ کی تاریخ اور تمدن پر مولانا وفائی کے قلم سے معیاری علمی مضامین شائع ہوتے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں مولانا نے الحزب کے نام سے ایک بہت خوبصورت ہفتہ وار سندھی اخبار نکالا تھا۔ الوحید سے الگ ہونے کے بعد مولانا وفائی روزنامہ آزاد کے ایڈیٹر ہو گئے۔

مولانا عبیداللہ سندھی کی وطن واپسی (۱۹۳۹ء) کے بعد ان کی شاگردی اختیار کرنے کے بعد مولانا وفائی کا میلان تصنیف و تالیف کی طرف بہت بڑھ گیا تھا۔ ان کا زیادہ وقت علمی اَدبی اور تاریخی کتابوں کے مطالعے میں گزرنے لگا تھا۔ مولانا وفائی کی عمر کا بڑا حصہ صحافت میں گزرا تھا اور صحافت کی مشغولیتوں میں تصنیف و تالیف کے کام کے لیے وقت نکالنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اس کے باوجود مولانا کی محنت اور شوق کا یہ نتیجہ تھا کہ اُنھوں نے بہت سی تالیفات و تصنیفات اور تراجم اپنی یادگار چھوڑے ہیں ان میں سے چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

الہام الباری، ترجمہ تجرید البخاری (پانچ جلدوں میں)، محمد عربی ﷺ، چاروں خلفائے راشدین پر الگ الگ تالیفات، غوث اعظم، خاتونِ جنت، نو مسلم ہندورانیاں، زندگی کا مقصد، قرآنی صداقت (آریہ سماج تحریک کے ردّ میں)، ہندو دھرم اور قربانی، یادِ جاناں (جان محمد جونیجو مرحوم رئیس المہاجرین کا تذکرہ)، لطف اللطیف، شاہ کا مطالعہ، تذکرہ مشاہیر سندھ (چار جلدیں) اور دوسری متعدد کتابیں۔

مولانا وفائی ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ ان کی تحریر و اندازِ نگارش کا کیا کہنا۔ اس کی دل ربائی کا عالم ہی کچھ اور تھا عربی اور فارسی کا عالم ہونے کے باوجود وہ ایسی زبان لکھتے تھے جسے ہر کوئی

Marfat.com

سمجھ سکتا تھا اور جس سے ہر کوئی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ عربی اور فارسی الفاظ کو ایسے سلیقے سے استعمال کرتے تھے، جس سے سندھی زبان کا حسن دوبالا اور اس کی دل ربائی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

جن لوگوں نے مولانا وفائی کو دیکھا ہے، ان سے ملے ہیں اور باتیں کی ہیں اور ان کی تحریروں کا مطالعہ کیا ہے انھیں اندازہ ہوگا کہ مولانا کیسے خوش شکل، خوش لباس، خوش گفتار اور مہذب انسان اور کتنے بڑے عالم اور کیسے فاضل شخص تھے، البتہ جن لوگوں نے مولانا کو نہیں دیکھا انھیں سندھ کے بڑے ادیب اور مورخ سیّد حسام الدین راشدی کے بیان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ شکل و صورت میں کیسے اور کتنے بڑے ادیب اور کن خوبیوں کی حامل شخصیت تھے۔ راشدی صاحب مرحوم نے لکھا ہے:

> مہندی لگی ہوئی سرخ داڑھی، روشن آنکھیں، کشادہ پیشانی، دلکش ناک و نقشہ، بیضوی چہرہ، نہ زیادہ لمبا بالکل گول، کھلتا ہوا گندمی رنگ متوسط قد مضبوط کاٹھی، سادہ لباس، سندھ کے اکابر اہلِ علم میں سے تھے۔ فارسی اور اُردو پر عبور تھا۔ سندھی ان کی مادری زبان تھی اور اس پر ان کی مہارت مسلم تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی قلم ہاتھ میں لیا تھا تو کتنے ہی اخبار نکالے، کتنے ہی رسالے لکھے۔ سندھ میں تاریخ کے امام تھے۔ حافظہ آخر وقت تک غضب کا تھا۔ سندھ کی تاریخ پر عبور تھا اور مشاہیر کے سوانح حیات اور ان کی ولادت اور وفات کی تاریخیں تک زبانی یاد تھیں۔

افسوس کہ ان کی موت سے سندھی زبان اپنے ایک بڑے خدمت گزار سے اور سندھی اُدب اپنے ایک مایہ ناز ادیب اور صاحبِ طرزِ انشا پرداز سے محروم ہوگیا جس کا بدل ممکن نہیں۔ سندھی زبان کا یہ ماہر، بے بدل ادیب، قابلِ فخر عالم، عظیم مورخ اور بلند پایہ صحافی ۱۸/اپریل ۱۹۵۰ء کو ہم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا۔ [الولی: اپریل ۱۹۸۱ء، ص ۳۰-۳۳]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

مولانا دین محمد وفائی کی تعلیم و تربیت

پاکستان سے بہت پہلے مسلمانوں میں عقائد کے لحاظ سے امروٹی اور ہمایونی علما کہلاتے تھے۔ ۱۳۰۸ھ میں تحصیل گڑھی یاسین کے قصبہ امروٹ میں حضرت امروٹی صاحب کے مرشد حافظ محمد صدیق بھرچونڈی کی وفات کے بعد ایک عربی مدرسہ قائم ہوا جس کے مدرس اوّل مولانا عبید اللہ صاحب سندھی تھے۔ اس سے پہلے شمالی سمندر میں ہمایونی اور شہداد کوٹ کے دینی مدارس تھے اور ان مدارس کے تلامذہ ہوتے تھے۔ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے مجھ سے خود فرمایا کہ شہداد کوٹ کا عربی مدرسہ اتنا مشہور تھا کہ اس کے قریب مدارس میں کوئی مدرسہ نہ ہوتا تھا۔ مولانا امروٹی صاحب خود بھی ہمایوں کے بزرگ محمد یعقوب صاحب کے شاگردوں کے شاگرد تھے مولانا تاج محمود صاحب امروٹی نے ظاہری علم تو ہمایوں اور شہداد کوٹی علما سے حاصل کیا تھا لیکن باطنی فیض بھرچونڈی کے حافظ محمد صدیق صاحب سے حاصل کیا تھا۔ اور حافظ بھرچونڈی والے حضرت پیر محمد راشد صاحب کے شاگرد سیّد محمد حسن ہوتی والے کے خلیفہ تھے۔ اسی طرح حضرت امروٹی مولانا تاج محمود صاحب امروٹی سے ۱۳۰۸ھ جب مولانا عبید اللہ سندھی دیوبندی کو امروٹ میں مدرس رکھا۔ اسی زمانہ میں شہداد کوٹ کے مدرسہ کا یہ اثر تھا کہ سندھ سے بہت کم شاگرد امروٹ میں آتے تھے اور اکثر بہاولپور سے شاگرد سندھ میں لائے جاتے تھے یہ بات مولانا عبید اللہ صاحب نے مجھے خود بتائی۔

شمالی سندھ میں تین مدرس ہمایونی اور شہداد کوٹی ایسے تھے کہ جن کے مدارس اسی علاقہ میں مشہور تھے ایک قصبہ گڑھی یاسین میں مولانا محمد قاسم صاحب کا گڑھی یاسین میں بہت بڑا مدرسہ تھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب ابتدائی اپنے والد مولانا محمد ہاشم شاگرد مدرسہ شہداد کوٹ سے حاصل کی تھی اور بعد میں آخر تک ہمایونی کے مدرسہ میں مولانا مفتی عبدالغفور سے حاصل کی تھی

Marfat.com

اوران کا گڑھی یاسین میں مدرسہ تھا۔ مولانا دین محمد صاحب وفائی تحصیل گڑھی یاسین کے تھے
اُنھوں نے مولانا محمد قاسم صاحب سے تعلیم حاصل کی تھی اور غالباً کافیہ تک یہ تعلیم حاصل کی تھی۔
دوسرے مدرس مولانا خادم حسین جتوئی تھے۔ جو سکھر ضلع اور جیکب آباد ضلع کے مختلف
مدارس میں مدرس تھے۔ مولانا دین محمد وفائی کے دوسرے استاذ مولانا خادم حسین تھے۔ مولانا
صاحب جتوئی کے شاگردوں کے متعلق بھی قدیمی اساتذہ والا تعلق تھا البتہ مولانا محمد اسماعیل
متصل قنبر علی خان سندھ کے قدیم اساتذہ سے پڑھے تھے۔ باقی اُوپر کی کتابیں پڑھنے کے
لیے ہندوستان چلے گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جو مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی زندہ تھے۔
مولانا محمد اسماعیل صاحب نے معقول اور فلسفہ کی کتابیں مولانا فضل حق صاحب سے پڑھیں
تھیں پھر سندھ واپس آگئے تھے اور اپنے گاؤں ابڑہ متصل قنبر میں مدرسہ قائم کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ
تھا کہ مولانا گل محمد صاحب شہداد کوٹی کے معاصر کہلاتے تھے لیکن مولانا گل محمد صاحب کا رعب
غالب تھا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب کے شاگردوں میں مولانا نظر محمد صاحب بھنگری تھے اور کہا
ہے کہ سات برس برابر مولانا نظر محمد صاحب مولانا محمد اسماعیل صاحب سے پڑھتے رہے اور
وہاں کے مسجد کے مشکیزے بھی بھرتے رہے۔ مولانا کریم داد صاحب چانڈیو، مولانا خادم حسین
صاحب جتوئی، مولانا میر محمد صاحب نورنگی اور دوسرے علما مولانا محمد اسماعیل صاحب سے
پڑھتے رہے مولانا محمد اسماعیل صاحب بڑی عمر کو پہنچے تھے حضرت مولانا عبدالکریم صاحب
کورائی بھی آپ کے شاگرد تھے اور چھوٹے شاگردوں میں سے تھے مولانا اسماعیل صاحب
بڑی عمر کے تھے۔ مولانا عبدالکریم صاحب کورائی میرے استاذ چھوٹی عمر کے تھے۔ مولانا نظر محمد
صاحب بھنگری کے بڑی شاگرد مولانا قمر الدین صاحب انڈھڑ تھے جن کے شاگرد مولانا
عبدالوہاب صاحب بلوچستانی، مولانا میر محمد نورنگی اور مولانا دین محمد صاحب چانڈیو وغیرہ تھے
مولانا دین محمد صاحب وفائی مولانا خادم حسین جتوئی سے فلسفہ اور منطق پڑھتے رہے اس کے
بعد لاڑکانہ ضلع کے قریب آباد قریہ میں ایک مدرسہ تھا۔ جہاں سندھ کے قریب فقیہہ عالم
پڑھاتے تھے ان کا نام مولانا غلام عمر تھا۔ لاڑکانہ ضلع کے اکثر علما ان کے شاگرد تھے۔ مولانا
دین محمد وفائی صاحب مولانا محمد قاسم گڑھی یاسین والہ اور مولانا خادم حسین جتوئی سے تحصیل علوم

Marfat.com

کر کے آخری کتابوں کے لیے امام میں مولانا غلام عمر صاحب کے پاس آئے اور ان ہی سے باقی کتابیں پڑھیں اور فقہی تحریرات بھی آپ سے سیکھیں پڑھنے کے زمانے میں ایک شاگرد مولوی محمد قاسم مشوری اور دوسرے کئی شاگرد پڑھتے تھے مولانا دین محمد صاحب وفائی مولانا غلام عمر صاحب سے پڑھتے تھے اور باقی جملہ شاگرد خاص طور پر مولوی قاسم عمر صاحب مشوری مولانا دین محمد صاحب سے پڑھتے تھے۔ آخر میں مولانا دین محمد وفائی صاحب کی دستار بندی کی نوبت آئی اور دستار بندی کے لیے حسن اللہ صاحب پاٹائی، مولانا غلام عمر کے استاد تشریف لائے مولانا دین محمد صاحب وفائی نے مجھے خود بتایا کہ مخدوم حسن اللہ صاحب پاٹائی کے کہنے پر لکڑی سے سیٹ کو سکھائی گئی اور اس پر حروف لکھائے گئے اور مخدوم صاحب نے مولانا دین محمد وفائی صاحب سے کہا کہ ان حروف کو پڑھو اور یہ سمجھو کہ گویا اب نئے حروف پڑھ رہے ہو۔ یہ بات مولانا دین محمد وفائی نے مجھے بتائی اس کے بعد مولانا غلام عمر صاحب کے یہ ہونہار شاگرد فقہ کے شاگرد بنے اور فقہ میں ان کی جگہ لی۔ آگے چل کر یہ شاگرد سندھ میں بہت بڑے درجے والا شاگرد ثابت ہوا فقہ حنفی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جملہ فقہا کا نائب بنایا وہ ہر مذہب میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ مجھے آپ نے بتایا کہ ان کے استاذ مفتی غلام عمر صاحب نے آپ کو اس لیے پسند فرمایا اور یہ ان کا عنوان عقلمندانہ تھا اور فقیہانہ ہوتا تھا جس کو استاذ نے پسند فرمایا تھا۔ باقی حنفی مذہب خاص کے لیے مولانا محمد قاسم مشوری کو مقرر کیا تھا۔

مولانا غلام عمر صاحب کی وفات کے بعد لاڑکانہ ضلع میں علما کے جمع کرنے کا سوال پیش آیا۔ مولانا محمد صادق صاحب کراچی کو لاڑکانہ میں بلایا گیا۔ مولانا دین محمد صاحب وفائی کو بھی لاڑکانہ میں بلوایا گیا۔ اب یہ سوال پیش ہوا کہ مولانا محمد قاسم صاحب مشوری کو بلانے کے لیے کس عالم کو بلایا جائے میں نے علما کے سامنے جن میں مولانا محمد صادق کراچی والے بھی تھے یہ کہا کہ مولوی محمد قاسم صاحب مشوری کو بلانے کے لیے مولانا دین محمد وفائی کو بھیجا جائے کیوں کہ دین محمد وفائی، مولانا غلام عمر مرحوم کے جملہ شاگردوں کے مولانا دین محمد کے استاذ ہیں۔ آخر مولانا دین محمد صاحب وفائی کو بھیجا گیا اور وہ مولانا محمد قاسم مشوری کو لے آئے۔ جب یہ دونوں بزرگ لاڑکانہ آئے تو میں نے یہ دیکھا کہ مولانا دین محمد صاحب وفائی چارپائی پر بیٹھ گئے اور

Marfat.com

مولانا محمد قاسم مشوری کھڑے رہے جب مولانا وفائی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب مشوری کو بیٹھنے کے لیے کہا تب وہ بیٹھنے لگے اور بڑے ادب سے باتیں کرنے لگے اس طرح علما کا باہمی اتحاد ہوا۔

مولانا دین محمد صاحب وفائی میں یہ تبدیلی مختلف لوگوں سے ملاقاتوں میں ہوئی شاگردی تو ہمایونی اور شہداد کوٹی علما سے ہوئی اور اس دور کے اندر جو دوسرے مکاتبِ فکر تھے ان سے ملنے اور شرکت افکار میں خیالات کی تبدیلی ہوئی۔ پیر جھنڈا ایک بڑا علمی مرکز اُبھر کر سامنے آیا۔ دیوبند کے علما وہاں پہنچے اور حضرت پیر صاحب محمد ارشد کا عقیدہ فکر کی اشاعت ہوئی۔ پیر صاحب صالح شاہ رائے پور میں بھی مولانا وفائی صاحب کا قیام ہوا اس طرح سندھ کے مختلف بزرگوں سے تعلق پیدا کرنے میں مولانا وفائی صاحب کو بڑا دخل ہوا۔ پھر ملک کی آزادی والی تحریک میں مولانا محمد صادق صاحب کراچی کی معیت بھی بڑی مفید ثابت ہوئی اور سالہا سال سندھ خلافت اور جمعیت علما کی تحریکوں میں مولانا وفائی صاحب سیکریٹری رہے اس طرح سندھ میں آپ نے بڑی شہرت پائی۔ [الولی: اپریل ۱۹۹۱ء، ص ۷-۸]

Marfat.com

مولانا رشداللہ اور پیر جھنڈو کا کتب خانہ

پیر جھنڈو تحصیل ہالا ضلع حیدر آباد سندھ کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جہاں مدت سے ایک دینی مدرسہ دارالرشاد قائم تھا اور اس کے لیے ایک عظیم کتب خانہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ شروع شروع میں ۱۲۸۷ھ میں پیر رشید الدین بیعت والہ جو کہ راشدی خاندان کے موس اعلیٰ، پیر محمد راشد روضہ دھنی کے پوتے ہیں۔ پیر جھنڈو کی مسند خلافت پر بیٹھے اور آپ نے وہاں تحفیظ القرآن کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ آپ کی مجلس عالمانہ ہوتی تھی، کئی علما ہر وقت آپ کی علمی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ ان مجالس میں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم بھی کبھی کبھی امروٹ ضلع سکھر سے آکر شریک ہوتے تھے۔ ۱۳۱۷ھ میں حضرت پیر رشید الدین نے وفات فرمائی اور اُن کی مسند پر ان کے صاحب زادے مولانا پیر رشداللہ صاحب العلم رونق افروز ہوئے۔

مولانا پیر رشداللہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور مفسر تھے۔ آپ نے رجالِ طحاوی پر عربی میں ایک عالمانہ کتاب لکھی جس کو علمائے دیوبند نے دیوبند سے شائع کیا اور بڑے پایہ کی کتاب مانی جاتی ہے ۱۳۱۹ھ میں مولانا پیر رشد اللہ صاحب نے مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کی معیت میں مدرسہ عالیہ دارالرشاد کا سنگ بنیاد رکھا اور ساتھ ہی ایک علمی لائبریری بھی قائم کی گئی۔ یہ مدرسہ آگے چل کر سندھ میں دینی علوم کی عظیم درس گاہ ثابت ہوئی، جہاں برصغیر کے نامور علما مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت شیخ الہند اور دوسرے اکابر آتے رہے۔ اور کتب خانہ کے لیے کتابیں جمع ہونا شروع ہو گئیں، دُنیا کے عظیم کتب خانہ محمد ہاشم ٹھٹوی کی کتابیں بھی ٹھٹھہ سے لا کر اس میں جمع کی گئیں۔ ہاشم صاحب کا وہ کتب خانہ تھا جس کی زیارت کے لیے دور دراز کے اسلامی ممالک سے علما آتے تھے اور کتابوں سے مستفید ہوتے تھے۔ چند سالوں میں پیر جھنڈو کے کتب خانہ نے وہ شہرت

Marfat.com

حاصل کی کہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن والوں نے بھی کچھ کتابیں اس علمی لائبریری سے نقل کروائیں، اسی طرح دیوبند کے علما نے بھی چند علمی کتابوں کی نقلیں کروائیں یہ کتاب خانہ تقریباً پچیس ہزار کتابوں پر مشتمل ہو گیا۔ جس میں اکثر قلمی یعنی خطی کتابیں تھیں۔

مولانا رشد اللہ صاحب کا کتابوں سے لگاؤ کے متعلق یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے جدہ کے ایک کتب خانہ میں علامہ خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد کا ایک قلمی نسخہ دیکھا اس وقت تک یہ کتاب اشاعت پذیر نہ ہوئی تھی۔ آپ نے اس دور میں زرِ کثیر خرچ کر کے اس کتاب کی فوٹو نکلوائی، اور اس کو اپنے کتب خانہ میں رکھوایا۔ جب مصر والوں کو اس کا علم ہوا کہ اس کتاب کے ایسے بھی شائق ہیں تو انھوں نے اس کو چھاپنا شروع کیا اور چھاپنے کے بعد جدہ والوں سے پیر صاحب کا صحیح پتہ معلوم کر کے ان کی طرف تاریخ بغداد کا مطبوعہ نسخہ بطور ہدیہ اور تحفہ مفت بجھوا دیا۔ میں نے اس کتاب کی فوٹو بھی پیر جھنڈو لائبریری میں دیکھی ہے جو عریض اور چوڑے سیاہ کاغذ پر ہے۔

اس علمی کتب خانہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کتابیں جو دُنیا میں نایاب اور نادر تسلیم کی جاتی ہیں ان کے قلمی نسخے اس میں موجود ہیں مثلاً مؤطا امام مالک کی اوّلین شرح جو کہ ایک اندلسی عالم اور امام حافظ ابنِ عبدالبر نے التمہید کے نام سے کئی جلدوں میں لکھی تھی اور شرح حدیث میں اس پایہ کی کتاب کم ملے گی۔ مگر افسوس کہ یہ ضخیم کتاب مطبوعہ تو نہیں تھی مگر اس کا مخطوطہ بھی عنقا کی مانند تھا۔ اس کا صرف ایک نسخہ مورا کو میں تھا اور دوسرا پیر جھنڈو کی علمی لائبریری میں تھا اس نسخے کی میں نے بھی زیارت کی ہے۔ اب حال میں یہ کتاب مغرب اقصیٰ سے چھپنا شروع ہو گئی ہے۔ اسی طرح حدیث کے نادر متون اور شروح کا بھی بہت بڑا ذخیرہ اس علمی لائبریری میں موجود ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی علمی دُنیا میں حدیث کے حافظ الدھر مانے جاتے ہیں۔ ان کی ایک نادر تالیف اتحاف المھرۃ بأطراف العشرۃ کا خطی نسخہ بھی پیر جھنڈو کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس نسخہ کی خوبی یہ ہے کہ خود مصنف حافظ ابنِ حجر عسقلانی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہے، جو دُنیا میں کہیں ایسا نہ ملے گا۔ اسی طرح حافظ الدھر کی کتاب زوائد مسند البزار بھی اس

Marfat.com

کتب خانہ کی زیب ہے۔ علامہ خطیب بغدادی کی کتاب کتاب الفقیہ و المتفقہ کا بھی عمدہ خطی نسخہ اس میں پایا جاتا ہے۔

جس طرح حیدر آباد دکن والوں نے پیر جھنڈو کی علمی لائبریری سے چند نادر کتابوں کی نقلیں لیں تو اسی طرح مولانا پیر رشد اللہ صاحب مرحوم نے اپنے خاص مقربین سندھی علما کو حیدر آباد دکن بھجوا کر دائرۃ المعارف کے علمی کتب خانہ سے چند نادر کتابوں کی نقلیں کروائیں ان سے علامہ اشبیلی کی نادرِ روزگار کتاب الاحکام الکبریٰ خاص طور پر ذکر کے قابل ہے یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے اور خط متوسط ہے۔

اس علمی لائبریری کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ علمائے سندھ کی اکثر مؤلفات سندھی فارسی اور عربی پر مشتمل ہے۔ مثلاً علامہ امام ابوالحسن سندھی (وفات ۱۱۳۸ھ) علمی دُنیا میں بہت بڑے محدث مانے جاتے ہیں۔ صحاح ستہ پر آپ کے علمی حواشی ہیں جن میں سے اکثر مصر سے چھپ چکے ہیں۔ مگر کچھ ایسی بھی کتابیں ہیں جو طباعت میں نہ آئی ہیں اور وہ دُنیا کی دوسری لائبریریوں میں کم پائی جاتی ہیں۔ ایسی کتابیں بھی پیر جھنڈو کی علمی لائبریری میں موجود ہیں مثلاً سنن ابوداؤد کی شرح عربی وغیرہ عبداللہ نری والہ بارہویں صدی میں کچھ کا بڑا عالم گزرا ہے۔ جنھوں نے بیسیوں سندھی میں اسلام اور اخلاقیات پر کتابیں لکھی ہیں جو اکثر چھپ چکی ہیں، مگر ان میں سے ایک کتاب خزانہ اعظم سندھی جس کو اگر ہم اسلامیات اور اخلاقیات کی سندھی انسائیکلوپیڈیا کہیں تو بجا ہے وہ اب تک مکمل طور پر اشاعت میں نہ آئی۔ اس کتاب کا مکمل قلمی نسخہ بہترین سندھی خط میں فل اسکیپ سائز کے آٹھ ضخیم جلدوں میں پیر جھنڈو کی علمی لائبریری میں موجود ہے اسی طرح دوسرے بزرگان اور اعلامِ سندھ کی سندھی تالیفات بھی یہاں کافی مقدار میں پائی جاتی ہیں، خاص طور پر سندھ کے قدیم علما کی تالیفات اچھی حالت میں یہاں موجود ہیں۔

محمد ہاشم بارہویں صدی کے مجدد اور بڑے محدث اور فقیہ مانے جاتے ہیں، جن کے تلمذ کا سلسلہ عرب، عراق، شام، مصر اور دوسرے ممالک میں پایا جاتا ہے۔ ان کی عالمانہ تصنیفات بھی اکثر اس علمی لائبریری میں موجود ہیں جیسے بیاض ہاشمی حیات القاری

Marfat.com

باطراف البخاری، اتحاف الاکابر وغیرہ۔ اس طرح محمد عابد سندھی کی بھی اکثر مؤلفات اس علمی لائبریری کی زینت ہیں مثلاً علمی دُنیا کی شرح حدیث میں مشہور کتاب المواہب اللطیفہ شرح الامام ابی حنیفہ دو جلدوں میں۔ اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہے اور دُنیا میں ایسا کہیں نہیں پایا جاتا۔ اس کتاب کو حنفی علما نے حافظ ابنِ حجر کی شرح بخاری فتح الباری کے ٹکر کی کتاب شمار کیا ہے۔ ایک دوسری اسی عالم کی تصنیف بلوغ المرام کی شرح ہے۔ جس کا ترکی کے سابق شیخ الاسلام علامہ کوثری نے بھی ذکر کیا ہے اس کا بہترین قلمی نسخہ اس لائبریری میں مَیں نے تیس سال پہلے مولانا دین محمد وفائی کی معیت میں دیکھا تھا، اب معلوم نہیں کہ یہ نایاب گوہر موجود ہے یا بے قدری کا شکار ہو کر تلف ہو گیا۔ جناب محمد عابد کی ایک دوسری مشہور عالم کتاب حصر الشارد جو علم ثبت میں ہے اور اساتذہ کے اسما پر مشتمل ہے اور طباعت میں نہیں آئی اس کا بھی خوش خط نادر نسخہ اس علمی کتب خانہ میں موجود ہے، اسی طرح سندھ کے دوسرے قدیم محدث قاضی محمد اکرم نصر پوری سندھی کی نایاب زمانہ کتاب امعان النظر کے دو نسخے اس لائبریری میں موجود ہیں اور اس کا ایک ناقص نسخہ ازہر کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔ یہ کتاب وزیر اعظم پاکستان اور مرکزی تعلیم کی امداد سے شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے میری تحقیق کے ساتھ زیر طبع ہے۔ [الولی: اپریل ۱۹۷۸ء، ص ۴۵-۴۸]

❀……❀❀……❀

Marfat.com

مولوی رفیق نذیر حسین جتوئی

اس سال ہمارے دو بزرگ دوست ہم سے جدا ہو کر شہر خموستاں میں جا پہنچے۔ ان میں ایک تھے خان محمد امین کھوسو جن کے متعلق الولی میں لکھا جا چکا ہے اور دوسرے بزرگ ہیں مولوی رفیق نذیر حسین جتوئی جلالی [۳۱ر جولائی ۱۹۰۳ء-۱۹۷۴ء] جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ موصوف ضلع لاڑکانہ کے مشہور قوم پرست لیڈر اور کسانوں کے زعیم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار مولانا خادم حسین صاحب سے پائی جو کہ سندھ کے استاذ العلما تسلیم کیے جاتے تھے اور فلسفہ و معقول میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے خاص تلمیذ مولانا محمد اسماعیل ابڑائی سندھی سے تعلیم پائی تھی، اسی طرح مولانا محمد اسماعیل سندھی کے خاص شاگرد مولانا نظر محمد صاحب بھنگہ ریاست بہاولپور سے بھی تین برس مسلسل تعلیم پائی۔ مولوی نذیر حسین مرحوم کی تربیت، علمی ماحول میں ہوئی، مرحوم بڑے ذہین تھے۔ باقی تعلیم مولانا اُمید علی صاحب سندھی تلمیذ حضرت شیخ الہند اور مولانا میر محمد صاحب نورنگی سندھی سے پائی تھی۔ جوانی میں اہل اسلام کے بڑے مناظر بھی رہے۔ باطل فرقوں سے مناظرے کیا کرتے تھے اور شعر گوئی میں بھی ان کو بڑا کمال حاصل تھا۔ عربی، فارسی اور سندھی میں بڑی روانی سے اشعار کہتے تھے۔ مرحوم اگر اپنی آبائی گدی کو سنبھالتے تو بڑے پیرو مرشد مانے جاتے لیکن ان کو وطن اور قوم کی خدمت کے جذبہ نے جمودی زندگی سے ہٹا کر انقلابی بننے پر مجبور کیا اور ہاری تحریک کے سرگرم لیڈر بن گئے۔ انگریزوں کے دور میں اور اس کے بعد بھی مرحوم کئی بار جیل و بند کی تاریکیوں میں کئی سال تک بند رہے لیکن اپنے انقلابی فکر سے باز نہ آئے۔ وقت کی حکومتوں سے ہمیشہ عوام کے حقوق کے سلسلہ میں ان کی ٹکر رہی۔ انقلابی تحریک اور انقلابیوں کی صحبت میں کچھ ایسے آگے بڑھ گئے کہ مابعد الطبیعیات کے نظریوں سے بھی کچھ وقت کے لیے منکر ہو گئے کیوں کہ مرحوم اتنے

Marfat.com

بے باک تھے کہ ان کو منافقت اور مصلحت کوشی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ جس چیز کو حق سمجھتے تھے، اس کو برملا کہتے تھے۔ رفیق نذیر حسین کی یہ خوش قسمتی تھی کہ ان کی استاذ علامہ عبیداللہ سندھی سے ملاقات ہوئی اور ایک ہی نظر میں ایک حق گو انقلابی امام کی برکت سے پھر صحیح عقیدہ کی طرف لوٹ آئے۔ مرحوم کی موت کا سانحہ پورے ملک اور قوم کے لیے بڑا غمناک سانحہ ہے۔ ہم اس سانحہ میں مرحوم کے صاحبزادوں اور اعزہ واقارب سے برابر کے شریک ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ خدائے قدوس مرحوم کو اپنی رحمت کے جوار میں جگہ دے اور اُن کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: اپریل ۱۹۷۴ء، ص۳]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

ابوالہذیل امام زفر عنبری بصری

نسب اور ولادت

امام، مجتہد مطلق، امام ابوحنیفہ کے جملہ شاگردوں سے مقدم کا اسم گرامی ابوالہذیل زفر عنبری بصری ابنِ ہذیل بن (زفر بن ہذیل بن) قیس بن سلیم بن مکمل بن قیس بن ذہل بن ذوئیب بن جذیمہ بن عمرو بن جحور بن عنبر بن جندب بن عنبر بن عمرو بن تمیم بن مر بن اُد بن طابخہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔ اسی طرح ابنِ خلکان نے اپنی تالیف وفیات الاعیان میں واقدی کی متابعت میں آپ کا نسب بیان کیا ہے۔ اس الفاظ کے سوا جن کو دو قوسوں کے درمیان لایا گیا ہے اس کا مدار ابوبکر دولابی کی روایت پر ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

ابونعیم اصفہانی نے تاریخ اصفہان میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے کچھ مخالف ہے۔

ابوالشیخ نے (طبقات المحدثین باصفہان) میں امام زفر کا جو ترجمہ لکھا ہے وہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے۔ ابونعیم نے بھی تاریخِ اصفہان میں ذکر کیا ہے وہ لندن میں چھپ گیا ہے۔

امام زفر بن ہذیل اصفہان میں ۱۱۰ھ میں اپنے والد کے عہد میں پیدا ہوا اور آپ کی وفات بصرہ میں ۱۵۸ھ ماہِ رمضان میں ہوئی، جیسا کہ ابنِ خلکان نے کہا ہے۔ اس طرح آپ کی وفات منصور عباسی سے چار ماہ پہلے ہوئی، کیونکہ وہ اسی سال ۷ر ذی الحجہ میں فوت ہوئے۔ یعقوب بن شیبہ نے جو یہ کہا ہے کہ امام زفر کی وفات مہدی بن منصور عباسی کے عہد میں ہوئی، وہ بات ان کی شاذ اور مشہور کے خلاف ہوئی۔ ابنِ شیبہ کے جو تابع ہوئے وہ ہوئے لیکن جمہور کی رائے پہلی روایت کے موافق ہے۔

صیمری نے یعقوب بن شیبہ سدوسی کی روایت سے لکھا ہے کہ اس نے کہا زفر بن ہذیل عنبری ان میں سے ہے اس کی کنیت ابا الہذیل ہے، وہ حدیث کے راوی تھے اور رائے میں بھی

Marfat.com

نظر کی۔ پھر رائے اس پر غالب آ گئی اور صاحب الرائے کہلائے اور اس کی طرف منسوب ہوئے، بصرہ میں وفات پائی اور خالد بن حارث اور عبدالواحد بن زیاد کی طرف وصیت کی اور آپ کا باپ ہذیل حاکم تھا۔ اور مرنے کے وقت بھی وہ اصفہان کا حاکم تھا اور اس کا بھائی صباح بن ہذیل صدقہ بنی تمیم پر تھا اور زفر، خالد بن حارث کی بہن کے شوہر تھے اور مہدی کی خلافت کے اوائلی دور میں وفات پائی۔ ۱۵۸ھ میں خلافت مہدی کا اوّل ذی الحجہ کا آدھا ہے اس کے والد ابوجعفر منصور کی وفات کے بعد جو مکہ میں سات تاریخ ذی الحجہ کو ہوئی۔ تب زفر کی وفات مہدی کی اوّل خلافت میں نہ ہوئی جب کہ اس کی وفات اس سال کے شعبان میں ہوئی۔ اس رسالے کے آخر میں ہم آپ کی وفات کے بارے میں بحث کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابنِ ابی العوام کہتا ہے کہ مجھے محمد بن احمد بن حماد نے زکریا بن خلاد ساجی سے روایت کی ہے کہ حدیث کی ہم کو اصمعی نے کہا داؤد بن یزید بن مہلب نے اپنے باپ سے کہ:

امام زفر بن ہذیل یزید بن مہلب کے پاس آئے اور وہ حجاج کی قید میں تھے تب اس بیٹے مخلد سے کہا: کیا تو مجھے اپنے باپ سے اندر جانے کی اجازت مانگتا ہے؟ اس نے اجازت مانگی اور یہ وہاں داخل ہوئے اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمُ الْاَمِیْرُ! تیرا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ تجھ پر کسی دوسرے کی مدد مانگی جائے یا تجھ سے مدد مانگی جائے اور تو نے پچاس بوجھ اُٹھانے والوں کا بوجھ اُٹھایا ہے بس تیرا قصد کر کے آیا ہوں اس نے کہا: میں نے آپ کے لیے اسی کی سفارش کی ہے اور اس جیسے اور بار کی بھی سفارش کی ہے۔ زفر نے کہا کہ بخدا میں اس کو قبول نہیں کروں گا، یزید نے کہا کیوں؟ کہا: میں نے تیرے لیے اپنی عزت سے زیادہ خرچ کیا ہے اس سے جو تو نے اپنے مال سے خرچ کیا ہے۔

ابنِ ابی العوام نے کہا: کہا ابوبشر (دولابی نے) زفر بن ہذیل یہ امام ابوحنیفہ کے ساتھی زفر بن ہذیل فقیہ کا دادا ہے۔ مہالبہ، بنواُمیہ کے دور میں ایسے تھے جیسے برامکہ عباسی حکومت کے دور میں جود وسخا اور بلند مرتبہ میں۔ یزید بن مہلب کا حال جود وسخا میں تاریخ ابنِ خلکان اور تاریخ ابنِ کثیر وغیرہ میں دیکھنا چاہیے۔ حجاج اور اس یزید بن مہلب کے درمیان نہایت بدگمانی تھی۔ یہاں تک کہ حجاج نے اس کو جیل میں رکھا اگرچہ عبدالملک اس سے راضی نہ تھے۔

Marfat.com

یزید بن مہلب جیل میں بھی اس طرح جود وسخا کرتے رہے۔ اس کا جواد لوگوں میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ زفر کا اس بدلے کو قبول نہ کرنا۔ اس کی نہایت جوانمردی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی کہ اُنھوں نے ابنِ مہلب کی جوانمردی کو دیکھا۔ یعقوب بن شیبہ کے بیان ذکر کردہ میں خالد بن حارث بنی العنبر میں سے تھے اور ثقہ حفاظ میں سے تھے۔ ابونعیم اصفہانی تاریخ اصفہان میں کہتا ہے:

> ''زفر کے والد ہذیل یزید بن ولید بن عبدالملک کی خلافت کے دور میں اصفہان میں تھے اور بزامان قریہ میں رہتے تھے اور اس کے تین بیٹے تھے: کوثر، ہرثمہ اور زفراہ، ابونعیم نے ان کے بھائیوں کا بالاستیفا بیان نہیں کیا جیسا کہ آپ نے دیکھا۔ یعقوب بن شیبہ کے کلام میں صباح بن ہذیل کا زفر کے بھائیوں میں شمار (ہونا بیان) ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم''

زفر کا امام ابوحنیفہ سے اتصال

صیمری نے کہا: خبر کی ہم کو عبداللہ بن محمد اسدی نے کہ خبر کی ہم کو ابوبکر دامغامی فقیہ نے، کہا خبر کی ہم کو طحاوی نے، کہا خبر کی ہم کو محمد بن عبداللہ بن ابی ثور نے، کہا خبر کی ہم کو محمد بن وہب نے کہا:

> ''زفر کا امام ابوحنیفہ کی طرف انتقال کا یہ سبب تھا کہ وہ شروع میں اصحاب الحدیث میں سے تھے کہ ان کے اور اُن کے ساتھیوں کے پاس ایک مسئلہ آیا، جس کے جواب سے سب عاجز آ گئے تب امام ابوحنیفہ کے پاس آیا اور اس مسئلے کے متعلق ان سے سوال کیا۔ جس کا اُنھوں نے جواب دیا، تب زفر نے ان سے کہا کہ یہ کہاں سے کہا؟ امام صاحب نے کہاں کہ فلاں حدیث کی وجہ سے اور قیاس بھی اسی کا موید ہے۔ پھر امام صاحب نے ان سے کہا کہ اگر یہ مسئلہ اس طرح ہو تو اس کا کیا جواب ہوگا؟ تو زفر نے کہا کہ: جس طرح پہلے مسئلہ کے اندر میں عاجز تھا اسی طرح اس میں مزید عاجز ہو گیا تب امام صاحب فرمایا کہ اس کا یہ جواب ہے، پھر مجھے دوسرا مسئلہ پیش کیا اور اس کا بھی جواب دیا

Marfat.com

اور وجہ بیان فرمائی۔ امام زفر کہتا ہے کہ پھر میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور اُن سے ان مسائل کے متعلق سوال کیا وہ مجھ سے زیادہ بے خبر تھے۔ پھر میں نے ان کو جوابات بتائے اور اُن کی علل بھی بیان کی۔ اُنھوں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے لائے؟ میں نے کہا امام ابوحنیفہ سے۔ ان مسائل کی وجہ سے میں حلقہ کا مخصوص آدمی بن گیا اور امام ابوحنیفہ کی طرف چلا گیا اور اُن دس اکابر کا ایک ہوا۔ جنھوں نے امام ابوحنیفہ سے مل کر کتابیں تدوین کیں۔ ابن فضل اللہ عمری نے مسالك الابصار میں اس خبر کو بعینہ طریق، طحاوی سے نقل کیا ہے۔''

امام زفر کے متعلق اہلِ علم کے اقوال

صیمری نے کہا: ہم کو خبر کی ابوعبداللہ مرزبانی نے، اس نے کہا: ہم کو حدیث کی احمد بن محمد مکی نے، اس نے کہا: ہم کو حدیث کی ابن ابی خیثمہ نے ابوالحسن مدامتی سے، اس نے کہا: امام زفر بن ہذیل، امام ابوحنیفہ کے مصاحب (تلمیذ) عنبری تھے اور یہ بھی اس نے کہا: ہم کو مرزبانی نے خبر کی، اس نے کہا: ہم کو حدیث کی حسن بن محمد مغری نے، اس نے کہا: ہم کو حدیث کی محمد بن عثمان بن ابوشیبہ نے، اس نے کہا: میں نے اپنے باپ اور چچا سے امام زفر بن ہذیل کے متعلق پوچھا۔ دونوں نے کہا: امام زفر اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ میرے باپ نے کہا کہ: ابونعیم یعنی فضل بن دکین، امام زفر کا مرتبہ بلند کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ وہ نبیل اور فقیہ تھے۔

صیمری نے کہا: اور حدیث کی ہم کو ابوالحسن علی بن حسن رازی نے کہا، حدیث کی ہم کو ابوعبداللہ زعفرانی ''واسط'' کے رہنے والے نے، کہا: حدیث کی ہم کو احمد بن ابی خیثمہ نے، کہا: حدیث کی ہم کو سلیمان بن ابی شیخ نے، کہا حدیث کی ہم کو عمرو بن سلیمان عطار نے، کہا: میں کوفہ میں تھا اور امام ابوحنیفہ کی مجلس میں جاتا تھا اور امام زفر نے شادی کی اور امام ابوحنیفہ اس میں حاضر ہوا۔ زفر نے ان سے کہا کہ آپ کچھ بولیں۔ تو امام ابوحنیفہ نے خطبہ دیا اور اپنے خطبہ میں یہ فرمایا:

''یہ زفر بن ہذیل ہے اور وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہے اور اپنے مرتبہ، شرف اور علم میں دین کے اعلام میں سے ایک علم ہے۔ تو

Marfat.com

اس کی قوم کے بعض لوگوں نے کہا کہ ہمیں یہ اچھا نہیں لگتا۔ اگر امام ابوحنیفہ کے سوا کوئی خطبہ دیتا اور اس کی صفات اور مدح بیان کرتا۔ امام زفر کی قوم کے بعض لوگوں نے اس کو اچھا نہ سمجھا اور امام زفر سے کہا کہ تمھارے چچازاد بھائی اور تیری قوم کے اشراف موجود ہیں۔ پھر بھی تم ابوحنیفہ سے خطبہ پڑھنے کا سوال کرتے ہو، امام زفر نے جواب میں کہا کہ: اگر میرے باپ بھی حاضر ہوتے، تو میں امام ابوحنیفہ کو اس سے آگے کرتا، امام زفر کے علمی مرتبہ کو معلوم کرنے کے لیے امام ابوحنیفہ کا یہ قول کافی ہے۔''

صیمری نے کہا کہ: حدیث کی ہم کو ابوالحسن عباس بن احمد بن فضل ہاشمی نے، اس نے کہا حدیث کی ہم کو محمد مکی نے، اس نے کہا: حدیث کی ہم کو علی بن محمد نخعی نے، کہا: حدیث کی ہم کو ابراہیم بن اسحاق نے، اس نے کہا: حدیث کی ہم کو علی بن مدرک نے حسن بن زیاد سے، اس نے کہا: زفر اور داؤد طائی دونوں ایک دوسرے کے دوست اور بھائی تھے۔ لیکن داؤد طائی نے فقہ کو چھوڑ دیا اور عبادت میں لگ گئے، لیکن زفر نے فقہ اور عبادت دونوں کو جمع کیا۔ پھر صیمری نے اپنی سند سے امام زفر کا بصرہ میں آنا اور داؤد طائی کی زیارت کرنے کا احوال بیان کیا ہے۔

صیمری نے علی بن محمد نخعی کی طریق سے محمد بن علی بن عفان سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس نے کہا: حدیث کی ہم کو ولید بن حماد نے حسن بن زیاد سے، اس نے کہا: میں نے کسی ایک کو امام زفر سے مناظرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر وہ اس پر غالب آتے تھے۔ اس نے کہا: امام زفر نے کہا: میں کسی ایک سے مناظرہ نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ کہے میں نے خطا کی، لیکن میں اس کے ساتھ مناظرہ کرتا رہتا ہوں یہاں تک کہ وہ پاگل ہو جائے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا علامت ہے؟ کہنے لگے کہ وہ ایسی باتیں کہے جو کسی نے نہ کہی ہوں۔

اور یہ بھی صیمری نے کہا: ہمیں خبر کی عمر بن ابراہیم مقری نے، اس نے کہا: حدیث کی ہم کو مکرم بن احمد نے، کہا: حدیث کی ہم کو احمد بن محمد نے، کہا: حدیث کی ہم کو ملیح بن وکیع نے، کہا: سنا میں نے اپنے باپ سے یہ کہتے ہوئے کہ: امام زفر سخت پرہیز گار، اچھے قیاس والے، تھوڑے لکھنے والے تھے، جو لکھتے تھے اس کو یاد کر لیتے تھے۔ اور اس نے کہا: خبر کی ہم کو عمر بن

Marfat.com

ابراہیم نے، کہا: حدیث کی ہم کو مکرم نے، کہا: حدیث کی ہم کو ابو حازم قاضی نے، کہا: حدیث کی ہم کو ابنِ ابی عمران نے، کہا: امام زفر کے شریف گھرانے میں سے تھے اور اُن کی ماں باندی تھی۔ اس وجہ سے ان کا چہرہ عجمیوں کے چہرے کے مشابہ تھا، اپنی ماں کی وجہ سے اور اس کی لسان، عرب کے لسان کے مشابہ تھی۔ پھر وہ حجاج بن ارطاۃ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور وہ کوفہ میں قضا کے والی تھے اور اس پر بذا (نامناسب گفتگو) غالب تھا اور نخع ان پر نسب میں عیب لگاتے تھے۔ پھر ایک دن زفر نے کلام کیا اور مجلس کو لیا (مجمع کو حسن کلام سے لوٹ لیا) اور حجاج کے دل کو بھر دیا تو اس نے زفر کی طرف التفات کرتے ہوئے کہا کہ: زبان تو زبان عربی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا چہرہ عربی چہرہ نہیں ہے۔ یہ سن کر امام زفر نے کہا کہ: میری قوم نے تو مجھے قبول کیا ہے۔ ابنِ ابی العوام کی ایک دوسری روایت ہے طحاوی سے، اس نے ابنِ ابی عمران سے کہ امام زفر اور امام ابو یوسف دونوں حجاج بن ارطاۃ کے ہاں گئے اور وہاں ایک مسئلہ چھیڑا تو حجاج نے امام زفر سے کہا کہ زبان تو عربی ہے، لیکن صورت کچھ اور پر دلالت کرتی ہے۔ تو امام زفر نے کہا کہ: میری قوم نے تو مجھ کو قبول کیا ہے اور وہ بنی تمیم میں سے عنبری تھے اور حجاج اس کے نسب پر عیب لگاتے تھے اور یہ بات اس پر ناگوار گزری اور اُنھوں نے اس کو خاموش کیا۔ پھر امام ابو یوسف نے ان سے مناظرہ کیا اور اس کو لاجواب کیا۔ تب حجاج نے اپنے دربان سے کہا کہ: یہ دونوں آج کے بعد میرے قریب نہ آئیں۔

ابنِ ابی العوام نے کہا: حدیث کی ہم کو ابو معمر محمد بن احمد بن خزیمۃ بصری نے کہا: حدیث کی ہم کو عباس بن محمد بن حاتم نے، کہا: سنا میں نے یحیٰی بن معین سے یہ کہتے ہوئے: زفر رائے کے صاحب، ثقہ اور مامون تھے۔ میں نے ابو نعیم فضل بن دکین سے سنا اور اُن کے سامنے امام زفر کا ذکر ہوا تو کہنے لگے کہ: وہ ثقہ اور مامون تھے اور اس کی شان کو بڑا بتا رہے تھے اور یہ جگہ جس میں جبان ہیں، ان کا گھر تھا۔ میں نے کہا: پھر کیسے بصرہ چلے گئے؟ کہا: میراث کی وجہ سے، جو ان کی وہاں تھی۔ پھر بصریوں نے ان کو ثبت کہا اور اُن سے حدیث کرنے لگے اور وہاں مقیم ہو گئے اور یہ بھی ابنِ العوام نے کہا: حدیث کی مجھ کو بشیر محمد بن احمد بن حماد (دولابی) نے، کہا: میں نے سنا عباس بن محمد بن دوری سے، اس نے کہا: سنا میں نے یحیٰی بن

Marfat.com

معین سے یہ کہتے ہوئے۔ پھر اس نے اس طرح ذکر کیا (جو گزر چکا) اور یہ الفاظ بڑھائے: یحییٰ بن معین نے کہا: میں نے ابونعیم سے سنا یہ کہتے ہوئے کہ: زفر بن ہذیل چنے ہوئے لوگوں میں سے تھے اور مجھے ابونعیم نے کوفہ میں زفر کی جگہ دکھائی جو جبانہ کندہ میں تھی حبان کے وسط میں، میں اور ابونعیم ان کی ثنا کرنے لگے۔

ابنِ ابی العوام کی طریق سے ابوبشر کی طرف، بروایت، یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل اس نے کہا کہ: حدیث کی مجھ کو محمد بن عبدالعزیز ابنِ ابی رزمہ نے۔ کہا: حدیث کی مجھ کو میرے باپ نے، اس نے کہا: کہ حدیث کی مجھ کو ابراہیم بن مغیرہ نے، کہا: کہ وکیع سے کہا گیا کہ: تم زفر کے پاس آتے جاتے ہو؟ اس نے جواباً کہا: تو نے ہمیں امام ابوحنیفہ کے حق میں دھوکہ دیا، یہاں تک کہ وہ وفات پاگئے۔ اب تمھارا ارادہ ہے کہ زفر سے دور رکھنے کے لیے بھی تو ہمیں دھوکہ دیتے رہو یہاں تک کہ ہم ابواسیدؔ اور اور اس کے اصحاب کی طرف محتاج ہو جائیں۔

اسی طریق سے ابوبشر کی طرف، اس نے کہا: سنا میں نے محمد بن مقاتل سے، اس نے کہا: سنا میں نے ابونعیم فضل بن دکین سے، وہ کہتا تھا کہ: مجھے زفر بن ہذیل نے کہا کہ: تم میری طرف اپنی حدیث کو نکالو نا کہ میں اس کو تیرے لیے صاف کر کے دے دوں۔ امام ذہبی نے کہا کہ: امام زفر بن ہذیل عنبری فقہا اور زہاد میں سے ایک تھے اور وہ صدوق تھے، اس کو کئی لوگوں نے ثقہ کہا ہے اور ابنِ معین نے بھی۔

حافظ ابنِ حجر نے کہا: امام زفر کو ابنِ حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا: وہ متقن حافظ تھے اور اپنے دو ساتھیوں کے مسلک پر نہیں چلے اور وہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں زیادہ قیاس کرنے والے تھے اور اکثر حق کی طرف رجوع کرتے تھے۔ بصرہ میں ابوجعفر کی حکومت کے دور میں وفات پائی، ہمیں اس کی ایک حدیث ملی، جو کہ ابنِ ابی الہیثم کی حدیث میں عالی ہے۔ ابنِ حجر نے حبان کے کچھ کلمات کو حذف کر دیا ہے۔

حافظ ابنِ عبدالبر نے کہا امام زفر عقل، دین، فہم اور ورع والے تھے اور حدیث میں ثقہ تھے۔ حافظ ابنِ عبدالبر نے ان کا ترجمہ اپنی کتاب الانتقاء میں ذکر کیا ہے اس کے بعد بھی کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں کہ امام زفر کے حق میں کلام کرتے ہیں۔ اس کو ہم ایک خاص فصل

Marfat.com

میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، تاکہ سرکش اور عناد رکھنے والے لوگوں کے کلام میں عبرت پانے والی جگہوں کی نشاندہی کی جائے۔

امام زفر اور امام ابو یوسف کے درمیان موازنہ

ابن ابی العوام نے کہا کہ: مجھے حدیث کی محمد بن احمد بن حماد دولابی نے، کہا: کہ میں نے سنا محمد بن شجاع ثلجی ابوعبداللہ سے، اس نے کہا کہ: میں نے بعض بصرہ والوں سے سنا یہ کہتے ہوئے کہ:

''جب زفر بصرہ میں آئے، تو بصرہ کے لوگ ان سے ملے اور اُن سے سوالات کیے اور جوابات سن کر عجب میں پڑھ گئے اور یہ کہنے لگے کہ ہم نے امام زفر جیسا فقیہ میں نہیں دیکھا، وہ سب سے فائق ہے۔ پھر امام زفر کو جب یہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہا: اگر ابو یوسف کو دیکھتے تو کیا ہوتا؟''

طحاوی سے حدیث کی گئی ہے ابن ابی عمران سے، وہ محمد بن سلمہ بلخی سے، وہ شداد سے، کہا کہ میں نے امام زفر سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

''یعقوب یعنی امام ابو یوسف، جو بہ فقیہ آیا، اس سے افقہ (زیادہ فقیہ) ہے۔......''

ان اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ امام زفر نے ابو یوسف کو اپنے اُوپر فضیلت دی ہے۔ اللہ ان پاک نفوس پر رحم فرمائے۔ ان پر نفسانی خواہش کا کوئی غلبہ نہ تھا اور اُن کی علمی خدمت، اللہ کا اخلاص تھا۔ اللہ ان کے علوم میں برکت فرمائے۔ لوگوں کی تعریف نے ان کو دھوکہ نہ دیا، بلکہ اپنے نفسوں کو تہمت دینے کے مؤقف پر کھڑے رہے۔ اللہ ہم کو ان کے علوم سے نفع دے۔

امام زفر کی امام ابو یوسف پر فضیلت دینے کے متعلق مروی ہے، جس کو ابن ابی العوام نے طحاوی سے اس نے ابی خازم عبدالحمید قاضی سے کہ اس نے سنا بکر عمی سے یہ کہتے ہوئے کہ: میں نے سنا محمد بن سماعۃ سے محمد بن حسن سے روایت کرتے ہوئے کہ: میں امام زفر اور امام ابو یوسف کی مجلس میں حاضر تھا کہ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا۔ جب امام ابوحنیفہ سے روایت اور اخبار کی باری آئی تھی، تو امام ابو یوسف کثرۃ روایات میں امام زفر پر غلبہ پاتے تھے اور جب قیاس کا مرحلہ آتا تھا، تو امام زفر اُن پر غالب آتے تھے۔

Marfat.com

اور اس نے ابو بشر سے روایت کی، اس نے احمد بن قاسم سے، کہا: حدیث کی مجھ کو ابو حفص مروزی نے بشر بن یحیٰی سے، اس نے خالد بن صبیح سے، کہا: میں نے امام ابوحنیفہ کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں مجھے ان کی موت کی خبر ملی، پھر میں کوفہ کی مسجد میں داخل ہوا، تو کیا دیکھا کہ سب لوگ امام زفر کے پاس بیٹھے ہیں اور صرف دو یا تین امام ابو یوسف کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ شاید یہ شروع میں تھا۔ اس کے بعد امام ابو یوسف کا شان ان سے پڑھنے والوں کی کثرت کی وجہ سے بڑھ گیا، جس کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے، اس کو عطا فرمائے۔ اور اُن روایات میں سے جس کو ابن ابی العوام نے اپنی سند سے فضل بن دکین کی طرف نسبت کرتے ہیں، ذکر کیا ہے کہ: امام زفر ایک اسطوانہ کی طرف بیٹھے تھے اور امام ابو یوسف ان کے برابر بیٹھے تھے، امام زفر بڑی سفید ٹوپی پہنتے تھے، پھر دونوں فقہ میں ایک دوسرے سے مناظرہ کرتے تھے۔ امام زفر جید اللسان اور فصیح تھے اور امام ابو یوسف اپنے مناظرہ میں مضطرب ہوتے تھے۔ بسا اوقات میں نے امام زفر سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: امام ابو یوسف سے کہتے تھے کہ تم کہاں بھاگتے ہو؟ یہ کندہ (محلہ) کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، جس میں چاہو چلے جاؤ۔ کندہ کے دروازے کوفہ میں کنفہ کے قبائل کے دروازے ہیں، جو معروف ہیں۔ بعض نسخوں میں ابواب کندہ کی جگہ پر (ابواب کثیرہ) آیا ہے۔ دونوں میں معنی صحیح ہے۔ صیمری کے لفظوں میں اس کی سند سے محمد بن سماعۃ کی طرف یہ ہے کہ: امام زفر اسطوانہ کو تکیہ لگاتے تھے اور وہ تھے شخص مائل، کھڑے رہتے تھے۔ اپنی جگہ سے جدا نہیں ہوتے تھے اور امام ابو یوسف جب ان سے مناظرہ کرتے تھے تو تحرک زیادہ کرتے تھے، یہاں تک کہ امام زفر کے پاس آتے اور اُن کے سامنے یا قریب بیٹھ جاتے تب امام زفر اُن سے کہتے یہ کندہ کے دروازے ہیں اگر تو بھاگنا چاہے تو ان میں سے کسی ایک سے بھاگ جا۔!

وکیع سے مذکور ہے جس کا نص یہ ہے کہ: جب امام ابوحنیفہ فوت ہو گئے، تو لوگ امام زفر کے پاس آتے رہے اور امام ابو یوسف کے پاس صرف دو یا تین آدمی آتے تھے۔ جب امام زفر بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے تو گویا کوفہ کا فضا امام ابو یوسف کے حق میں خالی رخالص ہو گیا۔ ان روایات کے ہوتے ہوئے اور یہ کوئی تھوڑی روایتیں نہیں ہیں، پھر بھی دوسری روایات ایسی

Marfat.com

ہیں کہ امام ابو یوسف کی جانب کو ترجیح دیتی ہیں۔ ان میں سے یہ کہ امام ابو یوسف تعلیم میں امام زفر سے وسیع الصدر تھے اور یہ کہ جس کو خطیب نے حماد بن ابی حنیفہ کی طریق سے ذکر کیا ہے، اُنھوں نے کہا کہ: میں نے ایک دن امام ابوحنیفہ کو دیکھا، ان کے دائیں جانب ابو یوسف اور بائیں جانب زفر بیٹھے ہوئے تھے اور یہ دونوں ایک مسئلہ میں باہمی جھگڑ رہے تھے۔ پھر امام ابو یوسف کوئی بات نہیں کہتے تھے، مگر اس کو امام زفر فاسد کر دیتے، امام زفر کوئی مسئلہ بیان کرتے تو امام ابو یوسف اس کو ردّ کر دیتے۔ ظہر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب موذن نے اذان دی، تو امام ابوحنیفہ نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور زفر کی ران پر ہاتھ مار کر فرمانے لگے کہ: جس شہر میں ابو یوسف ہے، اس میں ریاست کی طلب مت کر اور کہا کہ: ابو یوسف کے لیے زفر پر فیصلہ دیا اور اسی معنی میں ہے جس کو خطیب نے اپنی سند سے عبدالرزاق بن ہمام سے، اس نے محمد بن عمارہ سے روایت کی کہ: اس نے کہا: میں نے امام ابو یوسف اور امام زفر کو ایک دن ایک مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے سامنے گھستے ہوئے دیکھا سورج کے طلوع ہونے سے ظہر کی اذان تک۔ پس جب ایک کے حق میں دوسرے کے مقابلہ میں فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا اُٹھ کر اسے کہتا کہ: آپ نے خطا کیا ہے۔ تیری کیا حجت ہے؟ پھر وہ اسے بتا دیتے یہاں تک کہ آخر میں یہ ہوا کہ زفر کے مقابلہ میں ابو یوسف کے حق میں فیصلہ دیا اور ابو یوسف اُٹھے تو امام ابوحنیفہ زفر کی ران پر ہاتھ مار کر فرمانے لگے: جس زمین پر یہ (ابو یوسف) ہے اس میں ریاست کی طلب مت کر!

استاذ کا مناظرہ میں شاگردوں کے سامنے اس طرح حاضر ہونا، پھر ان کے لیے خطا و صواب میں صراحۃً کہنا، یہ علمی مناظرہ میں عجیب تجربہ ہے اور اذہان کو تیز کرنے اور ملکات کو بڑھانے میں عجیب منہج ہے۔ بہرحال یہ دونوں مسابقت کے گھوڑے تھے۔ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ نے ایک دن فرمایا کہ:

> ''میرے ساتھی (شاگرد) ۳۶؍اشخاص ہیں ان میں ۲۸؍قضا کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ۶؍فتویٰ کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اُن میں سے دو قاضیوں اور اصحاب فتویٰ کو سکھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔''

اور ابو یوسف اور زفر کی طرف اشارہ کیا اس کو خطیب نے اپنی تاریخ میں اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

یہ امامِ اعظم کی طرف سے دونوں کے حق میں شہادت ہے کہ وہ دونوں اجتہاد کے اعلیٰ درجوں پر پہنچے ہیں، جب یہ حکم فرمایا اور اس (خطیب) نے اسماعیل بن حماد کی طریق سے چلایا (روایت کی کہ:) امام ابوحنیفہ کے دس شاگرد تھے: ابویوسف، زفر، اسد بن عمرو البجلی، عافیۃ الاودی، داؤد طائی، قاسم بن معن مسعودی، علی بن مسہر، یحییٰ بن زکریا ابنِ زائدہ، حبان اور مندل دونوں علی عنزی کے صاحب زادے اور اُن میں امام ابویوسف اور امام زفر جیسا کوئی نہ تھا۔ اور یہ دس امام ابوحنیفہ کے اکابر شاگردوں میں سے تھے، جنھوں نے آپ سے مل کر فقہ کی تدوین کی۔ جس طرح طحاوی سے صیمری کی روایت میں گزرا۔

اسی طرح بعض لوگوں کی زبان دراز ہوئی ہے امام یوسف کے حق میں، حالانکہ ان کی عدالت احکام پایہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے۔ ایک جماعت نے محمد بن عبداللہ انصاری سے روایت کی، اس نے کہا کہ: امام زفر کو قاضی ہونے پر مجبور کیا گیا، لیکن اس نے انکار کیا اور اس کا گھر گرایا گیا اور کچھ مدت تک وہ چھپ گئے، پھر نکلے اور پھر اپنی منزل کی اصلاح کی، لیکن پھر اس کو گرایا گیا اور پھر اس طرح چھپ گئے یہاں تک کہ قضا سے ان کو معاف کیا گیا۔ اللہ کی اس پر رحمت ہو۔

امام زفر کے بعض شیوخ اور اُن کے تلامذہ

امام زفر امامِ اعظم ابوحنیفہ سے پڑھ کر فقیہ ہوئے اور اُن کے ساتھ بیس برس مجلس کی۔ مناقب کردری میں ہے (۲-۱۰۴) امام زفر سے کہ میں بیس برس سے بھی زیادہ امام ابوحنیفہ کی مجلس میں بیٹھا۔ پھر میں نے اس جیسا کوئی زیادہ فصیح اور لوگوں پر زیادہ شفیق نہیں دیکھا اور وہ اپنے نفس کو اللہ کے لیے خرچ کرتے تھے۔ دن کا عام حصہ مسائل اور اُن کے حل اور نئے مسائل جو آپ کے پاس آتے تھے، ان کے حل میں مشغول رہتے تھے۔ جب مجلس سے اُٹھتے تھے تو کسی مریض کی طبع پرسی کرتے یا کسی جنازہ کے پیچھے جاتے یا کسی فقیر یا بھائی کی غمخواری کرتے یا کسی کی حاجت روائی کی کوشش کرتے۔ جب رات ہوتی تو تلاوتِ قرآن، عبادت اور نماز کے لیے اپنے کو وقف کرتے اور یہی آپ کا طریقہ رہا، یہاں تک کہ وفات فرمائی۔

Marfat.com

امام زفر کے بعض شیوخ اور تلامذہ

پھر اچھا ہے شیخ وہ شیخ اور اچھا ہے تلمیذ وہ تلمیذ۔ امام زفر نے حضرت امام ابوحنیفہ سے فقہ حاصل کیا اور اس کے ساتھ حدیث کی بھی اکثر ان سے روایت کرتے تھے۔

ابوسعد سمعانی نے اپنی کتاب انساب میں جسینی احمد بن بکر بن سیف کے تذکرہ کے ماتحت لکھا ہے: ثقہ ہے، وہ، ابودہب محمد بن مزاحم مرزوی سے، وہ زفر سے، وہ ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کی روایت کرتا ہے اور اکثر ان کے غیر سے روایت کی۔ حاکم نے (ص ۱۶۴) اپنی کتاب معرفة علوم الحدیث میں لکھا ہے کہ:

> ''زفر کے لیے حدیث میں دو نسخے ہیں ایک ابودہب کی روایت اور دوسری شداد بن حکیم کی روایت۔''

اور حدیث میں زفر کی مرویات ان کی اسانید سے کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔ جیسا کہ ابوشیخ کی تاریخ اصفہان اور ابونعیم کی تاریخ اصفہان میں اور خطیب کی تاریخ وغیرہ ہیں۔

حدیث میں امام زفر کے شیوخ میں سلیمان بن مہران الاعمش، یحییٰ بن سعید الانصاری، محمد بن اسحٰق صاحب المغازی، یحییٰ بن عبداللہ تیمی، اسماعیل بن ابی خالد، ایوب سختیانی، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن ابی عروبہ اور دوسرے شیوخ حدیث شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے اسما کے ذکر کرنے میں طوالت ہوتی ہے۔

امام زفر سے جن لوگوں نے روایت کی اور تلمذ حاصل کیا ان میں عبداللہ بن مبارک، شفیق بن ابراہیم، محمد بن حسن، وکیع بن جراح، سفیان بن عینیہ، ابوعلی عبیداللہ بن عبدالمجید البصری، البتی کے شاگردوں میں سے جو ان کی طرف منتقل ہوئے اور محمد بن عبداللہ الانصاری القاضی، جو حضرت انس بن مالک کی اولاد میں سے ہے اور ہلال بن یحییٰ جو کہ معروف ہیں۔ ہلال الرائی کے لقب سے، حکم بن ایوب، شداد بن حکیم، نعمان بن عبدالسلام، مالک بن فدیک، ابوعاصم النبیل الضحاک بن مخلد، الحسن بن زیاد اللولوی، ابووہب محمد بن مزاحم المروزی، ابونعیم الفضل بن دکین، بشر بن قاسم، سعید بن اوس، ابراہیم بن سلیمان، حسان بن ابراہیم، مسلم بن ابراہیم، اکثم یحییٰ کے والد، حسن بن ولید، محمد بن اعین، عبداللہ بن ابی رزمہ، محمد بن وہب، عمر

Marfat.com

بن زجاج، عبداللہ بن داؤد الخریبی، خالد بن حارث الحافظ عبداللہ بن زیاد اور علم کے حاملین جو کہ شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

امام طحاوی اور دولابی نے روایت کی۔ تحقیق ابوعاصم نبیل امام زفر کے پاس آتے جاتے تھے وہاں ایک دوسرا شخص جس کی کنیت ابوعاصم تھی سادہ لباس والے وہ بھی امام زفر کے پاس آتا جاتا تھا۔ پھر ابوعاصم ضحاک بن مخلد نے امام زفر سے آنے کی اجازت مانگی۔ امام زفر کی لونڈی باہر آئی اور کہا کہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ: میں ابوعاصم ہوں۔ پھر وہ اپنے مولانا کے پاس گئی اور کہا کہ ابوعاصم دروزہ پر کھڑا ہے۔ پوچھا ان دونوں میں وہ کون ہے؟ اس نے کہا: نبیل ہے۔ پھر مجھے اجازت مل گئی۔ میں اندر داخل ہوا تو مجھے امام زفر نے کہا ابا عاصم لونڈی نے تجھے وہ لقب دیا ہے جو کبھی تجھ سے جدا نہ ہوگا تجھے "نبیل" کا لقب دیا ہے، پھر یہ لقب میرے لیے لازم ہوگیا۔ ابنِ ابی العوام نے کہا: مجھے یہ حدیث کی محمد بن اشعث نے، کہا: سنا میں نے یزید بن سنان سے، کہتے تھے: سنا میں نے ابوعاصم سے اس کی برابر کہتے ہوئے۔ اھ۔

مناقب کردری میں ابنِ مبارک سے روایت ہے کہ: اس نے امام زفر سے سنا یہ کہتے ہوئے: جب تک ہمارے پاس اثر ہوگا، تو ہم رائے کو نہیں لیتے۔ جب اثر آتا ہے تو ہم رائے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یحییٰ بن اکثم کے والد سے روایت ہے کہ: میں نے وکیع کو دیکھا امام زفر کے پاس آتے جاتے ہوئے صبح کے اوقات میں اور امام ابویوسف کے پاس شام کے اوقات میں۔ پھر امام ابویوسف کو چھوڑ دیا، پھر سارا آنا جانا امام زفر کے پاس کر دیا، کیونکہ وہ زیادہ فارغ تھے اور وہ کہتے تھے (اللہ کے لیے تعریف ہے کہ: اس نے تجھ کو امام ابوحنیفہ کا خلیفہ بنایا، لیکن مجھ سے (امام ابوحنیفہ) کی حسرت نہیں جاتی) فضل بن دکین سے روایت ہے کہ: جب امام (ابوحنیفہ) وفات پاگئے، تو میں نے امام زفر کی صحبت اختیار کی، کیونکہ وہ امام صاحب کے تلامذہ میں سے زیادہ فقیہ اور زیادہ پرہیز گار تھے۔ حسین بن ولید کہتا ہے کہ: زفر امام صاحب کے تلامذہ میں سے زیادہ مضبوط اور باریک بین ہیں۔

امام زفر کے اقوال کا نمونہ اور مسائل کا جواب

ابنِ ابی العوام طحاوی سے، وہ محمد بن حسن بن مرواس، وہ ابوبکرۃ العطار سے، وہ

Marfat.com

ابو عاصم نبیل سے، اس نے کہا کہ: امام زفر بن ہذیل نے فرمایا:

"جو اپنے وقت سے پہلے بیٹھا، وہ ذلیل ہوا۔"

یعنی جس نے اپنے لیے علم کے نشر کے لیے خاص مجلس بنائی، اس سے پہلے کہ وہ علم میں کامل ہو، تو امتحانی شواہد اس کو رسوا بنائیں گے اور اس کا جہل مسائل کے اجوبہ میں خطاؤں سے کھل جائے گا اور کئی نئے لوگ ہیں، جن کو غرور لاحق ہوتا ہے، پھر وہ اپنے لیے اپنے استاذ سے بے پرواہی کا گمان کرتا ہے اور اپنے وقت سے پہلے علمی مجلس مستقل بناتا ہے، پھر وہ اپنے رشد (عقل) کی طرف لوٹتا ہے اور اپنے شیخ کی ملازمتِ اختیار کرتا ہے۔

اسی اسناد سے ابنِ مرواس کی طرف، اس نے زید بن اخزم سے اور وہ ابو عاصم سے، وہ امام زفر سے روایت کرتا ہے کہ:

"ایک شخص نے دوسرے شخص کو ایک لونڈی ہزار درہم کے مقابل اس شرط پر بیع کی کہ وہ تین دن کے درمیان پیسے نقد دے دے گا ورنہ دونوں کے درمیان بیع نہ ہوگی۔ امام زفر نے فرمایا کہ: یہ بیع فاسد ہے۔"

ابنِ ابی العوام نے طحاوی سے روایت کی، اس نے ابو العباس ایلی سے، اس نے زید بن اخزم سے، اس نے عبداللہ بن داؤد سے کہ: میں نے امام زفر بن ہذیل سے سوال کیا: روٹی کے قرض کے متعلق۔ اُنھوں نے کہا: وزن کے سوا جائز نہیں ہے۔

سیرتِ امام زفر

ابنِ ابی العوام، محمد بن عبداللہ بن سعید بصری سے، وہ اسحاق بن ابراہیم شہیدی سے، وہ یحییٰ بن یمان سے، وہ سفیان سے، وہ زفر سے، وہ قیس بن جبتر سے، اس نے کہا: بنو اُمیہ میں عمر بن عبدالعزیز کی مثال ایسی ہے، جیسے مومن آلِ فرعون کی اور ابنِ ابی العوام نے روایت کی طحاوی سے، اس نے ابراہیم بن مرزوق سے، اس نے محمد بن عبداللہ انصاری سے، اس نے اشعث الحمرانی سے، اس نے عبدالواحد بن صبو سے کہا: میں قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ بن عمر کے پاس تھا اور اُن کے ہاں ایاس بن معاویہ بھی تھا۔ پھر دونوں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: (تجھے طلاق ہے اگر) تو دونوں اس کے جواب سے قاصر رہے پھر دونوں نے کہا کہ: اے! ابو واثلہ: تم جواب دو۔ ایاس نے کہا: اس شخص کا خیال تھا کہ طلاق دے

Marfat.com

لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ انصاری نے کہا کہ: میں نے امام زفر سے اس کا ذکر کیا، تو اُنھوں نے کہا کہ: یا اس نے جواب میں خطا کی ہے۔ اصل میں اس شخص نے طلاق دے دی اور استثنا کرنے کا ارادہ کیا، لیکن استثنا نہ کیا۔ ابنِ ابی العوام نے ابوبکر محمد بن ہارون بن حسان برقی سے روایت کی، اس نے بکر بن قاسم سے، اس نے یحییٰ بن مغیرہ قرشی سے۔ اس نے سعید بن اوس سے، کہ کہ: میں نے امام زفر سے سنا ایک شخص کے متعلق کہ اس نے ایک رکعت کا سجدہ چھوڑ دیا، پھر سیدھا کھڑا ہوا گیا پہلے اس کے کہ فاتحہ شروع کرے، کہ ایسا شخص سجدہ میں جائے پھر اپنے نئے عمل کی طرف لوٹے۔ ابنِ ابی العوام نے طحاوی سے، اس نے بکار بن قتیبہ، سے اس نے ہلال بن یحییٰ سے، کہا کہ: میں نے امام یوسف سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا کہ اس کے پاس دو سو دراہم تھے اور اُن پر دو سال گذر گئے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ: پہلے سال میں پانچ دراہم ہیں اور دوسرے سال پر کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ امام زفر کہتا ہے کہا اس پر دراہم ہیں۔ پھر اس پر تیری حجت کیا ہے؟ فرمایا: میری اس پر حجت کیا ہوگی جو دو سو دراہم کو چار سو دراہم تصور کرتا ہے۔ بکار نے کہا کہ: (دو سال کے بجاء) ان دراہم پر چند سال گذر گئے۔

ابونعیم اصبہانی نے تاریخ اصفہان میں امام زفر کے ترجمہ میں کہا ہے کہ: اُنھوں نے رائے سے رجوع کیا اور عبادت کی طرف لوٹے لیکن یہ اس کا وہم ہے، کیونکہ جس نے رائے کو چھوڑ کر عبادت اختیار کی وہ اس کے دوست داؤد طائی تھے جیسا کہ گزرا۔ لیکن امام زفر کی شخصیت ایسی تھی جس نے فقہ اور عبادت دونوں کو جمع کیا اور رائے جو کتاب وسنت کی مد سے لی جائے، وہ ایسی نہیں ہے کہ اس سے رجوع کیا جائے۔ جس رائے کو چھوڑنا چاہیے وہ ایسی رائے ہے جس کا اعتماد نفسانی خواہش پر ہو، نہ کتاب اور سنت پر اور ہمارے اصحاب اس سے بری تھے۔ امام زفر نے فقیہہ ہو کر زندگی بسر کی۔ وہ رائے اور بیداری کو فہم میں استعمال کرتے تھے اور فقیہہ رائے اور فقہ میں بصیرت والے ہو کر وفات ہوئے اور وہ احکام کے دلائل میں رائے کو قابلِ توبہ نہیں سمجھتے تھے۔

اس پر دلیل وہ ہے جس کو ابنِ ابی العوام نے طحاوی سے، اس نے ابن ابی عمران سے، اس نے ابونعیم فضل بن دکین سے روایت کیا ہے کہ: میں امام زفر کے ہاں داخل ہوا اور وہ سکرات کی حالت میں تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ: اس عورت کے لیے ایک حالت میں مہر ہے اور دوسرے حالت میں مہر کا تیسرا حصہ ہے۔ کیا یہ وہ شخص ہو سکتا ہے، جس نے رائے سے رجوع کیا ہوا۔

احمد بن محمد بن سعید تمیمی نے چلایا عبدالرحمٰن بن مالک بن مغول سے، جیسا کہ میں نے

Marfat.com

دیکھا، حافظ برزالی کی تحریر سے: ایک شخص امام ابوحنیفہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے کل رات نبیذ پیا تھا اور مجھے نہیں معلوم کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ: عورت تیری بیوی ہے، جب تک تجھے یقین ہو جائے کہ تو نے اس کو طلاق دی ہے۔ پھر وہ شخص ثوری کے پاس آیا اور کہا: اے ابوعبداللہ! میں نے کل رات نبیذ پیا تھا اور مجھے معلوم نہیں ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں؟ سفیان نے کہا: جاؤ اس کو طلاق دے دو، پھر اس سے رجوع کرو! پس اگر تو نے واقعی طلاق دی بھی ہو گی تو مراجعت میں کیا نقصان ہے۔ پھر وہ شریک بن عبداللہ کے پاس آئے پس عرض کیا کہ: اے! ابوعبداللہ میں نے رات کو نبیذ پیا تھا اور مجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں؟ تو اس نے جواب میں فرمایا کہ: جاؤ اس کو طلاق دے دو۔ پھر اس سے رجوع کرو۔ اس کے بعد زفر بن ہذیل کے پاس آیا اور کہا: اے ابا ہذیل! میں نے کل رات نبیذ پیا اور مجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ: میرے سوا کسی دوسرے سے بھی سوال کیا ہے؟ کہا: ہاں! امام ابوحنیفہ سے۔ کہا: اس نے تجھے کیا کہا؟ کیا اس نے یہ کہا کہ: عورت تیری بیوی ہے جب تک تجھے یقین ہو کہ تو نے اسے طلاق دے دی ہے؟ امام زفر نے کہا صواب وہی ہے جو اُنھوں نے کہا۔ پھر پوچھا: اس کے سوا کسی دوسرے سے بھی یہ مسئلہ پوچھا ہے؟ کہا: ہاں۔ سفیان سے۔ امام زفر نے پوچھا: اس نے تجھے کیا کہا ہے؟ کہا: اس نے یہ کہا ہے کہ: جا اس کو طلاق دے دے پھر اس سے رجوع کر پھر اگر تو نے اس کو طلاق دی ہے تو اس سے رجوع کیا ہے اور اگر طلاق نہیں دی تو رجوع تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ کہا: یہ کتنا اچھا ہے۔ پھر اس سے کہا کہ: اس کے سوا کسی دوسرے سے بھی پوچھا ہے؟ کہا: ہاں شریک بن عبداللہ سے۔ پوچھا: اس نے کیا کہا؟ کہا: اس نے کہا کہ: جاؤ اس کو طلاق دے دو پھر اس سے رجوع کرو! کہا کہ: امام زفر یہ سن کر ہنسا اور فرمایا کہ میں تیرے لیے ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ ایک شخص کا ایک چھوٹی نہر سے گزر ہوا جس میں پانی بہہ رہا تھا اور وہ اس کے کپڑے کو لگا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ: تیرا کپڑا پاک ہے اور تیری نماز پوری ہے۔ جب تک تجھے پانی کے متعلق یقین نہ ہو جائے اور سفیان نے کہا کہ: اپنے کپڑے کو دھو ڈالو۔ اگر وہ نجس ہو گا تو پاک ہو جائے گا اور اگر پاک ہو گا تو مزید پاک ہو جائے گا اور شریک نے اسے کہا، جاؤ اس پر پیشاب کرو پھر اس کو دھوؤ۔ یہ آپ کی آرا اور اجوبہ کا نمونہ ہے۔

Marfat.com

کلامی مباحث کی تنگیوں میں خوض کرنے سے عوام کو امام زفر کا منع فرمانا

ابنِ ابی عوام نے دولابی سے، اُنھوں نے خبر کی محمد بن شجاع سے، اس نے حسن بن زیاد سے، کہا کہ: میں نے سنا امام زفر بن ہذیل سے، اور اس سے ایک شخص نے سوال کیا تھا۔ امام زفر نے فرمایا کہ: قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا قرآن مخلوق ہے؟ تو امام زفر نے اس سے فرمایا: اگر تجھے کسی ایسے مسئلہ میں فکر مشغول رکھے، جس میں میری اُمید ہے کہ اس کے جاننے سے اللہ مجھے نفع دے گا تو نے فکر کیا ہے، وہ تجھے نقصان پہنچائے گا۔ اللہ کے لیے وہ کام کر جس سے وہ تجھ سے راضی ہے۔ تو وہ مجھے اس سے دور رکھے جس میں تو نے فکر کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس میں تو اپنے نفس کو اس تکلیف میں مت ڈا جس کا تجھے مکلّف نہیں بنایا گیا۔

اسی سند سے حسن بن زیاد سے روایت ہے اس حال میں کہ اسے بغداد والوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ کیا زفر قیاس تھے؟ (قیاس کرتے تھے؟) تو یہ سن کر امام حسن نے اس سے کہا کہ: تیری قیاس سے کیا مراد ہے؟ یہ جاہلوں کا کلام ہے، وہ عالم تھے۔ تب اسی شخص نے پھر پوچھا کہ: کیا زفر کلام میں نظر کرتے تھے؟ تو امام حسن نے اسے کہا کہ: تو کتنا سخیف (بیوقوف) آدمی ہے! ہمارے اصحاب کے متعلق تو کہتا ہے کہ وہ کلام میں نظر کرتے تھے۔ وہ تو علم اور فقہ کے گھرانے تھے۔ جس کو عقل نہیں ہے اس کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے کلام میں نظر کی اور ہمارے ائمہ تو اللہ عزوجل کی حدود کو جانتے تھے، خدا کی قسم جس کو تو کلام سمجھتا ہے اس میں وہ نظر اور بحث نہیں کرتے تھے۔ ان کے ہاں علم فقہ کے سوا کسی غیر کی اہمیت نہ تھی اور وہ تو صرف اپنے اسلاف کی اقتدا کرتے تھے۔ اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ وہ عوام کو علم کلام کے دقیق مسائل میں خوض کرنے سے روکتے تھے۔ کیوں کہ اس میں یہ ڈر تھا کہ وہ لغزش کریں گے، ورنہ وہ علم اُصول دین کے ائمہ میں سے تھے۔ لوگوں نے ان سے اس کے مسائل میں مجادلہ کیا تو آپ نے بھی ان سے مباحثہ فرمایا۔ اس کے لیے وہ شہادت موجود ہے جو شیخ جمال الدین ابو یعلی احمد بن مسعود اصفہانی نے اپنے اسناد سے خالد بن زید عمری سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ: امام ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد، زفر اور حماد بن امام ابوحنیفہ ایسے لوگ تھے کہ علم کلام میں

Marfat.com

اُنھوں نے لوگوں سے مناظرہ کیا اور وہ علم کے ائمہ تھے۔ جس طرح فتاویٰ بزازیہ کے صاحب نے مناقب میں ذکر کیا ہے۔(۱-۳۸)

امام زفر کا اپنے شیخ امام ابوحنیفہ کے علم کو بصرہ میں نشر کرنا

ابنِ ابی العوام نے طحاوی سے روایت کی، اس نے ابوخازم قاضی سے، اس نے کہا کہ: میں نے سنا احمد بن عبدہ سے یہ کہتے تھے کہ: یوسف بن خالد سمتی امام ابوحنیفہ کی طرف سے بصرہ میں آیا تو وہ عثمان بتی کے پاس آتا تھا اور عثمان بصرہ کا رئیس اور فقیہہ تھا۔ یوسف ان کے شاگردوں کو مسائل بتاتا تھا اور اُن کو امام ابوحنیفہ کی ان سے مخالفت کا ذکر کرتا اس سے وہ اس کو مارتے اور امام ابوحنیفہ کو گالیاں دیتے، اسی طرح یہ معاملہ جاری رہا، تاکہ امام زفر بن ہذیل بصرہ میں تشریف لائے اور وہ سیاست میں یوسف بن خالد سے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ بھی بتی کے پاس آتے اور اُن کے مسائل کو سنتے جب امام زفر اس اصل پر وقوف پاتے جس پر مخالف اپنے فروع کی بنا رکھتے تھے اور جب بعض مسائل میں اصل کے ترک کرنے پر مطلع ہوتے، تو بتی سے مطالبہ کرتے۔ اس پر بتی کے تلامذہ بھی واقف اور شاہد ہوتے تھے اور امام زفر کو تحسین کہتے، تو امام زفر ان سے فرماتے کہ: اس باب میں اس اصل سے یہ بہتر ہے اور پھر اس کا ذکر فرماتے اور اُن پر حجت قائم کرتے اور اس پر دلائل پیش کرتے اور بتی سے اس کی طرف رجوع کا مطالبہ کرتے اور اس کے تلامذہ کو اس پر شاہد کرتے۔ پھر ان سے کہا کرتے کہ: یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حلقہ امام زفر کی طرف پھر گیا اور بتی اکیلا رہ گیا۔ یہ واقعہ امام زفر کی بصرہ کی طرف رحلت کا زمانہ ہے۔ اہلِ بصرہ کے امام عثمان بن مسلم بتی کی زندگی میں۔

لیکن امام زفر کی بصرہ کی طرف رحلت بتی اور امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد اور بصرہ میں قرار پکڑنا اس کے متعلق صیمری نے ابوالحسن عباس بن احمد بن فضل ہاشمی سے، اس نے احمد بن محمد مکی سے، اس نے علی بن محمد نخعی سے، اس نے ابوخازم قاضی سے، اس نے بکرعمی سے، اس نے بلال بن یحییٰ سے، کہا کہ: یوسف بن خالد سمتی بصرہ سے کوفہ کی طرف رحلت کی اور امام ابوحنیفہ سے فقہ پڑھا۔ پھر جب اس نے بصرہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا، تو امام ابوحنیفہ نے

Marfat.com

اس سے فرمایا کہ: جب تم بصرہ آجاؤ گے، تو تمھارا ایسی قوم سے واسطہ پڑے گا، جن کو پہلے سے ریاست حاصل ہے۔ تو کسی ستون کے پاس بیٹھنے میں جلدی مت کرنا اور کوئی حلقہ مت بنانا کہ تم کہتے رہو کہ: ''ابوحنیفہ نے یہ کہا اور ابوحنیفہ نے یہ کہا'' کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے، تو جلدی اُٹھائے جاؤ گے۔ اس نے کہا کہ یوسف نکلے اور اس کو ستون کے پاس بیٹھنا پسند آیا اور کہا کہ: ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے، تو لوگوں نے اس کو مسجد سے نکال دیا۔ تو پھر کسی نے ابوحنیفہ کا نام نہ لیا یہاں تک کہ امام زفر بصرہ میں آئے، تو پھر وہ ان شیوخ کے پاس بیٹھتے تھے، جن کو پہلے سے ریاست حاصل تھی۔ تو ان کے اقوال کے لیے ایسی حجت پیش کرتے جو اُن کے پاس بھی نہ ہوتی تھی۔ اس کو وہ پسند کرتے پھر امام زفر فرماتے کہ یہاں دوسرا قول بھی ہے جو اس سے بہتر ہے پھر اس قول کو ذکر کرتے اور اس کی حجت بیان کرتے اور کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ جب وہ قول ان کے دلوں میں بیٹھ جاتا، تو فرماتے: یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ پھر وہ لوگ کہتے کہ یہ حسن قول ہے اور قائل کی پرواہ نہ کرتے۔ اسی طرح امام زفر کا ان سے برتاؤ رہا، یہاں تک کہ ان کو امام ابوحنیفہ کے قول کی طرف لے آئے۔

کسی بھی عالم کی بڑی سیاست اس کے علم کی نشرواشاعت اور معاشرہ کا اس سے استفادہ کو محروم بنا دیتی ہے۔ اگر یوسف سمتی لوگوں کے معاشرہ اور اُن کی سیاست میں امام ابوحنیفہ کی وصایا کو لیتے، تو اس کو کوئی ایذا نہ پہنچتا۔ نہ ان کے دین پر کوئی طعنہ کیا جاتا اور نہ ہی بدعت فظیعہ سے اس کو منسوب کیا جاتا۔ یہ ان باتوں کے شرح کی جگہ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کی یوسف سمتی کو وصیت کتاب مناقب میں مدوّن ہے اور اس کی تحقیق۔ پروفیسر غیور مفضال شیخ ابراہیم مختار زیلعی جبرتی نے کی ہے جو سیّد مصطفیٰ بابی حلبی کی مطبع سے طبع ہو چکی ہے اور یہ برگزیدہ وصایا میں سے ہے اگر کوئی لوگوں میں ان کے معاشرہ اور سیاست کے مطابق ارشاد کے لیے کھڑا ہو جائے، تو اس وصیت سے اپنے ارشاد اور تعلیم میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ صیمری نے عبداللہ بن محمد اسری سے، اس نے ابوبکر دامغانی سے، اس نے طحاوی سے، اس نے ابوثور، اس نے سلیمان بن عمران سے، اس نے اسد سے روایت کی ہے کہ: امام زفر بصرہ میں آئے، پھر اس کی مسجد میں داخل ہوئے تو اس کے پاس اصحاب تابعین کا حلقہ جمع ہو گیا۔

Marfat.com

تحقیق میں امام زفر مجتہد مطلق کے درجہ کو پہنچے ہوئے تھے اگرچہ وہ امام ابوحنیفہ کی طرف انتساب کو محفوظ رکھتے تھے۔ جب معلوم ہو چکا کہ امام زفر ابو یوسف کے ساتھ اجتہاد میں ایسے تھے جیسے دو برابر کے شہسوار تو اس بات کی طرف التفات کے لیے کوئی وجہ نہیں رہتا کہ امام زفر کا مجتہدین فی المذہب میں شمار ہوتا ہے اور ہم نے کئی جگہ اس کو واضح کیا ہے۔ اس گمان میں وہ پڑا ہے جس نے امام زفر کی اپنے شیخ امام ابوحنیفہ کے اکثر اقوال میں موافقت پائی ہے، حالانکہ یہ موافقت امامِ اعظم کے اقوال کے ساتھ دلیلِ محکم کی معرفت پر مبنی ہے۔ یہ تقلید نہ تھی۔

ابنِ ابی العوام نے کہا کہ مجھے حدیث کی محمد بن احمد بن حماد نے اس نے کہا: میں نے سنا محمد بن شجاع سے، اس نے کہا: سنا میں نے ابو عاصم ضحاک بن مخلد سے کہتے ہوئے کہ: میں نے زفر سے سنا کہتے ہوئے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے کسی قول کی مخالفت نہیں کی مگر ایسے قول کی طرف جس کے قائل خود امام ابوحنیفہ ہو رہے ہوں اور حدیث کی ابنِ ابی العوام نے طحاوی سے، اس نے ابنِ ابی عمران سے کہ میں نے سنا سوار بن عبداللہ عنبری قاضی سے یعنی حفید سے کہتے ہوئے کہ: میں نے سنا ابو عاصم سے کہتے ہوئے کہ: کہا زفر بن ہذیل نے کہ: میرے یہ تمام اقوال مجھ سے پہلے امام ابوحنیفہ کے قول رہے ہیں پھر وہ چند اشیا پر واقف ہوئے، جن پر مجھے وقوف نہ ہوا پھر امام ابوحنیفہ نے اپنے کچھ پچھلے اقوال کی مخالفت کی اور میں ان پر ثابت رہا۔ کہا احمد بن ابو عمران نے کہ: میں نے اس سے انکار کیا (یعنی یہ بات نہیں مان رہا) پھر میں محمد بن شجاع کے پاس آیا۔ میں نے یہ بات ان سے کہی تو اس نے مجھ سے کہا کہ: اپنی جگہ بیٹھے رہو، پھر وہ اپنی منزل میں داخل ہوا اور نکلا اس حالت میں کہ ان کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ پھر اس کتاب سے اس نے مجھے یہی حکایت ابو عاصم کی روایت سے پڑھ کر سنائی جس طرح میں نے سنا تھا سوار عنبری سے۔ کردر یہ میں ہے کہ یحییٰ بن اکثم نے اپنے والد سے روایت کی، اس نے سنا امام زفر سے یہ کہتے ہوئے کہ میں انے امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد اس سے مخالفت کی جرأت نہ کی، کیوں کہ جب میں ان کی زندگی میں ان کی مخالفت کرتا اور میں دلیل کو ظاہر کرتا تو وہ فوراً حق ظاہر کے ساتھ مجھے الزام دیتے اور مجھ کو اپنے قول کی طرف لوٹا دیتے لیکن ان کی وفات کے بعد میں کیسے ان کی مخالفت کروں؟ اگر وہ زندہ ہوتے اور حجت پیش کرتے تو مجھے

Marfat.com

اپنے قول کی طرف لوٹا دیتے۔ یہ تقلید نہیں ہے بلکہ جس کے دلیل کا علم نہیں ہے اس سے سکوت ہے اور جس کے دلیل کا علم ہے تو اس کے۔ اور دلیل کی طرف اطمینان ہے۔ اس دلیل کے لیے فہم صحیح ہے اور یہ بعینہ اجتہاد ہے اور امام ابوحنیفہ اپنے شاگردوں کو تقلید سے روکتے تھے اور اُن کو اس کا حکم فرماتے تھے کہ ان کے پاس اگر دلائل ہیں تو ان کو لائیں۔ پھر ان میں مناقشہ کرتے تاکہ حق اپنے نصاب میں مقرر ہو جاتا اور امام صاحب کے ساتھیوں اور تلامذہ کا بڑا مقام تھا دلائل کے لانے اور مسائل کی تحقیق میں۔ بلکہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے کہ: کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ میرے قول پر دلیل جاننے کے سوا فتویٰ دے۔ اس کے باوجود امام زفر کی طرف سے اُصول اور فروع میں مخالفتیں ہیں، جو کہ قوم کی کتابوں میں جمع شدہ ہیں تو پھر امام زفر کا اپنے استاذ کے سامنے اَدب کرنا اور اس کی طرف انتساب کرنا اور اُن کے آداب کو لحاظ رکھنا یہ سب باتیں امام زفر کے اجتہاد مطلق میں مقام کو کم نہیں کرتیں باوجود اس کے کہ وہ قیاس میں تیز تھے اور دلائل میں ان کا حافظہ قوی تھا اور حدیث کو محفوظ رکھتے تھے جس طرح اس کا ابنِ حبان جیسے لوگوں نے اقرار کیا ہے اور زفر کی ورع سب کے پاس معروف ہے۔ اللہ ان سے اور اُن کے اساتذہ اور ساتھیوں سے راضی ہو۔

امام زفر کے سترہ مسائل ایسے ہیں جس پر مذہب میں نقاد مذہب کے ہاں فتویٰ دیا جاتا ہے اس میں سیّد احمد حموی کتاب الاشباہ و النظائر کے شارح نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام عقود الدرر فیما یفتی به فی المذهب من اقوال زفر رکھا ہے اور اس کی شیخ عبدالغنی نابلسی نے شرح لکھی ہے اور ابنِ عابدین شامی نے اس کی تلخیص کی ہے۔ مسائل میں امام زفر کے انفرادات نسفی کی منظومہ میں مدوّن ہیں اور ابوزید دبوسی نے تاسیس النظر میں ایک خاص فصل میں اُصول اور فروع میں مخالفات کی طرف اشارہ کیا ہے، جس طرح اس کے مخصوص آرا کی اُصول فقہ کی مفصل کتابوں میں اشارہ کیا گیا ہے، جس طرح اتقانی کی شامل اور زرکشی کی بحر اور شروح اُصول بزدوی میں خاص طور پر۔ [الولی: نومبر ۱۹۸۷، ص ۲-۴، جنوری ۱۹۸۸، ص ۲-۴، مارچ ۱۹۸۸، ص ۲-۴، مئی ۱۹۸۸، ص ۲-۴، جولائی ۱۹۸۸، ص ۲-۴، ستمبر ۱۹۸۸/ ۲-۴، نومبر ۱۹۸۸، ص ۲-۴، جنوری ۱۹۸۹، ص ۲-۴]

Marfat.com

مولانا شاہ محمد

گزشتہ ماہ جولائی ۱۹۷۹ء میں شمالی سندھ کے ایک جید اور نامور عالم مولانا شاہ محمد صاحب کا انتقال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مولانا شاہ محمد صاحب بٹھی تحصیل میرو خان ضلع لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں شروع سے فضلا اور اکابر علما کا مورد اور مسکن رہا ہے۔ مولانا علی محمد صاحب تیرہویں صدی کے اواخر اور چودہویں کے اوائل میں اس گاؤں کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں جو پیر گوٹھ راشدیہ خاندان میں کافی عرصہ تعلیم دیتے رہے مولانا شاہ محمد صاحب ان کے خاندان سے تھے۔ تمام تعلیم تفتازانی وقت علامہ عبدالکریم کورائی سندھی سے حاصل کی سالہا سال احقر راقم کے ساتھ مدرسہ دارالفیض کوہ سلیمان میں ان سے رفاقت رہی۔ کچھ کتابوں میں آگے چل کر ساتھ بھی پڑھتے رہے، حضرت علامہ استاذ کے ذہین اور ہوشیار شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کے ساتھیوں میں مولانا عبداللہ صاحب چانڈیو اور مولوی علی انور صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ ان کا ساتھ ہی پڑھنا ہوتا تھا۔

مولانا شاہ محمد مرحوم کے زبان میں لکنت تھی، لیکن اس کی تلافی مرحوم کی تحریر میں ہوتی تھی۔ بڑے ادیب اور محقق تھے۔ خانگی طور پر آپ نے انگریزی زبان پر عبور حاصل کیا تھا اور آپ کا خط انگریزی، سندھی، عربی اور اردو میں خطاطوں جیسا تھا۔ مرحوم کافی عرصہ عربی مدارس میں پڑھاتے رہے، آپ کے شاگردوں کا بہت بڑا حلقہ ہے۔ بعد میں شہداد کوٹ سندھ میں ہائی اسکول میں عربی اور اسلامیات پڑھاتے رہے اور ساتھ ہی عربی مدرسہ میں درس نظامی کی بھی تعلیم دیتے رہے۔ دو تین سال سے مولانا جان محمد صاحب عباسی آپ کو لاڑکانہ میں لے آئے۔ اور وہاں درس نظامی کے شاگردوں کو فیض دیتے رہے۔ اچانک آپ بیمار ہو گئے اور رحلت فرما گئے۔ اس طرح آپ کی رحلت سے جو علمی خلا پیدا ہوا ہے اس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا ناممکن نظر آرہا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ [الولی: اگست ۱۹۷۹ء، ص ۳-۴]

Marfat.com

شفیع احمد علوی

شکار پور سندھ کے مشہور ادیب، مؤرخ اور شاعر جناب شفیع احمد علوی طویل عرصہ سے دمہ اور داء الفیل کے مرض میں مبتلا رہ کر بالآخر دارِ فانی سے رحلت کر کے دارِ باقی میں جا پہنچے۔ موصوف سے بیس سال کی مدت سے احقر راقم کے ذاتی مراسم تھے، کراچی کے قیام کے زمانے میں مرحوم سے علمی اور اَدبی محفلیں ہوتی رہتی تھیں۔ عربی، فارسی اور سندھی تینوں زبانوں کے بڑے ادیب اور عالم تھے، فارسی اور سندھی زبان کے عظیم شاعر بھی تھے اور اوج تخلص تھا۔

مرحوم علوی، شکار پور سندھ کے مشہور علوی خاندان کے فرد تھے۔ اسی خاندان کے مؤسسِ اعلیٰ الحاج فقیر اللہ علوی شکار پوری، بارہ صدی ہجری کے نامور محدث اور بزرگ گزرے ہیں جنھوں نے جلال آباد سے ہجرت کر کے شکار پور سندھ کو رشد و ہدایت اور تعلیم کا مرکز بنایا۔ دُنیا کے نامور عالم محمد ہاشم ٹھٹوی سندھی کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے اور پھر مکہ مکرمہ جا کر مخدوم ٹھٹوی کے شیخ، مفتی عبدالقادر مکی سے بھی استفادہ کیا اور سندِ حدیث حاصل کی، طریقت میں حضرت مسعود پشاوری کے خلیفے تھے اور سندھ میں نقشبندیت کے پیر طریقت رہے، کئی علمی تصانیف بھی چھوڑیں جیسے قطب الارشاد، مکتوبات وغیرہ۔ اس خاندان کا بڑا علمی کتب خانہ بھی رہا ہے اور ہر دور میں بڑے بڑے علما اور اُدبا ہوتے رہے ہیں۔ شفیع احمد علوی مرحوم کے ہاں بھی قلمی کتابوں کا بڑا نادر ذخیرہ تھا، جن میں مسند امام احمد بن حنبل کے رجال پر مخدوم قائم سندھی ٹھٹوی کی نادرِ روزگار تالیف تھی جو ان کو سیّد مظفر حسین تاجر کتب حیدر آباد دکن سے ہاتھ آئی تھی۔ اب نہ معلوم کہ ان نایاب کتابوں کا کیا ہوا؟ اس جانکاہ سانحہ میں علوی مرحوم کے بڑے بھائی اور اُن کے بھانجے جناب امین اللہ علوی اور دوسرے اعزہ سے شریکِ غم ہیں اور پروفیسر امین اللہ سے یہ اُمید اور استدعا کی جاتی ہے کہ مرحوم کی کتابوں کو قبضے میں کر کے ایک فہرست بنائی جائے اور اس کی اشاعت کی جائے پھر ان میں سے نایاب کتابوں کو خود یا کسی علمی ادارے کے ذریعے اشاعت وطباعت کا انتظام کیا جائے۔ [الولی: جنوری ۱۹۷۳ء، ص ۳-۴]

Marfat.com

سیّد شیر محمد شاہ سندھی

ہمارے ایک محترم بزرگ مولانا الحاج سیّد شیر محمد شاہ سندھی، جن کا ولی اللّٰہی علوم سے بھی قریبی تعلق تھا ۸۵ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال فرماگئے۔ مرحوم علمِ فقہ تجوید اور تصوف کے بڑے عالم تھے، اور طریقت میں مولانا اشرف علی تھانوی کے ارشد خلفا میں سے تھے، لیکن آپ پر اور آپ کے بڑے بھائی مولانا الحاج سیّد فخر الدین شاہ پر وادیِ مہران کے مشہور صاحبِ طریقت بزرگ اور ولی اللّٰہی تحریک کے عظیم داعی مولانا تاج محمود امروٹی کی تربیت کا بڑا اثر تھا۔ مولانا امروٹی کے ارشاد سے دونوں بھائیوں نے مل کر مقام گھونکی میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا، جس کا فیض آج تک جاری و ساری ہے۔ مرحوم نے تقریباً سترہ سال سے اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی تھی، راقم الحروف نے دو سال قبل مدینہ منورہ میں آپ کی زیارت کی تھی اور آپ کی مجلس مرجع علما و فضلا رہتی تھی، پیرانہ سالی کے ہوتے ہوئے بھی اپنا کام خود کرتے تھے، ہم شاہ صاحب کے اہل خاندان سے دلی تعزیت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دست بدُعا ہیں کہ وہ انھیں، صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنی رحمتِ شاملہ سے نوازے۔ [الرحیم: مئی ۱۹۶۶ء، ص ۴]

Marfat.com

حکیم عالم بلوچ

لاڑکانہ سندھ کے مولوی حکیم محمد عالم صاحب بلوچ، حکیم صاحب استاذ العلما مولانا دین محمد صاحب مرحوم بھٹی سندھ کے بھتیجے تھے اور حضرت مولانا استاذ میر محمد صاحب نورنگی سندھی کے خاص شاگرد تھے۔ درسِ نظامی کی تحصیل کے بعد طبیہ کالج دہلی میں داخل ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب الحاج سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم نے سندھ کے طلبہ کے لیے دارالعلوم دیوبند اور طبیہ کالج دہلی میں داخلہ کے لیے وظائف مقرر کیے تھے اور حکیم صاحب کو بھی طبیہ کالج کے لیے وظیفہ ملا تھا۔ دہلی سے فراغت کے بعد لاڑکانہ میں مطب قائم کیا اور سالہا سال تک خلقِ خدا کی خدمت اور مطب کرتے رہے۔ مرحوم عوام کے بڑے ہمدرد اور خدمتِ خلق کے دلدادہ تھے۔ علمِ ورثہ میں آپ کو بڑا تبحر حاصل تھا۔ ہم اس سانحہ میں مرحوم کے صاحب زادے، بھائی اور دوسرے ورثہ کے ساتھ شریکِ غم ہیں اور دُعا ہے کہ [اللہ تعالیٰ] ان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرے اور مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے۔ [الولی: نومبر ۱۹۷۲ء، ص ۲۳۵-۲۳۶]

Marfat.com

خواجہ عبدالحئی فاروقی

[ایک] بزرگ جو ہمیں داغ مفارقت دے گئے، مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقی [۱۸۸۷ء-۸/جنوری ۱۹۶۵ء] ہیں۔ ۱۳۳۱ھ میں جب مولانا سندھی نے دہلی میں ادارہ نظارۃ المعارف قائم کیا تو اس کے اوّلین طالب علموں میں سے مولانا احمد علی صاحب کے ساتھ ساتھ مرحوم و مغفور بھی تھے۔ آپ کو پہلی جنگِ عظیم کے دوران سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر نظر بند رکھا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں جب علی گڑھ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس میں تفسیر القرآن کے پروفیسر مقرر ہوئے اور برصغیر کی تقسیم تک اس منصب پر فائز رہے اب کئی سالوں سے مرحوم اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ خواجہ صاحب مرحوم نے حضرت مولانا سندھی سے ان کی ہجرت سے قبل تفسیر القرآن پڑھی تھی جب آپ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تھے تو آپ نے مولانا سندھی کے ان افادات کو کتابی شکل میں مرتب فرمایا تھا۔ آپ کی یہ کتابیں اس زمانے میں بڑی مقبول ہوئی تھیں۔ مرحوم بڑے صاحبِ علم بزرگ اور مشفق استاذ تھے اور اُن کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ ہم خواجہ صاحب مرحوم و مغفور کے اہلِ خاندان سے دلی تعزیت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دست بدُعا ہیں کہ وہ انھیں صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنی مغفرتِ کاملہ سے سرفراز فرمائے اور علیین میں داخل کرے۔ آمین [الرحیم: فروری ۱۹۶۵ء، ص۴]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

خان عبدالصمد خان اچکزئی

خان عبدالصمد خان اچکزئی کے قتل کی خبر ملک میں جمہوریت پسند حلقوں میں بڑے غم اور غصے سے سنی گئی اور اس کو تشدد اور بدامنی کی بدترین مثال تصور کیا گیا، اس کو ملک میں جمہوریت کو پھلنے پھولنے میں ناکامیاب بنانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خان صاحب ملک کے ایک ایسے بہادر سپاہی تھے جنھوں نے اپنی ساری زندگی ملک آزاد کرانے اور سامراجیوں کو نکالنے میں صرف کی تھی اور عمر کا اکثر حصہ قیدِ فرنگ میں رہے۔ خان مرحوم اہنسا اور عدمِ تشدد کے عظیم رہبر تھے۔ افسوس کہ ان کو تشدد پسندوں کے ہاتھوں شہید ہونا پڑا۔ یہ ہماری جہالت اور بدتمیزی کی بدترین مثال ہے کہ ملک کو آزاد کرانے والے زعیم اور سپاہی کو اس طرح تشدد کا شکار ہونا پڑا، جب کہ اس دور میں ایسے عظیم سیاست دانوں کی ملک کو اشد ضرورت تھی۔

خان عبدالصمد خان مرحوم سے ہمارے پرانے تعلقات اور مراسم تھے۔ سالہا سال ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ مرحوم ایک عظیم کردار اور گفتار کے مالک تھے۔ پٹھان ہو کر بھی غم و غصہ تو ان کی طبیعت میں قطعاً نہیں تھا۔ گفتگو میں بڑے سنجیدہ اور متین تھے۔ مرحوم کی ساری زندگی وطن دوستی اور عوام کی خدمت میں گزری۔ اسی بنا پر آزادی سے پہلے آپ کو بلوچستان کے گاندھی سے یاد کیا جاتا تھا۔ ہم اس سانحہ میں خان مرحوم کے جملہ پسماندگان اور اولاد کے غم میں شریک ہیں اور دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں عوامی حکومت سے ہماری پرزور التجا ہے کہ خان مرحوم کے قاتلوں کا صحیح سراغ لگا کر ان کو اس بہیمانہ فعل کی ایسی سزا دی جائے کہ دوسرے شرپسند اور جمہوریت دشمن اس سے عبرت اور سبق حاصل کریں۔ [الولی: دسمبر ۱۹۷۳ء، ص ۴]

Marfat.com

عبدالعزیز باندوی

علمی دُنیا میں یہ خبر بڑی حسرت اور غم سے سنی جائے گی کہ حال ہی میں سندھ کے دو بڑے نامور عالم اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل اس فانی دُنیا سے انتقال فرما کر شہرِ خموش میں جا پہنچے۔ ان میں سے ایک تو ہیں علامہ خلیفہ عبدالعزیز باندوی اور دوسرے مولانا عبیداللہ ولی اللّٰہی۔ ماضی قریب میں لاڑکانہ، سندھ کا علمی اور سیاسی مرکز رہا ہے یہ دونوں بزرگ اسی ضلع سے تعلق رکھتے تھے۔

مولانا عبدالعزیز صاحب کی ولادت بھانڈہ تحصیل رتو دیرو ضلع لاڑکانہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم علامہ خادم حسین سے حاصل کی جو استاذ العلما مولانا نظر محمد صاحب بھنگوی کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کو علمی شغف اور تڑپ نے گھر کے قریب رہنے نہ دیا۔ اور وہ استاذ العلما علامہ عبدالکریم کورائی کی خدمت میں جا پہنچے۔ کورسلیمان ایک مختصر قصبہ ہے جو تحصیل قنبر ضلع لاڑکانہ سندھ میں واقع ہے، جہاں سندھ میں خلافت تحریک کے دوران مولانا سیّد پیر تراب علی شاہ راشدی کی تحریک اور استاذ العلماء مولانا میر محمد صاحب نورنگی کی تائید اور برکت سے ایک بڑی دینی درس گاہ قائم ہوئی تھی اور اس کی صدارت کے لیے حضرت علامہ عبدالکریم صاحب سندھی کو منتخب کیا گیا تھا۔ اور اس قریہ کی نسبت سے آپ علامہ کورائی مشہور ہو گئے۔ علامہ کورائی بیک وقت بہت بڑے مفسر، محدث، فقیہ اور متکلم تھے، علوم عقلیہ میں تو نادرِ روزگار تھے کیوں کہ صرف ایک واسطہ علامہ محمد اسماعیل ابڑائی سندھی سے ان کو مولانا فضل حق خیر آبادی سے تلمذ حاصل تھا۔ آپ کے درس سے جتنے بھی علما اور فضلا فارغ ہو کر نکلے وہ سب۔ اس خطہ میں دینی علوم کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کی خوش بختی تھی کہ شروع میں ان کو ایسے علامہ سے پڑھنے کا موقع مل گیا۔ کچھ وقت مرحوم نے میرو خان ضلع لاڑکانہ کی دینی درس گاہ میں حضرت مولانا خوش محمد صاحب کے ہاں تعلیم حاصل کی اور پھر پنجاب چلے گئے۔ غالباً ایک سال مولانا عبدالخالق صاحب نڑہالوی سے

Marfat.com

معقول کی کتابیں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے۔ تین سال متواتر دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے رہے اور دورۂ حدیث شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے پڑھا۔ علمی فراغت کے بعد وطن واپس آکر اپنے گاؤں بھانڈہ تحصیل رتو دیرو میں مدرسہ قائم کیا۔

مرحوم کو شروع سے دینی علوم سے زیادہ شوق رہا۔ اس لیے زیادہ تر حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ کچھ وقت سندھ کی دوسری درس گاہ مثلاً نصر پور، شاہ پور چاکر اور جونگل تحصیل شکار پور میں بھی پڑھاتے رہے۔ لیکن اخیر میں رتو دیرو ضلع لاڑکانہ میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا، جہاں آپ کے سوا اور بھی نامور عالم پڑھاتے تھے۔ مرحوم کو ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم سے بھی لگاؤ تھا۔ شروع میں نقشبندی طریقت کے بڑے مرشد آغا عمر جان چشموی سے رابطہ قائم کیا اور اس طریقت میں آپ کو خرقہ خلافت بھی حاصل ہوا۔ حضرت چشموی کی وفات کے بعد قطب سندھ مولانا حماد اللہ ہالیجوی سے بیعت ہوئے اور قادری طریقت میں ذکر و اذکار کرتے رہے، اس میں بھی آپ کو خلافت حاصل ہوئی اور زیادہ تر خلیفہ عبدالعزیز کے نام سے مشہور ہوگئے۔ مرحوم کو عبادتِ الٰہی سے بڑا مزا آتا تھا۔ رات کو جب بھی انھیں دیکھا گیا تو عبادت الٰہی میں مصروف پایا گیا۔ لیکن ذکر و اذکار اور باطنی ریاضت نے ان کو دینی تعلیم سے غافل نہ بنایا۔ ظاہری علوم کے شاگردوں کی تعلیم کا بھی برابر خیال کرتے رہے۔ اپنے ساتھ، استاذ العلما علامہ کورائی کے صاحب زادہ مولانا عبدالغفار صاحب جو کہ الولد سر لابیہ کے مقولہ کے مطابق اپنے والد کے علوم کے امین ہیں، ان کو بھی اپنی درس گاہ میں مدرس رکھا۔ اس لیے دینی تعلیم میں بھی کوئی رخنہ نہ آیا۔

پاکستان سے پہلے مرحوم خلیفہ صاحب کا جمعیۃ العلما ہند سے تعلق تھا اور پاکستان کے بعد بھی وہ علما کی جماعت سے منسلک رہے لیکن بڑے اعتدال پسند تھے۔ کسی بھی تخریب کاری سے گریز کرتے ہوئے اصلاح کو پسند فرماتے تھے۔ آپ کی عبادت گزاری کا یہ عالم تھا کہ سنا ہے کہ وفات کے وقت بھی بے ہوشی کے عالم میں بار بار وضو کرتے اور نماز پڑھتے رہے اور اسی حالت میں جاں بحق ہوگئے۔

اس عظیم سانحہ میں ہم مرحوم خلیفہ صاحب کی اولاد، اعزہ، معتقدین اور شاگردوں کے ساتھ شریکِ غم ہیں۔ اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت کی جوار میں جگہ دے اور ان کے پس ماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: دسمبر ۱۹۷۴ء، ص ۲۴۳-۲۴۴]

Marfat.com

مفتی عبدالقادر لغاری اور مولانا عزیز اللہ

مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَمِ کے مقولے کے مطابق یہ حسرت ناک خبر بڑے دُکھ کے ساتھ سنی گئی کہ سندھ کے دو بڑے عالم باعمل جن کی پوری زندگی قرآن وسنت اور دوسرے علومِ شرعیہ کی تدریس اور اشاعت میں صرف ہوئی، وہ ہم سے جدا ہو کر خطیرہ القدس میں پہنچ گئے۔ یہ دو بزرگ مولانا مفتی عبدالقادر لغاری اور مولانا عزیز اللہ صاحب ٹھیڑی والے ہیں۔

مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مرحوم، حضرت علامہ استاذ عبید اللہ سندھی کے ہجرت سے پہلے کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ساری زندگی دارالرشاد پیر جھنڈو کے علمی مرکز میں گزاری تدریس کے ساتھ افتاء کا بھی کام کرتے تھے۔ سیاسی طور پر آزادی پسند جماعتوں کے ساتھ ان کا اشتراک رہا اور جمعیت العلما سے بھی عقیدۃً منسلک رہتے آئے۔ مرحوم نے اس سال حضرت استاذ علامہ سندھی کی کتاب شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صرف متن کا سندھی ترجمہ کر کے چھپایا تھا۔ جیسے ہی کتاب چھپ کر مرحوم کو ملی تو اس کے بعد جلد ہی آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ گویا صرف کتاب کا انتظار تھا۔

دوسرے بزرگ [مولانا عزیز اللہ] جامعہ دارالہدیٰ ٹھیڑی کے بانیوں میں سے ہیں۔ جو اپنے بڑے بھائی مولانا حبیب اللہ صاحب سے مل کر توکلاً علی اللہ جامعہ کی بنیاد رکھی۔ دونوں بھائی حضرت حماد اللہ صاحب ہالیجوی کے پرانے تلامذہ میں سے تھے اور حضرت ہی کے ارشاد پر جامعہ دارالہدیٰ کی بنیاد ڈالی تھی، جو اب سندھ میں سب سے بڑا مدرسہ ہے جہاں سے ہر سال بیسیوں شاگرد ملک اور بیرونِ ملک کے پڑھ کر فراغت حاصل کرتے ہیں۔

ادارہ اپنے دونوں بزرگ دوستوں کے اعزہ اور اقربا کے ساتھ شریکِ غم ہے اور دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کو غریقِ رحمت فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرے۔

[الولی: جون ۱۹۷۵ء، ص ۴]

Marfat.com

مولانا عبدالکریم قریشی

ممتاز عالم دین اور بزرگ مولانا عبدالکریم آف بیر شریف [ستمبر ۱۹۲۳ء-۴/فروری ۱۹۹۹ء] گزشتہ ماہ رحلت کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ برصغیر ہند، پاک کے ممتاز عالم دین کہے جاتے ہیں اور آپ کے علم، فضل کی وجہ سے علمی اور دینی حلقوں میں آپ کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ آپ نے جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے سیاست میں بھی سرگرمیوں سے حصہ لیا۔ ختم نبوت، نظامِ مصطفیٰ اور جمہوریت کی بحالی کے۔لیے خود نمایاں طور پر قائدانہ کردار ادا کیا۔ آپ کی رحلت سے ملک ایک بے بدل عالم دین اور با اصول سیاسی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے اور اس نقصان کو ایک عرصہ تک محسوس کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رحمت میں غرق کرے اور آپ کے سوگواروں کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کی وفات پر تعزیت کرتے ہوئے جمعیت علمائے پاکستان کے امیر مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ مولانا عبدالکریم قریشی علم اور حکمت کے ایک پہاڑ تھے۔ آپ کا شمار برصغیر کے صف اول کے عالموں میں ہوتا ہے، آپ کی رحلت کے سبب ہونے والے نقصان کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ مرحوم نظام مصطفیٰ تحریک، ختم نبوت کی تحریک اور بحالی جمہوریت کی تحریکوں میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ اس نے ان خیالوں کا اظہار لاڑکانہ اور کراچی کے تعزیتی اجلاسوں کو خطاب کرتے ہوئے کیا۔ کراچی کے تعزیتی اجلاس میں قاری شیر افضل، حافظ عبدالقیوم نعمانی، قاری محمد عثمان اور دوسروں نے بھی شرکت کی۔ اس دوران جی یو آئی کے سرپرست مولانا محمد اجمل خان، حافظ حسین احمد، مولانا محمد عبداللہ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مفتی نظام الدین اور دوسری کئی ممتاز شخصیتوں نے آپ کی وفات پر دکھ کا اظہار کیا۔ لاڑکانہ میں بھی مولانا عبدالکریم قریشی کی رحلت پر کتنے ہی علما نے تعزیت کی اور آپ کے لیے مغفرت کی دُعا مانگی جن میں

Marfat.com

بلوچستان کے امیر اور ایم این اے مولانا محمد خان، سینیٹر ڈاکٹر محمد اسماعیل بلیدی، مولانا غلام قادر پہنور، مولانا صدیق شاہ، حافظ حاجن لغاری، فقیر احمد اقبال سومرو اور دوسرے کئی رہنما شامل ہیں۔ اس دوران جمعیت علمائے اسلام مکۃ المکرمۃ کا تعزیتی اجلاس جمعیت کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مولانا سعید احمد، حاجی ہاشم بزنجو، ڈاکٹر عبدالقیوم سندھی، عنایت اللہ، ڈاکٹر عبدالغفور جتوئی، مولانا علاؤالدین افغانی، انجینئر حاجی عبدالمنان، مولانا سیف الرحمٰن، مولانا محمد مکی حجازی اور دوسرے عالم شریک ہوئے۔ [الولی: نومبر ۱۹۹۸ء، ص ۳]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

شاہ عبداللطیف بھٹائی

اس سال پاکستان ......فلاسافیکل کانگریس کی طرف سے اسلام آباد میں شاہ عبداللطیف بھٹائی [۱۶۹۰ء-۱۷۵۲ء] کا سال منانے کے سلسلے میں قائداعظم یونیورسٹی میں بڑا اجتماع منعقد ہوا جس میں پاکستان کے ہر صوبے سے فلسفہ اور اَدب کے عالم اور استاذ جمع ہوئے۔ ایک دن کی نشست کی صدارت کا اعزاز مجھے حاصل ہوا، ڈاکٹر عبدالقادر صاحب اور کانگریس کے دوسرے رفقا نے جس سلیقہ سے اجتماع کا انتظام کیا اور مہمانوں کی خاطر تواضع فرمائی وہ قابل تحسین تھا۔ جامعہ کے شیخ ڈاکٹر احمد محی الدین صاحب کی مساعی بھی قابل تعریف تھی موصوف کو اس عہدے پر فائز ہونے سے پہلے بارہا دیکھا جامعہ سندھ میں ایک استاذ کی حیثیت سے ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں، جس اخلاق کے اس وقت مالک تھے اب بھی اسی طرح ہیں، ان میں اعلیٰ عہدے کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

وادیٔ سندھ کے عظیم عارف اور شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی ۱۶۹۰ء میں پیدا ہوئے اُن کا خاندان سادات متعلوی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے پردادا شاہ عبدالکریم قادری اور سہروردی ......کے بڑے عارف اور اہل اللہ مانے جاتے ہیں۔ شاہ کریم کا شمار سندھ کے اولیں صوفی شاعروں میں ہوتا ہے۔

شاہ بھٹائی کے والد کا نام سیّد حبیب اللہ بن سیّد عبدالقدوس ہے۔ آپ حکیم الہند شاہ ولی اللہ سے بارہ برس عمر میں بڑے اور ان کے ہمعصر تھے۔ محمد معین ٹھٹوی صاحب دراسات ......اور دوستوں میں تھے اور ان کی نمازِ جنازہ بھی...... نے پڑھائی تھی۔

شاہ صاحب کو قدرت نے شروع سے مشاہدے اور تفکر کی قوت سے نوازا تھا۔ آپ نے اس قوت کو بڑھانے کے لیے وادیٔ سندھ کے صحراؤں، بیابانوں، گوٹھ گوٹھ اور جنگلوں کا

Marfat.com

سفر کیا تھا۔ آپ کے تفکر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک ریت کے تودے کے قریب مناظرِ قدرت پر سوچتے سوچتے آپ کو غش آ گیا، تین دن متواتر اس جذب کی حالت میں گزرے آپ کے بدن پر ریت کے تہہ جم گئے۔ صرف آپ کے لباس کا ایک حصہ باہر تھا، اتفاقاً ایک چرواہے کی نظر پڑ گئی، اس نے جا کر آپ کے والد شاہ حبیب کو بتایا۔ شاہ حبیب بے قراری کے عالم میں وہاں پہنچ گئے اور سوز و گداز سے سندھی شعر میں کہنے لگے:

[ترجمہ سندھی اشعار] ''ہوا کے جھونکوں سے آپ کے اعضا ریت میں چھپ گئے ہیں۔''

شاہ بھٹائی چونک کر اٹھے اور کہنے لگے:

[ترجمہ سندھی اشعار] ''محبوب کے دیدار اور تجلی کو پانے کے لیے وہ سانس لے رہا ہے۔''

بھٹائی صاحب کی پیدائش کے وقت اورنگزیب عالمگیر کی حکومت تھی۔ آپ سولہ برس کے تھے کہ عالمگیر کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد گیارہ برس کی قلیل مدت میں یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ دہلی کے تخت پر بیٹھے۔ اس تبدیلی نے بھٹائی صاحب کو دین اور دُنیا کے نظام دونوں کے متعلق سوچنا پڑا۔

اصفیا اور عرفا کے فلسفے کے مطابق اس جسمانی عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک دوسری چیز کا سایہ ہے۔ ربّ تعالیٰ نے جب دیکھا کہ دُنیا گمراہی کے سیلاب میں غرق ہے، دُنیا میں شہنشاہ کسریٰ اور قیصر عوام پر مظالم ڈھا رہے ہیں، تب قدرت کو جوش آیا اور ایک ایسے پیغمبر کے بھیجنے کا خطیرۃ القدس میں فیصلہ ہوا جو عوام کو غیروں کی غلامی اور مظالم سے چھڑا کر عدل اور انسانی مساوات کا نظام جاری کرے۔ اور حضور اکرم ﷺ کو ظاہری اور باطنی جمال اور کمال سے آراستہ کر کے رسول بنا کر بھیجا گیا۔ آپ نے تشریف لاتے ہی هَلَكَ كِسْرىٰ فَلَا كِسْرىٰ وَهَلَكَ قَيْصَرَ فَلَا قَيْصَرَ شہنشاہوں کی بربادی کا نعرہ لگایا۔ آپ ﷺ کی امداد کے لیے آسمانوں اور زمین کے سب اسباب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ کے ظاہری حسن و جمال کے سامنے سورج، چاند، ستارے ماند پڑ گئے۔ عارف بھٹائی فرماتے ہیں:

[ترجمہ سندھی اشعار] ''آج مجھے چاند کی چودہ تاریخ کی طرح دُنیا روشن

Marfat.com

اور جگمگاتی دکھائی دے رہی ہے۔ میرے گھر میں محبوب (مدنی) کے
آنے کی بات ہو رہی ہے۔ میرے گھر میں شادمانی ہو رہی ہے اور عوام
دشمن لوگ جل رہے ہیں۔"

حضور پرنور ﷺ نے انسانیت کو سب سے پہلے توحید کا سبق عطا فرمایا اور پھر عبادات کی تلقین کی اور توبہ و استغفار کے ورد کے لیے ارشاد فرمایا۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی حکم فرمایا اور اس میں کوتاہی نہ کرنے کی تاکید فرمائی۔

ان ابیات میں توحید، ادائی فرض، واجبات کی تلقین کے ساتھ توبہ و استغفار کی تلقین ہے اور دوزخ کی آگ سے دور ہونے کا یہ نسخہ بتا رہے ہیں کہ محبوب کی بات کو مت بھولنا!

ایک حدیث میں ہے کُنتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَ الطِّیْنِ یعنی میں اس وقت نبی تھا جب سیّدنا آدم ◆ پانی اور مٹی کے درمیان تھے، ان کی تخلیق نہ ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی پیدائش سے پہلے ہی نبی ﷺ کے نور اور جمال کا جلوہ موجود تھا اور دونوں جہان آپ ﷺ کے لیے بنائے گئے تھے۔ آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیا □ تشریف لائے وہ سب آپ ﷺ کے لیے بمنزلہ ارہاص تھے اور آپ ﷺ ساری مخلوق کے لیے غایت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس حقیقت کو عارف بھٹائی نے اپنے کلام کی ابتدا میں اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

جوڙي جوڙ جهان جي جڏهن جوڙ يائين
خوند خاص خلقي محمد مڪائين
علمو تنهن ڪريم تي چتو چا يائين
انا مولاڪ وانت محبوبي ائين اتائين
ڏکي ڏنائين ٻي سرائون سيد چئي

[الولی: مارچ ۱۹۷۹ء، ص ۲-۴]

شاہ عبداللطیف بھٹائی پر تحقیقی کام

اس ماہ [اپریل] سندھ کے عظیم آفاقی شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کا عرس ہو چکا۔ ہمیشہ کے دستور کے مطابق، شاہ صاحب کے کلام شاہ جو رسالو" کے سرود "سریراگ" پر

Marfat.com

مذاکرہ بھی رکھا گیا تھا۔ جس کی صدارت کے فرائض مجھے سونپ دیئے گئے تھے۔ مذاکرہ کی دو نشستیں صبح اور شام میں رکھی گئی تھیں۔ سندھ کے مختلف اُدباء نے سرود "سریراگ" کے مختلف پہلوؤں پر اپنے علمی مقالے پڑھے اور سامعین نے ان کو بہت پسند فرمایا اور مذاکرہ کامیاب رہا۔ اس پر ہم جناب اللہ بخش نظامانی، اور جناب مرزا ممتاز صاحب کو مبارک باد کہتے ہیں۔ جن کی اُدبی اور ثقافتی مساعی سے بھٹ شاہ ثقافتی مرکز میں حضرت شاہ بھٹائی کے کلام اور فکر وفلسفہ پر اچھا تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ [الولی: اپریل ۱۹۷۲ء، ص ۳-۴]

❁......❁❁......❁

شاہ عبداللطیف بھٹائی اور ابنِ فارض

بارگاہِ الٰہی کے مقرب بندوں کے باہمی فرقِ مراتب کا علم ہم جیسے ظاہری الفاظ میں اسیر لوگوں کو کیا معلوم۔ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک خلیل اور دوست اپنے اپنے دور میں الٰہی عشق ومحبت کے پیاسوں کو اپنے فیض سے سیراب کرتا رہا، لیکن ان میں سے جن مقرب بندوں نے محبتِ حقیقی کے میدان میں آگے بڑھ کر سر دھڑ کی بازی لگائی اور جن کے دل سوز اور دلآویز نغمے آج بھی ہمیں موہ کر ہمارے باطن میں محبتِ الٰہی کی آگ بھڑکا رہے ہیں، ان کے ان الہامی اشعار کو دیکھ کر ان کے مراتب اور مقام کے متعلق کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ اس قسم کے کثرت میں وحدت دیکھنے والے وجودی اور عشاق صوفیوں ہی سے ہم یہاں عربی زبان کے صوفی شعرا کے سرتاج عربی کے مشہور صوفی شاعر ابنِ فارض [۵۷۶ھ-۶۳۲ھ] اور سندھی شعرا کے شاہ، سیّد عبداللطیف بھٹائی کا ایک دوسرے سے موازنہ کر رہے ہیں۔

شاہ بھٹائی کے شاعرانہ ملکہ، ان کی منظر نگاری، سادہ تشبیہات کا استعمال اور لفظی صنائع وبدائع کو دیکھ کر ان کا دورِ جاہلیت کے عربی شاعر امرؤالقیس سے موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان دونوں شاعروں کے نظریات، مقصد اور کلام کی نوعیت میں جو بنیادی فرق ہے، وہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتا ہے۔ امرؤالقیس کی شاعری بلاشبہ عربی اَدب کا بڑا قیمتی ذخیرہ ہے۔ لیکن وہ عریانی اور فحش نگاری سے بھرپور دورِ جاہلیت کی شاعری ہے، جس سے عشقِ الٰہی

Marfat.com

کے متوالے کیا حظ حاصل کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ امرؤالقیس کو "الملک الضلیل" کہا جاتا ہے۔ عربی شعرا میں ایک ابنِ فارض ہی ایسے شاعر گزرے ہیں جن کا شاہ عبداللطیف بھٹائی سے موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

ابنِ فارض کا نام عمر بن ابوالحسن ہے وہ مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں اُنھوں نے انتقال فرمایا۔ ان کے والد نے ان کی تربیت کی جو نہ صرف صوفی تھے، بلکہ ایک متقی اور پرہیزگار عالم بھی تھے، چنانچہ ابنِ فارض کو بچپن ہی میں اچھا ماحول میسر آیا اور ذکر وفکر والے گھرانے میں ان کی نشوونما ہوئی۔ [بحوالہ: الشعر الصوفی، طبع بیروت]

اسی طرح بھٹائی صاحب شاہ عبدالکریم بلڑی والہ جیسے سرتاج الاولیا کے پڑپوتے سیّد حبیب اللہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ سیّد حبیب ایک باکمال عارف اور واصل باللہ ولی تھے۔ ایسے نیک اور پاکیزہ ماحول میں پرورش پانا، شاہ صاحب کی فطری صلاحیت کو اُبھارنے اور باطن کو جلا دینے میں بڑا ممد ومعاون ثابت ہوا۔

ابنِ فارض نے اپنے زمانے کے مدارس میں تعلیم پائی۔ اُنھوں نے فقہ شافعی میں اچھی شہرت حاصل کی اور علمِ حدیث، ابنِ عساکر جیسے محدث اور امام سے حاصل کیا۔ جب خلوت نشینی اور اصفیا کے طریقے پر چلنے اور ریاضت کا شوق پیدا ہوا تو آپ جملہ کاروبار چھوڑ کر بیابانوں، صحراؤں، جنگلوں اور پہاڑوں میں گھومنے لگے، وہ کبھی تو غاروں میں اللہ اللہ کرتے اور کبھی ویران مساجد میں عبادتِ الٰہی میں مستغرق ہو جاتے وہ اکثر جنگلوں اور پہاڑوں کو طے کر کے اپنے والد کی زیارت کے لیے آتے تھے اور پھر والد سے رُخصت لے کر خلوت میں چلے جاتے تھے، اُنھوں نے اپنے اکثر اشعار اسی حالت میں لکھے ہیں۔

[بحوالہ شذرات الذہب ابنِ عماد حنبلی، ج ۵، ص ۱۴۹]

شاہ بھٹائی کی ابتدائی زندگی بھی ابنِ فارض کی طرح جنگلوں اور پہاڑوں میں گزری، اُنھوں نے کتنی تعلیم حاصل کی اس کے متعلق کوئی کتابی سند پیش نہیں کی جاسکتی، لیکن جہاں تک ان کے کلام کا تعلق ہے، اس کو دیکھ کر یہ رائے بآسانی قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ ظاہری علم سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی علم کے بحرِ بے کنار تھے اور اُن کے باطن کو الٰہی

Marfat.com

تجلی نے جلا بخشی تھی۔ باقی جنگلوں اور پہاڑوں میں سیر کرتے ہوئے دوست کی یاد میں گنگناتا رہنا تو کوئی شاہ بھٹائی سے سیکھے! یہ آپ کا اہم مشغلہ تھا، کلاچی، وندر، پب، ہاڑھو، ہنگلاج، لاہوت، لاڑ، گنجوڈونگر، گرنار، گجرات اور دوسرے مقامات کی وہ اکثر سیر کرتے رہے! وہ خود فرماتے ہیں:

ويٺون پب پهي ڪيرون ڪا هوڙن جون
آئون تن ڏٽن جو، پڇان پير پهي،
وڃن رات رهي ڏونگر جن ڏو ريا
پير جن پرد، گنجي ڏونگر گام جو
ڇڏي ڪيٺ ڪرو، لوچي لا هوتي ٿيا

[ڪاهوڙي]

رسالہ شاہ کی جدا جدا داستانوں میں ایسے بیسیوں اشعار ملیں گے جن میں ان مقامات کی سیر وسیاحت اور زیارت گاہوں کا ذکر کیا ہے۔

ابنِ فارض کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ:

''وہ عنفوانِ شباب میں ایک عورت پر عاشق ہوئے اور اس طرح مجازی عشق کی لپیٹ میں آگئے اور اس کے فراق اور جدائی میں آہ و بکا کرتے رہے لیکن جلد ہی اس مرحلہ سے گزر کر آگے بڑھے اور اُن کی نگاہ ملاءِ اعلیٰ کو پہنچ گئی۔'' [بحوالہ: الشعر الصوفی، طبع بیروت]

شاہ بھٹائی بھی مجازی عشق ومحبت کی لپیٹ سے بچ نہ سکے۔ عنفوانِ شباب میں عشق و محبت کے جذبے کا ہونا ایک فطری امر ہے، شاہ صاحب بھی جب اس عمر کے تھے تو آپ کو ایک امیر مرزا بیگ کے دولت کدہ پر اس لیے بلایا گیا کہ اس کی ایک دخترِ نیک اختر کے لیے، جو کہ بیمار تھی دُعا کریں۔ لڑکی نہایت خوبصورت تھی اور وہ اگرچہ کپڑوں میں مستور تھی، لیکن شاہ کی اچانک اس کے حسین چہرے پر نگاہ پڑ گئی اور وہ اس پر فریفتہ ہو گئے۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب نے بڑی تکالیف دیکھیں، لیکن آگے چل کر الٰہی جمال کے جلوہ کو پا کر ظاہری حسن سے مستغنی ہو گئے۔ ویسے بھی یہ دستور ہے کہ جس انسان کے دل کے پردوں میں محبت اور اشتیاق کے انوار پہنچتے ہیں وہ دل اللہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

Marfat.com

(ترجمہ سندھی اشعار) ''میں نے جب ورقِ وصال کا مطالعہ کیا تو صرف تو ہی اس میں نظر آیا۔ اس میں ایک رتی بھر بھی دوسری آواز نہیں ہو سکتی۔''

تصوف بذاتِ خود محبت کا نام ہے۔ منصور حلاج محبت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اللہ کی ذات خود محبت ہے۔''

اصفیا کے سرگروہ شیخ جنید بغدادی محبت کے معنی بیان کرتے ہیں:

''اللہ کے ساتھ تیری معیت بلا کسی علاقے کے۔''

صوفیوں نے الٰہی محبت کا نظریہ اصل میں افلاطون کے کلام سے لیا ہے۔ صوفی بلا کسی مادّی غرض کے حسن و جمال کی مدح و توصیف کرتا ہے اور وہ اس میں مطلق جمال کا متلاشی ہوتا ہے۔

ابنِ فارض اگر دوسرے صوفیوں کی طرح صرف صوفی ہوتے تو شاید ان کی اتنی شہرت نہ ہوتی جو اُن کی شاعری کی وجہ سے ہے، عربی کے بعض اُدبا نے ان کی اس طرح تعریف کی ہے:

''ابنِ فارض تمام دُنیا میں عشاق کا سردار کہلاتا ہے''

اس کے موافق یا مخالف سب کے سب اس کو اپنے دور کے شعرا کا سردار مانتے ہیں، وہ جملہ اصفیا میں بڑے شاعر تھے اور محسنات بدیعیہ کے استعمال میں بے نظیر تھے۔ عربی زبان پر قدرت کاملہ رکھتے تھے اور اس دور میں لغت کے حفظ میں آپ کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔

[بحوالہ: معجم المطبوعات العربیۃ والمصریۃ، الشعر الصوفی، ص ۸۹،۷۰]

اب آیئے! بھٹائی صاحب کو دیکھیں! وادیِ مہران شروع اسلام سے اولیاء اللہ اور اصفیا کا وطن رہا ہے۔ یہاں بے شمار سالک باصفا گزرے ہیں، جن میں سے معدودے چند ایسے ہیں جن کا کچھ تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے، ورنہ اکثر تو ایسے ہیں کہ گوشہ گمنامی میں رہے اور آج کسی علمی اور اَدبی مجلس میں ان کو یاد نہیں کیا جاتا، لیکن شاہ بھٹائی اپنے کلام کی وجہ سے لافانی شہرت کے مالک ہیں، وادیِ مہران میں کوئی شہر یا گاؤں ایسا نہ ملے گا جہاں شاہ کے شعر سننے میں نہ آئیں۔ شاہ فنی خوبیوں اور شاعرانہ استعداد میں نہ صرف سندھی گو شاعروں سے سبقت لے گئے بلکہ دوسری زبانوں میں بھی شاہ بھٹائی جیسے شاعر کم ملیں گے بے شک ابنِ فارض کے کلام میں بڑے صنائع بدیعی ہیں، لیکن شاہ صاحب کے ہاں جو تمثیلیں، واقعہ نگاری، فطری

Marfat.com

جمال اور انسانی حسن کی تصویریں، الفاظ کا برمحل استعمال، تشبیہات کی سادگی اور صنائع و بدائع کی عمدگی ہے، اسے دیکھ کر ابنِ فارض کا کلام نظروں میں نہیں جچتا۔

ابنِ فارض درحقیقت ایسے دور میں پیدا ہوئے جس میں لفظی محاسن کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اس لیے وہ تشبیہات اور استعاروں پر بہت زور دیتے ہیں، اس کے باوجود اس کے غزل قصائد قابلِ تعریف نہیں ہیں، لیکن ان کے اشعار میں چونکہ تصوف کے رموز و اشارات آ گئے ہیں اس لیے باوجود شعری کمزوریوں کے ان کے اشعار بہت مقبول ہوئے۔

شاہ بھٹائی کا دور محاسنِ لفظی کا دور نہ تھا۔ لا محالہ موضوع کی وسعت اور الفاظ کی محدودیت کی بنا پر شاہ صاحب کو رموز اور اشارات سے کام لینا پڑا۔ مگر یہ رموز اور اشارات ایسے نہیں ہیں کہ ان سے پڑھنے والے کا دماغ کوئی بوجھ محسوس کرے، کیونکہ ان کو قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے اس لیے عوام یا خواص سب کے سب شاہ کے کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں، یہی سبب ہے کہ شاہ بھٹائی ایک صوفی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عوامی شاعر بھی کہلاتے ہیں۔

ابنِ فارض کے قصیدہ تائیہ پر بعض علما نے حلول اور الحاد کی تہمت رکھ کر ان کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر فرمایا، ایسے وجودی صوفی اور عشاق پر ظاہر بیں علما کی طرف سے کفر کے فتوی کا صدور کوئی نئی بات نہیں ہے، ابنِ فارض کے ساتھ ساتھ شیخ ابنِ عربی، عقیف تلمسانی قونوی، ابنِ ہود، ابنِ سبعین اور اُن کے شاگرد شبستری، ابنِ مظفر اور صفار کے خلاف بھی اسی طرح کفر کے فتوے صادر ہوئے۔ صاحبِ کشف الظنون ملا جلبی قصیدہ تائیہ کے تحت لکھتے ہیں۔ بعض لوگوں نے ابنِ فارض کے کلام کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے اور اس کے مشتبہ ابیات کا مطلب واضح کر کے ظاہری معنی سے عدول کیا ہے اور کچھ علما اس میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور اُنھوں نے ابنِ فارض کے کلام کو کفر سے منسوب کیا ہے اور علما کی ایک تیسری جماعت ایسی بھی ہے جو خاموش رہی اللہ والوں کی شطحیات کے متعلق یہی راستہ اچھا ہے۔

بھٹائی صاحب اگرچہ وجودی مسلک کے صوفی تھے لیکن آپ کا کلام شطحیات اور دوسری خرافات سے قطعاً مبرا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دور میں ہاشم ٹھٹوی جن کے قلم

Marfat.com

سے محمد معین جیسے محدث اور صوفی عالم بھی بچ نہ سکے اور الحاج فقیر اللہ علوی شکار پوری (جنھوں نے شاہ عنایت صوفی کی شہادت کی خبر سن کر شکریئے کے نفل ادا کیے) جیسے متشرع عالم موجود تھے لیکن ان میں سے کسی نے بھی شاہ بھٹائی کے خلاف کچھ نہ کہا، شاہ بھٹائی اپنی بات کچھ اس طریقے سے کہہ جاتے ہیں کہ آپ کے کلام پر کوئی گرفت نہیں ہوسکتی۔

پائی کان کمان ۾، سیان! مارنہ مون

مون ۾ اهين تون، متان تنهنجوئي توکي لگي

”یعنی تیر کو کمان میں لگا کر مجھے نشانہ نہ بناؤ، کیونکہ تو تو میرے اندر موجود ہے۔ کہیں یہ تیرا تیر تجھ کو نشانہ نہ بنائے۔“

ابنِ فارض نے اپنے اشعار میں صوفیوں کی مثالی محبت کی تصویر پیش کرتے ہوئے ازلی حقیقت کی تلاش کی ہے۔ ان کے اشعار ظاہری طور پر حلول اور الحاد کے خیالات سے ملتے ہیں لیکن ان کی نوعیت حلاج اور ابنِ عربی کے افکار سے الگ ہے ان کے ہاں حسن و جمال ایک باقی رہنے والی چیز ہے اور اس کا ادراک اس میں فنا ہونے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ گو اس حسن و جمال ازلی کا کوئی مکان نہیں، لیکن وہ ذاتِ حق کی گہرائیوں میں رہتا ہے، ابنِ فارض کے اشعار میں افلاطون اور افلاطونیہ جدیدہ کی کچھ باتیں ملتی ہیں اور ہندوستان کے صوفیا کرام کے نظریے بھی ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں، لیکن ان کے اشعار میں ”انا“ یا ”خودی“ کا بیان اس طرح وضاحت سے پایا جاتا ہے جو کسی دوسرے صوفی شاعر کے ہاں نہیں ملتا۔ [بحوالہ الشعر الصوفی، طبع بیروت]

یہ مسئلہ نہایت عمیق اور گہرا ہے۔ فلسفی موشگافیوں اور اصطلاحات کو چھوڑ کر اگر مقصد اور ظاہر کو دیکھا جائے تو اس میں بھی شاہ بھٹائی کا کلام ممتاز نظر آئے گا۔ کسی بھی شاعر کے صحیح اور اصلی مقصد کو معلوم کرنے کے لیے شاعر کے ماحول کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے، شاعر اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے، ابنِ فارض نے ایسے دور میں اپنا پیغام اور فکر پیش کیا جس میں اجنبی حکومتوں کی طرف سے اسلامی ملکوں پر حملے ہو رہے تھے۔ اسی طرح ان ملکوں میں کچھ داخلی پریشانیاں بھی تھیں، غرض شرق عربی پر مسیحیوں کا صلیبی لشکر بڑھ رہا تھا، اس کے شہر جنگوں کے

Marfat.com

مرکز بن چکے تھے، اسلامی ممالک کا آپس میں نام کا تعلق رہ گیا تھا۔ بغداد کے خلیفۃ المسلمین بھی نام کے خلیفہ تھے۔ بالکل یہی حالت شاہ بھٹائی کے سامنے تھے۔ وادیِ مہران کے کلہوڑے حکمراں ملک کی آزادی اور سلامتی برقرار رکھنے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے، دہلی کی مغلیہ حکومت نام کی رہ گئی تھی۔ نادر شاہ اور اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے ملک میں افراتفری مچا رکھی تھی۔ یہ وطنِ عزیز کے لیے بڑے پُرفتن دن تھے ایک طرف وطن کی سلامتی کا سوال تھا اور دوسری طرف زبان کی بقا و حفاظت ضروری تھی اس پُرفتن دور میں شاہ کا پیام امن سلامتی اور اتحاد کا پیام تھا اور الٰہی رحمت کی صورت میں لوگوں کے دلوں پر برسا، لوگوں میں جذبۂ مذہب کے ساتھ جذبۂ حبِ وطن اُبھارنے میں یہ بڑا مؤثر ثابت ہوا۔ [الرحیم: جولائی ۱۹۶۵، ص ۷-۲۳]

❀.....❀❀.....❀

Marfat.com

عبدالواحد ہالے پوتا

حال ہی میں عوامی حکومت کی طرف سے ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا صاحب [یکم جنوری ۱۹۱۷ء- ۵/فروری ۲۰۰۱ء] کو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ہماری عوامی حکومت کا عظیم کارنامہ ہے کہ اس ادارہ کے لیے موزوں شخصیت کا انتخاب ہوا ہے۔ ہمارے عوامی وزیراعظم جناب بھٹو صاحب کو انتخابی مہم کے دوران اپنے انتخابی جلسوں میں کئی بار یہ فرماتے ہوئے سنا گیا کہ ہم شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا عبیداللہ سندھی کے اسلامی فکر کی روشنی میں ملک کے اندر اقتصادی اور سماجی اصلاحات لائیں گے اور بھٹو صاحب نے بڑی داخلی اور خارجی مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود اپنے اس عہد کو پورا کر کے دکھایا۔ ضرورت تھی کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کو بوسیدہ فکر اور دقیانوسی دماغ رکھنے والے شتر مرغ عالم سے پاک و صاف کیا جائے۔ بہت اچھا ہوا کہ بروقت اس کی طرف توجہ کی گئی اور شاہ صاحب کے فکر اور فلسفہ پر کافی عبور رکھنے والے عالم اور سنجیدہ سوچ و فکر کے صاحب کو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا ڈائریکٹر بنایا گیا۔ ہم اس سلسلے میں ایک طرف عوامی حکومت کے وزیر قانون جناب پیرزادہ صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا کو بھی ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور موصوف سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ اس ادارہ کو ترقی کے اوج اور عروج پر پہنچا کر عظیم علمی اور عملی خدمات انجام دیں گے۔ [الولی: اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص ۴]

Marfat.com

مولانا عبید اللہ ولی اللّٰہی

مولانا عبید اللہ سندھی نے ابتدا میں خلیفہ عبدالعزیز صاحب سے تعلیم حاصل کی اور پھر احقر راقم کے پاس تقریباً چار سال کی مدت میں علوم نقلیہ اور عقلیہ کی تعلیم حاصل کی اور پھر دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت پائی۔ میرے ہی ایما پر مرحوم دارالعلوم دیوبند گئے۔ حضرت مولانا مدنی سے دورہ پڑھا۔ وطن واپس آکر تعلیمی خدمت میں مشغول ہوگئے۔ سندھ کے مشہور مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو اور مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں کئی سال تک شیخ الحدیث رہے۔ آخر میں کراچی میں پولیس ہیڈ کوارٹر کے خطیب بن گئے اور ساتھ ہی حسبۃً لِلّٰہ شاگردوں کو عربی علوم کی مفت تعلیم بھی دیتے رہے کہ اچانک پچاس برس کی عمر میں آپ پر دل کا دورہ پڑا اور اللہ کے پیارے ہوگئے۔

مرحوم کو حضرت استاذ مولانا عبید اللہ سندھی اور شاہ ولی اللہ کے افکار سے بڑی محبت تھی۔ اسی بنا پر اپنے کو ولی اللّٰہی بھی لکھتے تھے۔ ۱۹۴۳ء میں سندھ کے اندر سب سے پہلے جو جمعیۃ طلبہ سندھ بنی تھی اس کے وہ صدر رہے اور حیدرآباد سندھ میں جمعیۃ طلبہ کا ایک بڑا اجتماع بھی ان کی کوششوں سے ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا سندھی نے فرمائی اور شاگردوں کو خطاب فرمایا جو جمعیۃ طلبہ کے خطبہ سے موسوم ہے۔ مرحوم نے ایک ننھا بچہ اور دو چھوٹی لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے اعزہ کو صبر اور بچوں کی پرورش کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: دسمبر ۱۹۷۴ء، ص ۲۴۲-۲۴۴]

Marfat.com

علی محمد کا کے پوتا

۳/مارچ ۱۹۶۷ء کو مولانا علی محمد کا کے پوتا [۱۹۰۰ء-۱۹۶۷ء] کے انتقال سے سرزمین سندھ ایک ممتاز و متبحر عالم سے محروم ہوگئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم نے درسِ نظامی کی تکمیل سندھ میں کی، پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر دہلی گئے اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا، جس میں وہ اوّل آئے تھے۔ مرحوم اورینٹل کالج لاہور میں تھے کہ مولوی شفیع مرحوم کی وساطت سے وہ علامہ اقبال کی خدمت میں پہنچے، جنھیں رویت کے مسئلے میں مسلمانوں کے قدیم فلسفے سے کچھ معلومات حاصل کرنا تھی۔ مولانا علی محمد کا کے پوتا نے قدیم فلسفے سے یہ معلومات جمع کر کے علامہ مرحوم کو پیش کیں، جن کا اعتراف اُنھوں نے ایک خط میں کیا تھا، جو مولانا کا کے پوتا کے پاس تھا اور جسے وہ بڑے فخر سے رکھتے تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی جب ہجرت کے بعد واپس وطن آئے اور پیر جھنڈو میں درس دینا شروع کیا، تو مولانا کا کے پوتا نے بھی ان سے شاہ ولی اللہ صاحب کی چند کتابیں پڑھیں۔ مرحوم کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری، وفات سے پہلے کوئی دو سال تک شاہ ولی اللہ کالج منصورہ ڈیپر (سندھ) میں مدرس رہے۔ مولانا مرحوم عربی، فارسی اور سندھی کے بڑے اچھے شاعر تھے۔ اُنھوں نے حضرت مولانا تاج محمود امروٹی کی وفات پر عربی میں جو مرثیہ لکھا تھا۔ اس کی یاد اب تک دلوں میں تازہ ہے۔ [الرحیم: اپریل ۱۹۶۷ء، ص ۴۰-۴۷]

Marfat.com

پروفیسر غلام حسین جلبانی

یہ خبر بڑے افسوس اور اندوہ سے سنی جائے گی کہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے ایک سرگرم کارکن اور اکیڈمی ڈائریکٹروں کے ایک ڈائریکٹر پروفیسر غلام حسین جلبانی [۲رفروری ۱۹۱۴ء-۱۹۸۹ء] اسی ماہ اچانک دل کا دورہ پڑنے سے اللہ کے پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

جلبانی مرحوم نے پاکستان بننے سے پہلے ایم۔اے عربی کا امتحان بمبئی یونیورسٹی سے پاس کیا تھا۔ آپ کے استاذ عربی اُدب کے عظیم ماہر شمس العلما عمر بن محمد داؤد پوتا تھے، جو اس زمانہ میں بمبئی کے آندھری کالج کے پروفیسر تھے۔ مرحوم جلبانی سندھ سے جا کر مذکورہ کالج میں ڈاکٹر داؤد پوتا سے پڑھتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنے اس ہونہار شاگرد سے بڑی محبت تھی اور بڑے انہماک سے جلبانی صاحب کو پڑھاتے رہے۔

پھر جب کراچی میں ایس ایم کالج کی بنیاد پڑی، تو جلبانی صاحب اس میں عربی کے استاذ مقرر ہوئے۔ اسی اثنا میں حج کو گئے اور وہاں حرمِ مکہ میں امام عبیداللہ سندھی سے ان کی ملاقات ہوئی، علامہ سندھی نے ان کو شاہ ولی اللہ صاحب کے فلسفہ کے مطالعہ کی رغبت دلائی اور مرحوم جلبانی حج سے واپس آ کر اس فلسفہ کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔

پھر ایسا اتفاق ہوا کہ میں ۱۹۵۰ء میں کراچی کے مشہور قدیمی درسگارہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں شیخ الحدیث تھا اور جلبانی صاحب نے ہر اتوار کو میرے پاس آ کر شاہ صاحب کے فلسفہ کے متون اربعہ کا درس لینا شروع کیا۔ اُنھوں نے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد صادق سے بھی میرے متعلق اجازت لے رکھی تھی کہ ہر اتوار کو میں ان کو پڑھاتا رہوں۔ جلبانی صاحب کے ایک خاص شاگرد شیخ واحد بخش صاحب (جو آگے چل کر ناظم تعلیماتِ سندھ

Marfat.com

بنے۔) وہ بھی کبھی کبھار اپنے استاذ کے ساتھ آتے تھے اور درس میں شریک ہوتے تھے۔

چند مہینوں میں یہ درس ختم ہوا اور جلبانی صاحب اس کے بعد تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ سب سے پہلے اُنھوں نے سندھ میں شاہ ولی اللہ جی تعلیم کتاب لکھی۔ چونکہ یہ ان کی تالیف کا ابتدائی دور تھا، اس لیے مضمون اور اُدب کے لحاظ سے کتاب کے اصلاح کی ضرورت ہوئی اور وہ اصلاح بھی میں نے کی۔

جلبانی صاحب کراچی چھوڑ کر حیدر آباد پہنچے اور یہاں جامعہ سندھ میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۳ء میں حیدر آباد میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا بنیاد پڑا تھا اور میں بھی کراچی چھوڑ کر اس اکیڈمی کا پروفیسر مقرر ہوا اور جلبانی صاحب اکیڈمی کے بورڈ کے میری طرح ایک ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اسی اثنا میں ان کی سندھی کتاب شاہ ولی اللہ جی تعلیم کا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب سابق صدر شعبہ اُردو کے توسط سے اُردو میں ترجمہ ہوا۔ اکیڈمی شاہ ولی اللہ نے اس کی طباعت کی۔ اسی طرح جلبانی مرحوم نے تاویل الاحادیث عربی کا سندھی میں ترجمہ کیا اور ایک کتاب شاہ ولی اللہ صاحب کی سوانح پر ان کی تالیف کے حوالے سے سندھی میں لکھی۔ یہ دونوں کتابیں بھی اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوئیں۔ اس کے بعد جلبانی صاحب نے فلسفہ ولی اللہی کی انگریزی زبان میں خدمت کی۔ بدور البازغہ، انفاس العارفین اور کئی دوسری کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا، جن میں سے اکثر کتابیں چھپ گئی ہیں۔ مرحوم نے عمر کے آخری حصہ میں سندھی زبان میں سیرت سیدالانبیاؐ پر ایک مستند کتاب لکھی، جو چھپی نہیں ہے اور عربی سندھی اور سندھی عربی میں لغت تیار کی، ادارہ سندھالوجی کی طرف سے اس کی جلد اوّل چھپ گئی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت کرے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ [الولی: جون ۱۹۸۹ء، ص ۳-۴]

Marfat.com

مولانا غلام محمد گرامی

سندھ کے بڑے ادیب، اسلامیات کا وسیع مطالعہ اور معلومات رکھنے والے مقرر اور خطیب مولانا غلام محمد گرامی [۳۰ر ستمبر ۱۹۲۰ء-۱۵ر ستمبر ۱۹۷۶ء] کی رحلت اور موت کی خبر الولی کے صفحات میں پہلے آچکی ہے۔ مرحوم کی ساری زندگی اَدبی، علمی اور تاریخی تحریر اور تقریر میں گزری۔ آپ نے ابتدائی تعلیم دادو ضلع کے علمی شہر میٹھر میں پائی۔ خلافت تحریک کے خصوصی لیڈر اور بزرگ الحاج سیّد علی اکبر شاہ مرحوم کے زیر سایہ تکمیل کی اور پھر حیدرآباد سندھ میں جامعہ عربیہ کے استاذ مقرر ہوئے، جہاں ہونہار نسل کو اسلامیات پڑھاتے رہے۔ اس طرح مرحوم کے شاگردوں کا وسیع حلقہ ہے۔ قدرت نے آپ کو غیر معمولی دماغ اور دل عنایت کیا تھا۔ کسی بھی تاریخی، مذہبی مسئلہ، علم کلام ہو یا تصوف میں جب گفتگو کرتے تھے تو سننے والوں کو محو حیرت بنا دیتے تھے۔ کچھ سال سندھی اساتذہ کے تربیتی مرکز ٹریننگ کالج میں بھی استاذ رہے، جہاں اساتذہ کو اسلام اور سندھی اَدب پر لیکچر دیتے رہے۔ سندھی اَدبی بورڈ جو کہ سندھ کا بڑا علمی اور تصنیفی ادارہ ہے اور عالمی شہرت رکھتا ہے۔ اس کا ایک علمی مجلہ مہران سہ ماہی نکلتا تھا۔ مرحوم مولانا گرامی کو اس کا مدیر بنایا گیا تھا۔ دیکھتے دیکھتے یہ رسالہ بڑا علمی اور تاریخی ثابت ہوا اور مرحوم کی تربیت سے اس علاقے میں کئی نئے ادیب پیدا ہوئے۔ آگے چل کر جو اُنھوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ یہ سب مولانا گرامی کی تربیت کا اثر تھا۔ مرحوم سالہا سال سہ ماہی مہران کے مدیر رہے۔ یہ رسالہ ایک ضخیم کتاب کی حیثیت رکھتا تھا۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ اس قسم کے مخلص ادیب اور عالم قلندروں کی سی زندگی گزارتے رہے ہیں۔ مولانا گرامی کی بھی یہی کیفیت تھی۔ سادہ لباس، سادہ کھانا، سادہ مکان میں رہنا ان کا وطیرہ تھا۔ مرحوم سے میرے تعلقات بہت پرانے تھے اور چالیس سال سے تعارف اور محبت کا

Marfat.com

رشتہ تھا۔ میں جب کراچی سے حیدرآباد آیا تو ملاقاتوں کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔ مرحوم باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی مجلس میں کتنا ہی غمزدہ آدمی جاتا تو وہ غم بھول جاتا۔ گرامی مرحوم مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے بڑے عقیدت منداور مداح رہتے تھے۔ اس عقیدت مندی کی بنا پر اُنھوں نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی اور ولی اللّٰہی تحریک پر ایک ضخیم کتاب بھی لکھی تھی جو طبع میں نہ آسکی، اور عملی طور پر بھی وہ مذہب اور سیاست میں مولانا سندھی کی طرح ترقی پسند ادیب تھے اور انقلابی فکروعمل کے حامی تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ایک عالم اور ادیب کی موت پوری دُنیا کی موت ہوتی ہے۔ گرامی مرحوم کی جدائی سے سندھ کے علمی اور اَدبی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے، مستقبل قریب میں اس کے پُر ہونے کے امکانات کم نظر آتے ہیں۔ آج پرانے اقدار کا فقدان نظر آرہا ہے، نئی پود جنم لے رہی ہے جن میں مشرقیت کم اور مغربیت کی بھرپور نقالی نظر آتی ہے، خدا رحم فرمائے۔

سندھی اَدبی بورڈ نے مولانا گرامی مرحوم کی مجلّہ سہ ماہی مہران کی اَدبی اور علمی خدمتوں کی قدر کرتے ہوئے مرحوم کی بیوہ اور بچوں کے لیے دس ہزار رقم کے عطیہ دینے کا اعلان کیا ہے اور مرحوم کی تعزیت اور یاد میں مرحوم کے مزار پر ایک بڑا تعزیتی جلسہ ہوا، جس میں سندھ کے نامور اُدبا اور علما شریک ہوئے اور گرامی مرحوم کے کردار اور علمی و اَدبی زندگی پر روشنی ڈالی، سندھ کے نامور ادیب اور شاعر، نولکھی درگاہ ہالا کے گدی جانشین محمد زمان صاحب طالب المولیٰ کے صاحب زادے خلیق الزمان صاحب نے اس جلسے کی صدارت کی تھی۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی اور ادارہ ''الولی'' کی طرف سے بھی ایک اجتماع ہوا جس میں مرحوم کو ایصالِ ثواب کے ساتھ ساتھ ان کے علمی اور اَدبی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی۔ ہم اپنے ادارے کی طرف سے مرحوم کے لواحقین کے ساتھ غم اور دکھ میں برابر کے شریک ہیں اور دست بہ دُعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں محفوظ رکھے اور لواحقین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: اکتوبر ۱۹۷۶ء، ص ۲-۳]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

فاروق نیازی

اس ماہ چند ایسے قریبی احباب اور بزرگ اس فانی دُنیا سے رحلت کر کے شہرِ خموشاں میں جا پہنچے جن کی رحلت اور جدائی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ ان میں بڑا سانحہ جناب مولانا کوثر نیازی کے جواں سال صاحب زادہ فاروق نیازی صاحب کی ناگہانی موت ہے، جو ان بیٹا، باپ کی مستقبل کی اُمیدوں کا سہارا ہوتا ہے اور پھر اس طرح حادثہ کی موت، باپ کے لیے اتنا عظیم صدمہ ہے کہ جس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ ہم اس المناک حادثے میں مولانا نیازی صاحب کے ساتھ شریکِ غم ہیں اور دست بدُعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت کرے اور مولانا نیازی صاحب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔[الولی: نومبر۱۹۷۲ء، ص۲۳۵]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

شاہ فیصل سے پاکستانی وفد کی ملاقات اور پیغام

حج وفد کے قائد مولانا کوثر نیازی کی قصر الحمراء عرب میں شاہ فیصل بن عبدالعزیز آلِ سعود [۱۴/اپریل ۱۹۰۶ء-۲۵/مارچ ۱۹۵۷ء] سے جو ملاقات ہوئی اور مولانا موصوف نے جناب صدر بھٹو کا مبارک باد اور نیک تمناؤں کا پیغام بھی سعودی عرب کے شاہ فیصل کو پہنچایا جس میں صدرِ محترم نے پاکستان کے مسائل سے گہری دلچسپی اور نیک جذبات کے اظہار پر شاہ فیصل کا شکریہ ادا کیا ہے اور شاہ فیصل نے اس پیغام کے جواب میں یہ کہا کہ پاکستان کے لیے اب تک جو کچھ ہم نے کیا ہے اور مستقبل میں بھی جو کچھ کریں گے وہ ہمارا دینی فریضہ ہے، اُخوتِ ایمانی کے اعتبار سے آپ ہمارے بھائی ہیں۔شاہ موصوف نے پاکستانی جنگی قیدیوں کا بھی تذکرہ کیا اور حج وفد کے قائد سے اظہار کیا کہ ہم نے بھارت سے کہا ہے کہ وہ جنیوا کنونشن کا احترام کرتے ہوئے پاکستانی جنگی قیدیوں کو رہا کر دے۔ پاکستانی جنگی قیدیوں پر فائرنگ کر کے انھیں شہید کرنے کے واقعات پر بھارت کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھارت جنگی قیدیوں کے ساتھ ناجائز سلوک کر رہا ہے اور اس کے اس طرزِ عمل پر ہم خاموش نہیں ہیں، ہم اپنے دوستوں کو ساتھ لے کر بھارت کو پاکستانی جنگی قیدیوں کی رہائی کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، شاہ فیصل نے یہ بھی کہا کہ ہم نے بھارت سے کہا ہے کہ پاکستانی جنگی قیدیوں کو روک کر وہ بین الاقوامی قانون، روایات اور جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ شاہ نے کہا کہ بھارت نے جنیوا کنونشن پر دستخط کیے ہیں اس لیے اسے اپنے اس عہد کا احترام کرنا چاہیے۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل کے ان خیالات کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس سے اسلامی برادری اور دینی حمیت کو عالمِ اسلام میں تقویت پہنچتی ہے اور یہ عوامی صدر کی اس پالیسی کا نتیجہ ہے کہ پاکستان مسلم ملکوں کے درمیان اتحاد اور تعاون کا خواہاں ہے۔ [الولی: جنوری ۱۹۷۳ء، ص۳]

Marfat.com

مولوی فیض اللہ

رفیق مولوی نذیر حسین جتوئی کی جدائی کا غم ابھی باقی ہی تھا کہ ایک دوسرے ساتھی فکر عبیداللٰہی کے زبردست مؤید اور حضرت علامہ استاذ سندھی کے خادم مولوی عزیز اللہ صاحب کے چھوٹے بھائی مولوی فیض اللہ بھی عالمِ شباب میں اللہ کے پیارے ہو گئے۔ مرحوم اپنے بڑے بھائی کی طرح عوام کی خدمت کا درد دل میں رکھتے تھے۔ شاگردی کے زمانہ میں مدرسہ دارالسعادۃ تحصیل شکارپور سندھ میں حضرت علامہ سندھی سے چند روز استفادہ بھی کیا تھا۔ چھ سال متواتر احقر راقم سے پڑھتے رہے اور درسِ نظامی کی کتابیں بڑی مستعدی سے پڑھی تھیں۔ فراغت کے بعد اپنی زمین داری اور عوامی خدمت میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک دل کے عارضہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس جانکاہ حادثہ میں ہم ان کے بڑے بھائی مولوی عزیز اللہ صاحب صدر ہاری کمیٹی سندھ اور دوسرے اعزہ واقارب سے برابر کے شریک ہیں۔ مرحوم کی بخشش کے ساتھ دُعا ہے کہ ان کے خویش واقارب کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا ہو۔ [الولی: اپریل ۱۹۷۴ء، ص۴]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

قطب الدین شیرازی

۷۱۰ھ کے ماہ رمضان المبارک میں عالم اسلام میں جہاں کئی حوادث رونما ہوئے ہوں گے وہاں علامہ قطب الدین شیرازی کی وفات کا سانحہ بھی ہے، علامہ قطب الدین کا پورا نام اس طرح ہے: قطب الدین محمود بن ضیاء الدین مسعود گازرونی۔ ماہ صفر ۶۳۴ھ میں شہر شیراز میں آپ کی ولادت ہوئی۔

علامہ کا باپ مشہور طبیب اور مشائخ صوفیہ میں سے تھا۔ قطب الدین بھی ابتدائی عمر میں طب کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور ساتھ ہی سلوک وعرفان میں بھی قدم رکھا۔ ۱۴ رسال کی عمر میں تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور باپ کا مطب اور ہسپتال ان کے سپرد ہوا قطب الدین علم کے متلاشی تھے، ابن سینا کی مشہورِ عالم کتاب کلیات قانون کو پڑھا اور دوسری علمی اور فلسفی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔

جب مراغہ کی رصد گاہ کا کام علامہ نصیر الدین طوسی کو سونپا گیا تو قطب الدین کو وہاں جانے کا شوق دامن گیر ہوا، مراغہ کی راہ اختیار کی اور اپنے آپ کو استاذ کی خدمت میں حاضر دیکھا۔ علم ہیئت اور اشاراتِ ابن سینا کو حکیم طوسی سے پڑھا اور قانون کی مشکلات کو ان کے حکیمانہ افکار کی مدد سے حل کیا، اس کے بعد ایلخانیان مغلوں کے تصرف میں جو ریاستیں تھیں ان کی سیاحت کی اور اصفہان سے ہوتے ہوئے بغداد پہنچے پھر روم گئے اور مولانا جلال الدین رومی صاحبِ مثنوی سے ملاقات کی۔ جامع الاصول کتاب کو قونیہ میں لکھا۔ روم کے حاکم نے آپ کی بڑی عزت کی اور سیواس کا قاضی بنایا۔ سیواس میں ہی علامہ قطب الدین نے تحفة الشاہیہ کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کے بعد سفارت کے عہدہ پر احمد تکودار کی طرف سے مصر پہنچے، وہاں سے پھر شام کا سفر اختیار کیا اور شام میں درس تدریس میں مشغول ہو گئے۔

Marfat.com

علامہ قطب الدین شیرازی کی آخری تصنیف کتاب درۃ التاج ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور ابن سینا کی مشہور عالم کتاب شفاء کی طرح ہے۔ اس کتاب میں بھی علامہ نے کتاب الشفا کی طرح حکمت نظریہ کے رقیق مباحث کو لکھا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ فلسفی طریقہ میں شیخ کے ہاں مشائی حکماء کی متابعت میں جو جمود پایا جاتا ہے علامہ قطب الدین شیرازی نے اس جمود کو توڑا اور اشراقی حکماء کے ذوق کو اختیار کیا۔ کتاب کے تیسرے حصے میں حکمتِ عملی پر مبسوط بحث کی ہے یہ کتاب درۃ التاج درحقیقت ایک دائرۃ المعارف ہے، اس کے شروع میں علم کی فضیلت اور پڑھنے پڑھانے کی مزیت سے بحث ہے۔ آخر میں ایک فصل موسیقی کے متعلق ہے۔ علامہ کو ملا قطب بھی کہا جاتا ہے علامہ شیرازی کی آمدنی کافی تھی لیکن وہ سب شاگردوں میں تقسیم کردیتے تھے اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں مشہور تاج الدین علی تبریزی، قطب الدین محمد، نظام الدین نیشاپوری، کمال الدین حسن فارسی ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے دور کا یگانہ گزرا ہے۔ علامہ شیرازی خشک مزاج نہ تھے بلکہ بذلہ گو اور شاعر تھے۔ رباب بجانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، شطرنج میں تو کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ شرح مفتاح السکاکی، شرح حکمۃ الاشراق للسہروردی، شرح کلیات قانون، رسالہ برص، التحفۃ الشاہیۃ فی الہیئہ آپ کی مشہور تالیفات ہیں۔

رحمہ اللہ تعالی رحمۃً واسعۃً ......[الولی: اگست ۱۹۷۷ء، ص۴]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

مولانا محمد علی گوہر

[ایک اور] بزرگ ہیں مولانا علی گوہر صاحب صدیقی۔ مرحوم سندھ کے علمی شہر پاٹ کے صدیقی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ وہ خاندان ہے جس کے کچھ نامور علما سندھ سے ہجرت کر کے برہان پور پہنچے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کی علمی شہرت سارے برصغیر میں پہنچ گئی۔ سندھ میں اس خاندان کے بڑے بڑے علما گزرے ہیں جیسے دین محمد سیوہانی، ان کے صاحب زادے عبدالواحد سیوہانی، مخدوم فضل اللہ، مخدوم حسن اللہ اور مخدوم بصرالدین...... مرحوم مولوی علی گوہر ایک طرف عالمِ دین تھے تو دوسری طرف تصوف اور سلوک کے بڑے دلدادہ تھے اور نہایت متقی اور خدا پرست عالم تھے۔ اللہ پاک مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں داخل فرمائے اور اُن کے صاحبزادوں اور اعزہ کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: نومبر ۱۹۷۲ء، ص ۲۳۶]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

مولانا محمود اسعد

عربی زبان کی مثل مشہور ہے: مَوتُ الْعَالِمِ مَوتُ الْعَالَمِ، یعنی عالم باعمل کی موت سارے جہاں کی موت ہے۔ اس ماہ کچھ حادثہ سندھ میں واقع ہوا کہ: جنید وقت عالم باعمل مولانا حماد اللہ ہالیجوی کا حقیقی جانشین محمود اسعد صاحب دو تاریخ شوال کو رحلت فرما گئے۔ پھر کیا ہوا کہ رحلت کی یہ خبر پورے صوبہ سندھ میں پھیل گئی۔ سندھ کے جملہ اطراف سے مرحوم صاحب زادے کے معتقد اور مرید ہالیجی پہنچ گئے۔ کراچی سے بھی کئی نیک معتقدوں نے ہوائی سفر کے ذریعے سکھر اور پھر سکھر سے ٹیکسیوں میں بیٹھ کر صاحب زادہ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ اندازہ ہے کہ تیس پینتیس ہزار بندوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور حضرت مولانا حماد اللہ کے ایک خلیفہ جو باطنی علم میں شہرت کے ساتھ پورے پاکستان میں ظاہری علم کے اندر بھی یکتا مانے جاتے ہیں، مولانا عبدالکریم صاحب بیرائی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ یہ بزرگ خود بھی شدید علیل تھے، لیکن حسنِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ شدت علالت اور نقاہت کے باوجود ہالیجی پہنچ گئے۔ صاحب زادہ محمود اسعد طالب علمی کے زمانے ہی سے اپنے والد بزرگوار کے سامنے رُوحانیت کی تعلیم بھی لیتے رہے۔ ظاہری علم کا کچھ حصہ سندھ کے متبحر عالم مولانا مظہر الدین صاحب کے ہاں حاصل کیا تھا، لیکن باطنی علم کا پلڑا بھاری تھا، اس لیے اس میں لگ گئے۔ مولانا حماد اللہ صاحب آخری عمر میں دُعا و تعویذ اور رُوحانی تلقین کا کام اپنے نیک صاحب زادہ محمود اسعد صاحب سے لیتے رہتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ صاحب زادہ خلیفہ مجاز تھے۔ ویسے حضرت صاحب نے کسی بھی اپنے مرید اور معتقد کے لیے یہ اعلان نہ کیا تھا کہ وہ حضرت صاحب کا خلیفہ مجاز ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سارا سندھ کے کسرِ نفسی کا اثر تھا، ورنہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، جن کی میں نے خود تھانہ بھون میں زیارت کی تھی، ان کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کو خلافت رُوحانی عطا کرتے، تو درگاہ سے جتنے رسالے نکلتے تھے یا کتابیں

Marfat.com

چھپتی تھیں، ان میں باقاعدہ اجازت کا اعلان ہوتا تھا۔ خلیفہ مجاز کا نام اور پتہ لکھا جاتا تھا، تاکہ لوگ دھوکہ نہ کھائیں۔ یہ سارا نیت پر مدار ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے اپنے ابتدائی استاذ حضرت مولانا خوش محمد صاحب تونیہ میروخان ضلع لاڑکانہ کا قصہ میرے سامنے ہے۔ حضرت مولانا صاحب ۹۵ رسال کی عمر میں وفات پا گئے ہیں۔ میں نے دو تین ماہ پہلے میروخان جا کر ان کی زیارت کی۔ صاحبِ فراش تھے لیکن ہوش وحواس اتنا سالم کہ آپ کے پاس ورثہ کی ایک تحریر آئی۔ پہلے تو مجھے فرمایا کہ میں لکھوں۔ لیکن بعد میں فرمایا کہ: آپ کو تکلیف نہیں دیتا۔ اور خود قلم اُٹھا کر کئی مناسخوں والی تحریر لکھ ڈالی۔ میں نے حضرت استاذ سے کہا کہ مہربانی فرما کر آپ اپنی زندگی اور حالات کے سلسلہ میں سب کچھ بیان فرمادیں، تاکہ میں لکھ لوں۔ حضرت مولانا صاحب جو کہ حضرت مولانا تاج محمود امروٹی صاحب کے بڑے معتقد اور مرید تھے، فرمایا کہ: مجھے اس میں تکبر کی بو آتی ہے، اس لیے مجھے چھوڑ دیں۔ میں نے جواباً ذرا گستاخانہ انداز میں کہا کہ: حضرت مولانا! آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی سوانح عمری اپنی تحریر سے لکھی ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا آپ ان سے ظاہری یا باطنی علم میں تو فوقیت نہیں رکھتے۔ یہ سن کر حضرت استاذ آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی نیکیاں اتنی زیادہ ہیں کہ یہ ایک غلطی، اتنی نیکیوں کے مقابلے میں معاف ہو جائے گی اور اس حقیر کی اتنی نیکیاں نہیں ہیں۔ میں یہ سن کر خاموش ہو گیا۔

سندھ میں دو قومیں ایسی بستی ہیں جو فقیر کہلاتی ہیں۔ ایک تونیہ فقیر اور دوسری انڈھڑ فقیر، تونیہ سارے سندھ میں پھیلے ہوئے ہیں اور انڈھڑوں کی اکثریت سکھر ضلع میں ہے۔ ان دونوں کا تعلق غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی کی درگاہ سے ہے۔ آج تک یہ ملتان عرس کے موقع پر جاتے ہیں اور سماع کرتے ہیں، جس کو سندھ زبان میں ''سمہ'' کہا جاتا ہے۔

تونیہ فقیر دُنیاوی کاروبار میں لگ گئے اور انگریزی دور میں ان میں سے بڑے بڑے افسر پیدا ہوئے، لیکن انڈھڑوں نے اپنی قدیم روایت دین سے وابستگی کو محفوظ رکھا۔ جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے تو پاکستان بننے سے پہلے کوئی بھی انڈھڑ قوم کا فرد، انگریزی نہیں پڑھتا تھا۔ ان میں سے مولانا قمرالدین صاحب انڈھڑ گزرے ہیں۔ جو استاذ العلما تھے۔ وہ بھی اپنی قدیم روایت کو برقرار رکھتے تھے۔ انگریز کی رنگی ہوئی ازار اور سیاہ پیراہن پہنتے تھے اور یہی انڈھڑوں

Marfat.com

کا قدیم لباس تھا اور حضرت حماد اللہ صاحب ہالیجوی کی اکثر تعلیم مولانا قمر الدین صاحب کے ہاں ہوئی۔ مولانا عبدالوہاب کولاچی، مولانا محدث میر محمد نورنگی، مولانا دین محمد بٹھی والا اور میرے استاذ علامہ عبدالکریم کورائی صاحب اور دوسرے کئی جید علما، مولانا قمر الدین انڈھڑ کے تلامذہ تھے۔

مولانا حماد اللہ صاحب کا رُوحانی تعلق حضرت مولانا تاج محمود امروٹی سے ہوا، جو قادری، راشدی طریقت کے موحد بزرگ تھے۔ پھر بس انڈھڑ قوم میں انقلاب آیا۔ کچھ تو اپنے عقیدے پرستی پر قائم رہے اور کچھ ان کے مخالف رہے۔ پاکستان بننے کے بعد انڈھڑوں نے دُنیا کی طرف بھی رخ رکھا اور انگریزی بھی پڑھنے لگے اور سرکاری ملازمت بھی اختیار کی۔ میرے خیال میں پہلا نوجوان جس نے بغاوت کی، وہ حافظ ارشد انڈھڑ ہیں، جو اس وقت کلچر اور ثقافت سندھ کے ڈائریکٹر ہیں۔ مولوی عبدالواحد سندھی، سندھ کی اسی قوم انڈھر سے تعلق رکھتے تھے۔ میرے استاذ علامہ عبدالکریم صاحب کورائی کے مشورہ پر جامعہ طبیہ دہلی میں پڑھنے کے لیے چلے گئے۔ یہ ادارہ نیا نیا وجود میں آیا تھا انٹرتک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد جامعہ طبیہ دہلی میں پرائمری کے استاذ مقرر ہوئے۔ وہاں ایک جیلانی سادات کی لڑکی سے شادی کی۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی آئے اور وہیں سکونت اختیار کی ان کا آبائی شہر پنو عاقل ضلع سکھر تھا۔ مولانا حماد اللہ صاحب نے رسوم کو توڑا۔ اور بدعتیں بھی ختم کیں۔ صاحب زادہ محمود اسعد صاحب مرحوم بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بدعات و رسومات کے سخت مخالف تھے۔ مگر مجھے معذرت کے ساتھ یہ کہنا پڑھتا ہے کہ جہاں پیری و مریدی کا سلسلہ بطور رسم چلتا ہے۔ وہاں آگے چل کر ایسے ہی بدعتیں دیکھنے میں آتی ہیں اور عقیدت میں جمود اور افراط نظر آتا ہے۔ جس سے ہمارے موحد اپنے مخالفوں پر اعتراض کرتے ہیں۔

اس بڑے المیہ سانحہ پر ہم بہت ہی افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور صاحب زادہ صاحب کے جملہ فرزندوں خاص طور پر مولانا عبدالصمد صاحب کے ساتھ اس حزن و ملال میں شریکِ غم ہیں۔ اس طرح اس درگاہ سے منسلک جملہ مریدین و معتقدین سے بھی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اُن کے لواحقین کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ [الولی: جولائی ۱۹۹۰ء، ص ۲-۴]

Marfat.com

مولانا محمد مدنی

کسی انسان کا اس دُنیا میں آنا اصل میں اُخروی زندگی کے سنوارنے کے لیے ہوتا ہے اس لیے دُنیا کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں کوئی انسان رحلت نہ کرتا ہو، جو یہاں آئے گا اس کو آخرت کا سفر ناگزیر ہے۔ لیکن موت کی مجبوری کے ساتھ کچھ بزرگ اور احباب ایسے ہوتے ہیں جن کی جدائی اور رحلت پر دل کا جلنا اور آنسو کا بہنا اضطراری ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

القلب من فرقة الخلان یحترق　　والدمع کالدر فی الخدین یستبق

یعنی ''دوستوں کی فرقت اور جدائی سے دل جل رہا ہے اور آنسو موتی کے دانوں کی طرح گالوں پر بہہ رہے ہیں''۔

اس ماہ کا بڑا سانحہ حضرت مولانا محمد مدنی کا انتقال ہے۔ مولانا موصوف حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے سندھ میں آخری تلامذہ میں سے تھے، جنھوں نے اپنی ساری زندگی اسلام کے لیے وقف کردی تھی۔ آپ کی پیدائش ۱۸۹۶ء میں ضلع حیدرآباد کی تحصیل ہالا میں ایک ہندو کے گھر میں ہوئی۔ نو برس کی عمر میں ان کے والد کی وفات ہوئی اور وہ اپنے آپ کو شاہ عبداللطیف بھٹائی کا فقیر کہلاتا تھا۔ والد کے سایہ عاطفت کے اترنے کے بعد کچھ عرصہ والدہ کے زیرتربیت رہے، جب وہ بھی وفات کرگئی تو ماموں نے آپ کو پالا۔ تیرہ برس کی عمر میں ان کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی اور یہ بھی کسی کی تبلیغ سے نہیں بلکہ اسکول میں اسلام پر سندھی کی کتابوں کے مطالعہ سے ان کو یہ ہدایت حاصل ہوئی کہ مخفی طور پر نماز پڑھنا بھی شروع کردیا۔ ایک دن کسی ہندو لڑکے نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا جس نے جا کر ان کے ماموں اور دوسرے رشتہ داروں کو بتایا جنھوں نے اس معصوم بچے کو بانس کی لکڑی سے ایسا مارا

Marfat.com

کہ لکڑی ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد یہ بچہ اپنے رشتہ داروں کو خیر باد کہہ کر بھاگ نکلا اور عمر کوٹ سندھ پہنچا۔ وہاں سے کچھ حاجی بمبئی جا رہے تھے، ان کے ساتھ روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا اور وہاں پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ شریف حسین کی گورنری کا زمانہ تھا اور عرب میں ترکوں کی حکومت تھی۔

ایک مرتبہ شریف حسین کے صاحبزادے فیصل نے مولانا مدنی سے مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں امتحان لیا تھا، وہ اتنے متاثر ہو گئے کہ آپ کو مکہ مکرمہ ساتھ لے گئے اور وہاں شیخ الاسلام مکہ کی تربیت اور تعلیم کے ماتحت رکھ دیا۔ اس طرح مولانا مدنی برابر دو سال مکہ مکرمہ میں تعلیم لیتے رہے۔ اور پھر مدینہ منورہ آگئے۔

اس دور میں مولانا حسین احمد مدنی عالمِ شباب میں مسجدِ نبویؐ میں پڑھاتے تھے اور مولانا محمد مدنی کو آپ سے بھی پڑھنے کا موقع ملا۔ مختصر المعانی اور دوسری کتابیں مولانا حسین احمد مدنی سے پڑھیں بلکہ اُنھوں نے مجھے بتایا کہ مولانا حسین احمد صاحب خاص طور پر ان کی دیکھ بھال فرماتے تھے۔ اس دور میں مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحب بھی حرمین آئے تھے۔ شریف حسین نے ترکوں سے بغاوت کر دی تھی۔ شیخ الہند نے مدینہ منورہ میں قیام کے زمانہ میں مشکوٰۃ شریف کا درس دینا شروع کیا تھا، قاری، مولانا حسین احمد صاحب تھے اور دوسرے سامع تھے۔ ان میں مولانا محمد مدنی صاحب بھی تھے، اس طرح آپ کو شیخ الہند کا تلمذ بھی حاصل ہوا اور جب ریشمی رومال کی تحریک شروع تھی تو مولانا محمد صاحب نے اپنے آپ کو حضرت شیخ الہند کے سامنے پیش کیا کہ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی طرف کابل میں لے جاؤں گا، اس کی حضرت شیخ الہند کے بعض رفقاء نے یہ کہہ کہ مخالفت کی کہ یہ عمر کا چھوٹا ہے ہوسکتا ہے کہ ان سے راز ظاہر ہو جائے۔

بہر حال مولانا محمد صاحب مہاجر مدنی نے سات برس مدینہ منورہ میں اور تین برس مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور پھر مولانا حسین احمد صاحب کے کہنے پر براستہ بمبئی دارالعلوم دیوبند چلے گئے وہاں تین سال پڑھتے رہے۔ آپ کے ساتھیوں میں مولانا قاری محمد طیب صاحب حال مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا بدر عالم صاحب جامع فیض الباری، مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور دوسرے اکابر شاگرد تھے، شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کشمیری تھے۔ سالانہ امتحان میں مولانا

Marfat.com

محمد صاحب مدنی سندھی اول آئے اور مولانا بدر عالم دوم نمبر آئے۔ وہاں سے پھر مکہ مکرمہ واپس چلے گئے۔ اسی اثناء میں حکیم اجمل خاں سے بھی آپ کی علمی اور اُدبی صحبتیں اور ملاقاتیں رہیں، کیونکہ حکیم صاحب عربی اُدب کے بڑے دلدادہ تھے۔

مولانا مدنی مرحوم حرم مکہ میں سالہا سال پڑھاتے رہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی بھی حرم مکہ میں پہنچ چکے تھے۔ ان سے قرآن مجید کا ترجمہ مکمل پڑھا اور کئی ہزار اوراق پر نوٹ لکھے جو آپ کے ہاں محفوظ تھے۔ استاذ مولانا سندھی کے کہنے پر مکہ مکرمہ سے کراچی سندھ آئے اور یہاں ایک مدرسہ کھولا جس کو انگریزی حکومت نے بند کر دیا اور آپ کی کچھ کتابوں پر بندش بھی پڑی۔ اس کے بعد آپ سندھ مدرسۃ الاسلام میں عربی اور اسلامیات کے اُستاذ مقرر ہوئے جہاں آپ سے بیسیوں شاگردوں نے فیض حاصل کیا۔

مولانا مرحوم نے تالیف وتصنیف کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ قرآن مجید کا سندھی ترجمہ لکھا جو کئی بار چھپ چکا ہے۔ مولانا موصوف عربی اُدب اور میراث کے ماہر تھے، میراث میں دو رسالے ایک عربی اور دوسرا اُردو میں لکھے۔ دونوں چھپ چکے ہیں۔ قرآن مجید کی ایک ضخیم لغت بھی لکھی تھی جو چھپ نہ سکی۔

آپ پچاسی سال کی عمر میں ۶ رمحرم ۱۳۹۹ھ مطابق ۷ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو کراچی میں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

بارگاہِ الٰہی میں التجا ہے کہ اللہ پاک، مرحوم کو خطیرۃ القدس کی رفاقت نصیب فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: نومبر ۱۹۷۸ء، ص ۲-۴]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

مولانا حافظ محمد معروف

مولانا حافظ محمد معروف صاحب قصبہ ٹیاری کے رہنے والے تھے فقہی تحریرات اور شرعی مسائل کی تحقیق آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ روزانہ کئی شرعی فیصلے آپ کے سامنے پیش ہوتے تھے اور بڑی خوش اُسلوبی سے ان کا فیصلہ دیتے تھے۔ آپ نے اکثر تعلیم نصر پور ضلع حیدر آباد میں مولانا عبدالحق صاحب ربانی اور مولانا قاضی احمد صاحب سے حاصل کی تھی۔ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی سے قادری طریقت میں بیعت بھی تھے اور سنا ہے کہ آپ کو اس میں اپنے پیر طریقت سے خرقہ خلافت بھی عطا ہوا تھا۔ آپ پر ظاہری علوم کا غلبہ تھا۔ اس لیے کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ ظاہری علوم میں تبحر کے ساتھ باطنی علوم کے بھی شیخ طریقت ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ [ان] کو اپنی رحمت کے آغوش میں رکھے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

[الولی: جنوری ۱۹۸۱ء، ص۴]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

ممتاز حسن

کہنے کو تو یہ دُنیا فانی ہے، جو یہاں آتا ہے اس کو ایک نہ ایک دن اس کو چھوڑ کر موت کے بلاوے پر عالم جاودانی کی طرف جانا پڑتا ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن کی پوری زندگی انسانی ہمدردی، علم و اَدب کی اشاعت اور دوسروں کی خدمت اور اور حاجت روائی میں گزرتی ہے۔ ایسے لوگوں کی جدائی اور انتقال سے دُنیا میں جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ مستقبل قریب میں پُر نہیں ہوتا۔ ہمارے عزیز دوست جناب ممتاز حسن صاحب مرحوم بھی ایسے ہی لوگوں میں تھے جو ساری زندگی علم و اَدب کی خدمت اور دوسروں کی حاجت روائی میں رہے۔ پاکستان کا کوئی ایسا علمی ادارہ شاید ہی ہوگا جس کی رہنمائی اور امداد ممتاز حسن صاحب نے نہ کی ہو۔ پاکستان کے عظیم علمی ادارے سندھی اَدبی بورڈ کی اکثر مطبوعات مرحوم کی طرف سے دلوائی گئی امداد کی بدولت ہیں۔ مرحوم سے ہمارا تعارف اس زمانہ میں ہوا جب نیا نیا پاکستان بنا تھا اور جناب پیر حسام الدین صاحب راشدی کی مساعی سے ایسی پاک و ایران ثقافتی مجلس وجود میں آچکی تھی جس کے اکثر ممبر دانشور اور ادیب تھے۔ جناب ممتاز حسن صاحب اس مجلس کے سرگرم رُکن تھے، میں بھی بحیثیت ممبر اس مجلس کی کارروائی میں شامل ہوتا تھا اس طرح مجھے مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سُننے کا موقع ملا۔ پھر تو یہ تعلق اور رابطہ ہمیشہ کے لیے استوار ہوگیا۔ مرحوم جب بینک دولت پاکستان کے گورنر تھے اور میں کراچی سے حیدر آباد سندھ چلا گیا تھا تو جب بھی آپ حیدر آباد تشریف لاتے تو میرے غریب خانہ پر ملاقات کے لیے آجاتے، یہ سب کچھ ان کی علم پروری کا نتیجہ تھا۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم ممتاز حسن کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے اعزہ واقربا کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین [الولی: اکتوبر ۱۹۷۴ء، ص ۱۹۵-۱۹۶]

Marfat.com

مہدی شاہ جھنڈ یوالہ

اس ماہ ہمارے دو محترم بزرگ جن کا ولی اللّٰہی تحریک سے قریبی تعلق تھا۔ ہم سے رُخصت ہو گئے ہجرت سے قبل مولانا عبیداللہ سندھی کی عمر کا ایک حصہ سرزمین سندھ کے مشہور صاحبِ طریقت بزرگ حضرت پیر رشداللہ صاحب العلم خلافت والہ کے ساتھ مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو میں گزرا تھا ان کے فرزندِ رشید صاحب جناب پیر مہدی شاہ جھنڈیوالہ صاحب پچھلے دنوں انتقال فرما گئے ہیں۔ مرحوم بڑے علم دوست اور مخیّر بزرگ تھے۔ ۱۹۳۹ء میں جب مولانا سندھی واپس وطن آئے اور آپ نے سندھ میں علومِ ولی اللّٰہی کی نشر و اشاعت کی ازسرنو کوششیں شروع کیں اور اس ضمن میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈو میں بیت الحکمۃ کی بنیاد رکھی گئی تو پیر مہدی شاہ صاحب نے اس کی مالی سرپرستی فرمائی تھی۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے اور اُن کی ذات مصدرِ فیوض تھی اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمتِ شاملہ سے نوازے اور دارالبقا میں درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔ [الرحیم: فروری ۱۹۶۵ء، ص ۴]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

ڈاکٹر نور محمد

خدا کی مشیت اور تقدیر کے آگے اس کی مخلوق کی حیثیت کچھ نہیں ہے۔ انسان کا کام صرف سر تسلیم خم کرنا اور صبر آزما مرحلوں میں اپنے ایمان کو بچانا اور صبر سے کام لینا ہے۔ جامعہ سندھ کے نوجوان اور ذہین استاذ کی جو اس سال میں بیرون ملک تھے اُن کی موت ایسا ہی صبر آزما معاملہ تھا۔ حکام تالپور کے چشم و چراغ ڈاکٹر نور محمد صاحب کی اٹلی میں دل کی حرکت بند ہونے سے چالیس برس کے عالمِ شباب میں موت واقع ہوئی۔ موصوف علمی دورے پر گئے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر سیّد وڈل شاہ

سندھ یونیورسٹی کے شعبہ کیمیا کے سربراہ ڈاکٹر وڈل شاہ صاحب کا چالیس برس کے عالمِ شباب میں حال ہی میں ملک سے باہر ناروے میں انتقال ہوا اور بعد میں آپ کے جسد خاکی کو پاکستان میں لاکران کے آبائی گاؤں ''تعلقہ ہالا'' میں دفن کیا گیا۔ ڈاکٹر سیّد وڈل شاہ کو ناروے میں ان کے کمرے میں دو دن کے بعد مردہ پایا گیا۔ تشخیص وہی حرکتِ قلب کا بند ہونا تھا۔ دونوں مرحوم نہایت نیک اور صوم وصلوٰۃ کے پابند اور خوش اخلاق تھے۔ ان کی ناگہاں جدائی سے جو جامعہ سندھ اور دوسرے علمی حلقوں کو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی مستقل قریب میں نظر نہیں آتی۔

اس اندوہناک صدمہ میں ہم مرحوم کے بھائیوں اور دوسرے ورثا کے ساتھ شریکِ غم ہیں۔ اور یہ دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرے اور ورثا کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرے۔ آمین [الولی: جنوری ۱۹۷۶ء، ص۴]

❁......❁❁❁......❁

Marfat.com

حکیم ہاشم جان

علمی اور اَدبی حلقوں میں یہ خبر بڑے دکھ سے سنی گئی کہ سندھ کے ایک علمی اور رُوحانی سرہندی خاندان کے عظیم عالم اور ادیب مولانا حکیم حافظ محمد ہاشم جان سرہندی [پ:۱۹۰۲ء] رحلت فرما گئے یہ علمی دُنیا کا ایک ایسا عظیم خال ہے کہ جس کی قریبی زمانہ میں تلافی نظر نہیں آتی۔ مرحوم کے خاندان کا سندھ سے پرانا تعلق ہے، ان کے اسلاف میں سے خواجہ صفی اللہ پہلے بزرگ ہیں، جن سے عبدالواحد سیوستانی صاحب البیاض اور ابراہیم ٹھٹوی، محمد ہاشم کے پوتے نے رُوحانی فیض حاصل کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

میاں عبدالنبی کلہوڑا کی خواجہ صفی اللہ صاحب نے تیمور شاہ کے دربار افغانستان میں سفارش کی تھی اور تالپور حکمرانوں کے خلاف مہم شروع ہونے والی تھی کہ مرحوم قیصر خاں نظامانی میر صاحبان کی طرف سے وفد لے کر کابل پہنچے اور خواجہ صاحب کو راضی کر دیا جس سے یہ حملہ دفع ہوگیا۔ خواجہ صفی اللہ صاحب اپنے حلقہ مریدوں کے ساتھ سندھ تشریف لائے اور مرحوم قیصر خان نظامانی نے آپ کے سفرِ حج کے لیے بڑی رقم نذر کی اور خواجہ صاحب عازمِ حرمین ہوئے لیکن راستہ میں ہی حدیہ بندر میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

افغانستان کے پھر دوسرے بزرگ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب نقشبندی سرہندی تھے جو سندھ میں تشریف لاتے تھے اور یہاں کے فیض باطنی کے پیاسوں کو سیراب فرماتے تھے۔ بیسیوں خلفا آپ کی تربیت سے پیدا ہوئے۔ شمالی سندھ میں مولانا عبدالرحمٰن سکھر والے آپ کے خاص خلفا میں سے تھے۔ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کے جنوبی سندھ میں ٹکھڑ کے سادات خاص طور پر معتقد تھے۔ جن کے اصرار پر خواجہ صاحب نے ترک وطن کر کے ٹکھڑ میں سکونت اختیار کی اور وہیں مدفون ہوئے۔ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کے مسند پر ان کے صاحب زادے

Marfat.com

مولانا خواجہ محمد حسن صاحب بیٹھے، وہ بھی باپ کی طرح صاحب فیض باطنی تھے اور ظاہری علم کے بھی یکتائے روزگار تھے، کئی کتابیں تالیف فرمائیں، خواجہ محمد ہاشم جان آپ کے چھوٹے صاحب زادہ تھے جو باپ کی طرح صاحب علم وعمل تھے۔ آپ کی تعلیم اجمیر میں مولانا معین الدین صاحب اجمیری کے ہاں ہوئی۔ مولانا معین الدین صاحب برصغیر کے بہت بڑے متبحر عالم تھے۔ آزادیٔ وطن کی تحریک میں علمائے دیوبند اور دہلی کے ساتھ ساتھ کام کیا، کئی بار اسیر فرنگ بھی رہے مگران کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا، آپ نے قطبی پر جو اُردو میں شرح لکھی ہے، وہ بھی قید و بند کی حالت میں لکھی تھی اور یہ وہ اسباق تھے جو جیل سے مرحوم ہاشم جان صاحب سرہندی کے لیے لکھ کر بھیجتے تھے اور یہ شرح تصورات کا حصہ چھپ چکا ہے۔

مرحوم خواجہ محمد ہاشم جان کو نادر اور قلمی کتابوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ تالیفاتِ علمائے سندھ کو خاص طور پر جمع فرماتے تھے اور آپ کا کتب خانہ نادرِ روزگار کتابوں کا مجموعہ تھا، آپ موسم گرما میں کوئٹہ میں سکونت کرتے تھے، وہاں بھی آپ کی جائداد تھی اور اکثر کتابیں کوئٹہ میں تھیں اور کچھ کراچی میں۔ دُعا ہے کہ اللہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ [الولی: اگست ۱۹۷۵ء، ص ۳-۴]

❁……❁❁……❁

Marfat.com

مولانا محمد یوسف بنوری

۱۷؍اکتوبر ۱۹۷۷ء میں پاکستان کے نامور عالم، محدث اور ادیب مولانا محمد یوسف بنوری [پ:۱۹۰۶ء] کا اچانک انتقال علمی دُنیا کا ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ اور یہ ایک ایسا علمی خال ہے کہ مستقبل قریب میں اس کے پر ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔ مرحوم کی نسبی وجاہت ایک طرف تھی تو تحصیل ملکات کے لیے اکتساب اور بے تحاشا جدوجہد دوسری طرف، ان دونوں نے مولانا بنوری کو فرش سے عرش تک پہنچا دیا۔ مرحوم کی یہ خوش قسمتی کہ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری جیسے عظیم محدث سے ان کی خصوصی تربیت ہوئی، بارہا ہماری مولانا مرحوم سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بنوری مرحوم اپنے اُستاذ علامہ کشمیری کے علوم کے صحیح حامل اور فنا فی الشیخ تھے۔ بے شک ایسے شیخ اور استاذ کے حق میں ایسا ہی احترام اور اُدب ہونا چاہیے جیسا مولانا بنوری کو اپنے استاذ کے لیے تھا۔ جس طرح علامہ کشمیری کی تحقیق کا محور اسلاف کی تالیفات اور احناف کی تائید تھی، اسی طرح اس ادیب شاگرد کا بھی وطیرہ یہی تھا، بلکہ اس میں کچھ اور آگے بڑھ گئے تھے، کیونکہ مرحوم نے دُنیا کے ایک دوسرے حنفی محقق عالم اور محدث علامہ کوثری سے بھی استفادہ کیا تھا۔

علامہ کوثری اس حمایت میں علامہ کشمیری سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا بنوری نے مشکلات القرآن کے مقدمہ میں علمائے حقانیہ کے سلسلے میں چالیس پچاس سال قبل جن علما کا ذکر کیا تھا، علامہ کوثری سے متاثر ہونے کے بعد نئے ایڈیشن سے علامہ کشمیری کے رفیق درس اور ساتھی استاذِ محترم علامہ عبیداللہ سندھی کا نام نامی خارج کر دیا تھا۔ بہر حال یہ بھی ان کی دینی صلابت کا ردِعمل تھا، جس کو ہم تحقیقی میدان میں برا نہیں سمجھتے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اپنی زبان کو اسلاف کے حق میں آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔

Marfat.com

مولانا بنوری صرف لفظی عالم نہ تھے بلکہ صاحبِ حال بھی تھے۔ سندھ کے عظیم مرشد مولانا حماد اللہ صاحب سے دستِ بیعت بھی تھے، سلوک اور تصوف کا مرحوم میں نمایاں اثر معلوم ہوتا تھا، اگر کسی سے علمی اختلاف بھی ہوتا تھا تو وہ اپنی جگہ تھا، ان سے دوستی اور رواداری میں کوئی کسر نہیں اٹھاتے تھے، اخلاقِ حمیدہ کے مالک اور بڑے مہمان نواز تھے۔ اس وقت جب کہ اسلامی قانون کی تشکیل کے لیے کوشش ہو رہی ہے مرحوم جیسے محقق اور اپنے نظریے اور عقیدے میں متصلب عالم کی بڑی ضرورت تھی۔

اللہ سے دُعا ہے کہ مولانا مرحوم کی اولاد، مولانا طاسین صاحب اور دوسرے متوسلین کو صبر کی توفیق عطا ہو۔ [الولی: نومبر ۱۹۷۷ء، ص ۳-۴]

❁.....❁❁.....❁

Marfat.com

مولانا محمد یوسف [امیر تبلیغی جماعت]

برصغیر پاک و ہند کی مشہور تبلیغی جماعت کے امیر جناب مولانا محمد یوسف صاحب [پ:۱۹۱۷ء] کے انتقال کا صدمہ تمام اسلامی حلقوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا ہے، مرحوم و مغفور تبلیغی جماعت کے اجتماع کے سلسلے میں مغربی پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے۔ ۱۲/اپریل ۱۹۶۵ء کو بروز جمعہ آپ کو قلب کا دورہ پڑا اور اسی دن آپ اپنے مالک حقیقی کے ہاں پہنچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات کے بعد ان کی قائم کردہ تبلیغی جماعت کے کام کو آپ نے بڑی خوبی سے جاری رکھا تھا اور آپ کی کوششوں سے اس میں کافی توسیع بھی ہوئی۔ دہلی کی نظام الدین اولیا کی چھوٹی سی بستی سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی بابرکت ذات سے اشاعتِ اسلام کا جو چشمہ جاری ہوا تھا، مولانا محمد یوسف صاحب کی جانشینی کے دور میں اُس کے حلقۂ فیضان کی حدیں بہت دور دور تک پھیل گئیں۔ اور اللہ کے دین کی اشاعت و تبلیغ کے لیے وقت نکال کر شہر شہر اور ملک ملک پھرنا ہمارے بہت سے سعادت مند نوجوانوں کا مطمحِ زندگی بن گیا۔ ہر قسم کی فرقہ وارانہ تنگ ذہنیت سے بلند ہو کر اسلام کی زبانی و عملی تبلیغ کا جو نظام مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنی زندگی میں قائم کیا تھا۔ ان کے مرحوم و مغفور صاحب زادے نے اسے اور وسعت و استحکام بخشا اور ہزار ہا ہزار افراد اس سے متاثر ہوئے، یہ اسلام اور مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت ہے جو یقیناً ربّ العالمین کی بارگاہ میں مشکور ہوگی اور مرحوم و مغفور کو اُخروی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ ہمیں اُمید ہے کہ ان بزرگوں کے جاری کیے ہوئے کام کو اور آگے بڑھانے والوں کی کمی نہیں ہوگی اور خدا نے چاہا تو یہ چشمۂ فیض برابر جاری رہے گا۔ آمین [الرحیم: مئی ۱۹۶۵ء، ص۴]

Marfat.com

Marfat.com

حصہ سوم:

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ

[خودنوشت، سفرنامے]

Marfat.com

عکس خود نوشت سوانحی خاکہ علامہ ابوسعید غلام مصطفیٰ القاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ

سوانحی خاکہ

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی ولد الحاج الحافظ محمود رحم

(۱) تاریخ ولادت جون ۱۹۲۲ء لاڑکانہ سندھ پاکستان

(۲) ابتدائی تعلیم مدرسہ نظامی [illegible] تحصیل [illegible] ضلع لاڑکانہ سندھ در خدمت علامہ عبدالکریم کورائی، شاگرد مشہور عالم مولانا محمد اسماعیل ابڑائی سندھی۔ شاگرد مولانا فضل حق خیرآبادی، شاگرد شاہ عبدالقادر محدث ابن شاہ ولی اللہ دہلوی۔

(۳) دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند انڈیا۔ (شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی)

(۴) مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی (دہلی) (۱۹۳۶ء)

(۵) [illegible] (مولانا [illegible]) [illegible] دہلی۔

(۶) دارالرشاد پیر جھنڈو سندھ (مولانا عبیداللہ سندھی) ترجمہ قرآن [illegible] شاہ ولی اللہ

(۷) شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ [illegible] تحصیل شکارپور سندھ ۱۹۴۱ء

(۸) شیخ الحدیث بیت الحکمۃ [illegible] ضلع لاڑکانہ سندھ

(۹) شیخ الحدیث [illegible] ضلع سکھر سندھ ۱۹۴۷ء پاکستان

(۱۰) شیخ الحدیث مدرسہ [illegible] کراچی ۱۹۴۸ء " ۳۰ سال پڑھایا

(۱۱) استاد سندھ مسلم کالج کراچی (لیکچرر)

(۱۲) ۱۹۶۳ء ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ پاکستان

(۱۳) وزیٹنگ پروفیسر سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ پی ایچ ڈی کے [illegible] اس سلسلہ میں اردو، سندھی، فارسی، عربی، انگریزی [illegible] تقریباً ۲۲ پی ایچ ڈی [illegible] ۱۹۷۹ء۔

(۱۴) چیئرمین سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ (دس سال تک)

(۱۵) تصنیف و تالیف (۱) [illegible]

۲۔ تفسیر سورۃ سبا سندھی املاء مولانا عبیداللہ سندھی ۱۹۴۵ء

(۳) رسالہ [illegible] ۱۹۵۳ء پاکستان

عکس: خودنوشت سوانحی خاکہ علامہ ابوسعید غلام مصطفیٰ القاسمیؒ

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی ولد الحافظ الحاج محمودؒ

- تاریخ ولادت جون ۱۹۲۴ء۔ لاڑکانہ سندھ پاکستان
- ابتدائی تعلیم درس نظامی کورسلیمان تحصیل قمبر ضلع لاڑکانہ سندھ
  درخدمت علامہ عبدالکریم کورائی شاگرد معمر عالم مولانا مہر اسماعیل بڑائی سندھی
  شاگرد مولانا فضل حق خیر آبادی، شاگرد شاہ عبدالقادر دہلوی ابن شاہ ولی اللہ دہلوی۔
- دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند انڈیا۔ (شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی)
- مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی (......) (۱۹۳۹ء)
- طبیب فاضل ...... (استاذ الحکما مولانا حکیم جسل الدین صاحب استاد حکیم اجمل خان دہلوی......
  دواخانہ صدیقہ ماڑہ ہندورواہ دہلی۔
- دارالرشاد پیر جھنڈو سندھ (مولانا عبیداللہ صاحب سندھی) ترجمہ قرآن مجید وفلسفہ شاہ ولی اللہ صاحب
- شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ گوروپہوڑ تحصیل شکار پور سندھ ۱۹۴۱ء
- شیخ الحدیث بیت الحکمۃ میر پور...... بھٹو، ضلع لاڑکانہ سندھ
- شیخ الحدیث گھونکی ضلع سکھر سندھ ۱۹۴۷ء پاکستان
- شیخ الحدیث مدرسہ...... کراچی ۱۹۴۸ء پاکستان
- استاد سندھ مسلم کالج کراچی (لیکچرار)
- ۱۹۶۳ء ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ پاکستان
- وزیٹنگ پروفیسر سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ (پی ایچ ڈی کے لیے) اس سلسلہ میں اردو، سندھی، فارسی، سرائکی، عربی، اسلامک کلچر وغیرہ میں تقریباً ۳۲ پی ایچ ڈی......
- چیئرمین سندھی اَدبی بورڈ حیدرآباد سندھ (دس سال کے لیے) ۱۹۷۹ء
- تصنیف وتالیف (۱) مفید الکلیہ عربی منطق جید برقی پریس دہلی، مکتبہ اعزازیہ دیوبند......
  (۲) تفسیر سورۃ سبا سندھی...... مولنا عبیداللہ سندھی ۱۹۴۵ء (۲) رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی......
  (مقدمہ معانی کے ساتھ) ۱۹۵۳ء، پاکستان

Marfat.com

عکس خود نوشت سوانحی خاکہ علامہ الاسعید غلام مصطفیٰ القاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ

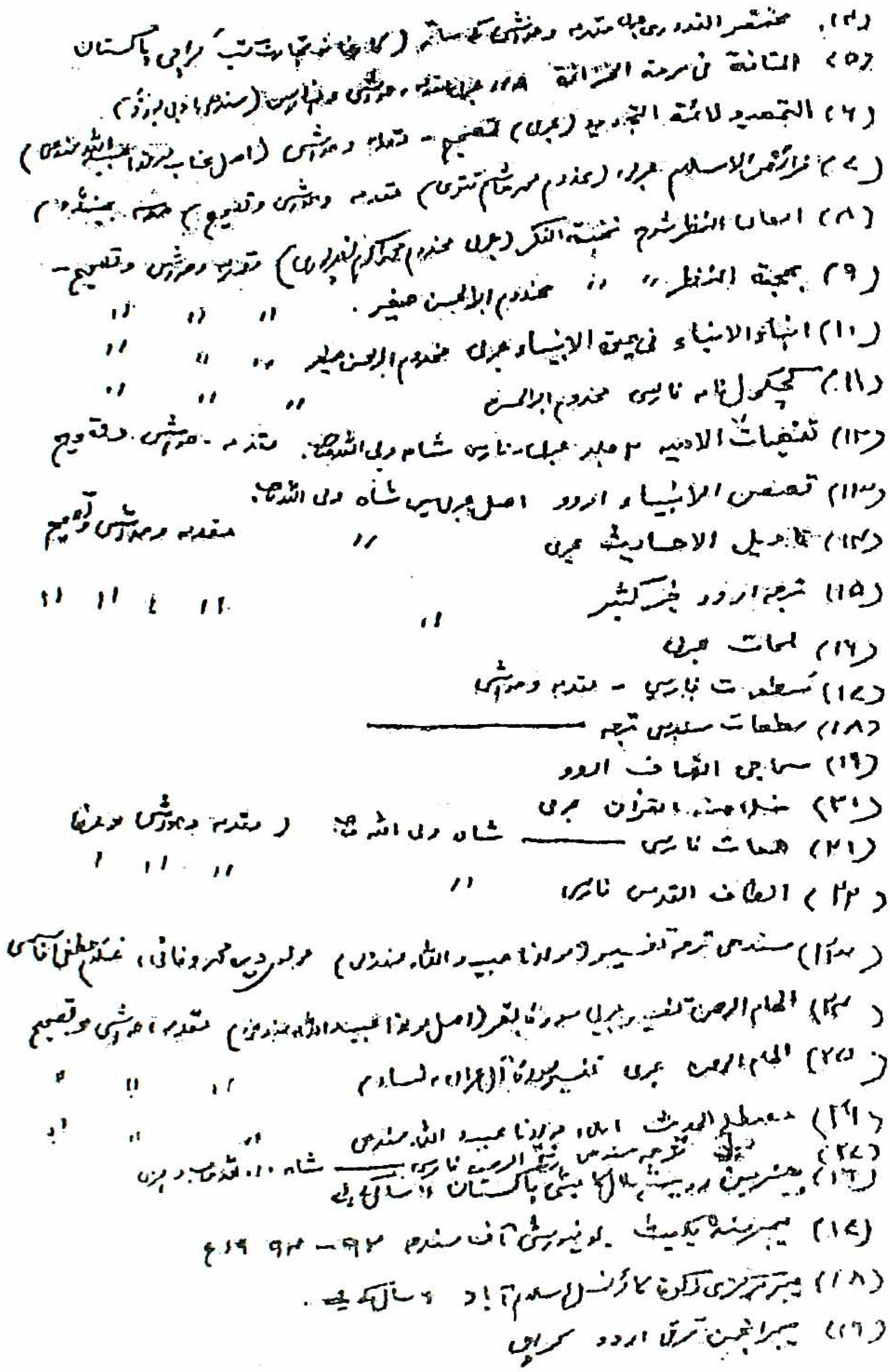
(۴) مختصر القدوری عربی مقدمہ وحواشی کے ساتھ (کارخانہ تجارت کتب کراچی پاکستان)
(۵) التاسعة فی مرمة الخزانة ۱۱۸ عربی مقدمہ، حواشی و فہارس (سندھی ادبی بورڈ)
(۶) التمهيد لائمة التجديد (عربی) تصحیح - مقدمہ و حواشی (اصل عبارت مولانا عبیداللہ سندھی)
(۷) فرائض الاسلام عربی (مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی) مقدمہ و حواشی و تصحیح
(۸) اسعاف النظر شرح نخبة الفکر (عربی مخدوم محمد اکرم نصرپوری) مقدمہ و حواشی و تصحیح
(۹) بهجة النظر " " مخدوم ابوالحسن صغیر.
(۱۰) انباء الانباء فی حیوة الانبیاء عربی مخدوم ابوالحسن صغیر " " " "
(۱۱) مکتوبات امام فارسی مخدوم ابوالحسن " " "
(۱۲) تفہیمات الٰہیہ ۲ جلد عربی فارسی شاہ ولی اللہؒ مقدمہ - حواشی و تصحیح
(۱۳) قصص الانبیاء اردو اصل عربی شاہ ولی اللہؒ
(۱۴) تاویل الاحادیث عربی " مقدمہ و حواشی و تصحیح
(۱۵) شرح اردو خیر کثیر " " " " "
(۱۶) لمحات عربی
(۱۷) سطعات فارسی - مقدمہ و حواشی
(۱۸) سطعات سندھی ترجمہ ———
(۱۹) [illegible] الطاف القدس اردو
(۲۰) [illegible] عربی
(۲۱) ہمعات فارسی ——— شاہ ولی اللہؒ مقدمہ و حواشی و تصحیح " " "
(۲۲) الطاف القدس فارسی "
(۲۳) سندھی ترجمہ تفسیر (مولانا عبیداللہ سندھی) [illegible]، غلام مصطفیٰ قاسمی
(۲۴) الہام الرحمن تفسیر عربی سورۂ البقرہ (اصل مولانا عبیداللہ سندھی) مقدمہ، حواشی و تصحیح
(۲۵) الہام الرحمن عربی تفسیر سورۂ آل عمران، النساء " " "
(۲۶) مصطلح الحدیث اردو مولانا عبیداللہ سندھی " " "
(۲۷) ترجمہ سندھی [illegible] الرحمت فارسی ——— شاہ ولی اللہؒ
(۱۶) چیئرمین [illegible] پاکستان [illegible]
(۱۷) ممبر سینڈیکیٹ یونیورسٹی آف سندھ ۹۲–۹۴ ۱۹ء
(۱۸) ممبر [illegible] اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد ۶ سال تک رہے.
(۱۹) ممبر انجمن ترقی اردو کراچی

Marfat.com

عکس: خودنوشت سوانحی خاکہ علامہ ابوسعید غلام مصطفیٰ القاسمیؒ

(۴)مختصر القدوری، عربی مقدمہ و حواشی کے ساتھ (کارخانہ تجارت کتب کراچی پاکستان)......
(۵)المحاتۃ فی مرحۃ الخزانۃ ۱۴۸، عربی مقدمہ و حواشی و فہارس (سندھی ادبی بورڈ)......
(۶)التمہید لائمۃ التجدید (عربی) تصحیح مقدمہ و حواشی (اصل کتاب مولانا عبیداللہ سندھی)......
(۷)فرائض الاسلام عربی (مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی) مقدمہ و حواشی و تصحیح مدرسہ بھینگہ والا......
(۸)اعمان النظر شرح نخبۃ الفکر (عربی مخدوم محمد اکرم......) مقدمہ و حواشی و تصحیح...... (۹)بھجۃ النظر شرح نخبۃ الفکر مخدوم ابوالحسن صغیر، مقدمہ و حواشی و تصحیح...... (۱۰)انباء الانباء فی حیٰوۃ الانبیاء عربی مخدوم ابوالحسن صغیر، مقدمہ و حواشی و تصحیح...... (۱۱) کچکول نامہ فارسی مخدوم ابوالحسن صغیر، مقدمہ و حواشی و تصحیح...... (۱۲)تفہیماتِ الٰہیہ ۲ جلد عربی۔ فارسی شاہ ولی اللہ صاحب، مقدمہ و حواشی و تصحیح...... (۱۳)قصص الانبیاء اردو، اصل عربی میں شاہ ولی اللہ صاحب...... (۱۴)تاویل الاحادیث عربی، اصل شاہ ولی اللہ صاحب، مقدمہ و حواشی و تصحیح...... (۱۵)ترجمہ اُردو خیر کثیر، اصل شاہ ولی اللہ صاحب، مقدمہ و حواشی و تصحیح...... (۱۶) لمحات عربی...... (۱۷)سطعات فارسی۔ مقدمہ و حواشی...... (۱۸)سطعات سندھی ترجمہ...... (۱۹)سماجی انصاف اردو......
(۲۰)خلاصۃ القرآن عربی...... (۲۱)ہمات فارسی......شاہ ولی اللہ صاحب (مقدمہ و حواشی و ......(۲۲)الطاف القدس فارسی شاہ ولی اللہ صاحب (مقدمہ و حواشی و...... (۲۳)سندھی ترجمہ تفسیر (مولانا حبیب اللہ سندھی) مولوی دین محمد وفائی، غلام مصطفیٰ قاسمی...... (۲۴)الہام الرحمٰن تفسیر عربی سورۃ بقرۃ (اصل مولانا عبیداللہ سندھی) مقدمہ، حواشی و تصحیح...... (۲۵)الہام الرحمٰن عربی تفسیر سورۃ آلِ عمران، نسا، مقدمہ، حواشی و تصحیح...... (۲۶)مصطلح الحدیث اصل مولانا عبیداللہ سندھی، مقدمہ، حواشی و تصحیح...... (۲۷)ترجمہ سندھی فتح الرحمٰن فارسی، شاہ ولی اللہ دہلوی

♈ چیئرمین رویتِ ہلال کمیٹی پاکستان، ۱۱ سال کے لیے

🕮 ممبر سینڈیکیٹ یونیورسٹی آف سندھ ۹۲-۱۹۹۴ء

✉ ممبر مرکزی زکوٰۃ کاؤنسل اسلام آباد ۶ سال کے لیے

☎ ممبر انجمن ترقی اُردو کراچی

Marfat.com

Marfat.com

سفرِ حجاز

ایک انسان کے عزم کی پختگی مادّی اور ارضی اسباب کو حرکت میں لے آتی ہے۔ اصفیا کے اس قول کی صداقت کا تجربہ مجھے حج کے سلسلے میں اپنی ذات پر ہوا۔ فریضۂ حج کے لیے سفر کرنے پر جو پابندیاں عائد ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی بھی سال حج کے سلسلے میں حتمی فیصلہ کر لینا ناممکن نہ سہی، لیکن دشوار ضرور ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ اس سال ۱۹۶۳ء میں فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد مجھے مشرقِ وسطیٰ کے عالمِ اسلام کی سیاحت بھی کرنی ہے۔

سفر میں کسی اچھے ساتھ کی رفاقت سے سفر کی صعوبات میں بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے میری ترغیب پر میرے دو مخلص دوست سندھ مسلم کالج کراچی کے دو استاذ پروفیسر ظہور احمد صاحب اور پروفیسر سیّد فخر الحسن صاحب بھی میرے ساتھ بھی میرے ساتھ سفرِ حجاز کے لیے تیار ہوگئے۔ ہم نے ایک طرف تو باقاعدہ طور پر سفرِ حج کے لیے درخواست دے رکھی تھی اور دوسری طرف انٹرنیشنل پاسپورٹ کے لیے بھی کوشش شروع کر دی تھی۔ کیونکہ اُن کا پاسپورٹ صرف حجاز تک کام دیتا ہے اس سے آگے کی سیاحت نہیں ہوسکتی۔

انٹرنیشنل پاسپورٹ تو اپنے کالج کے بعض مخلص تلامذہ کی کوششوں سے گھر بیٹھے ہی مل گیا۔ اس سلسلہ میں سیّد غلام مصطفیٰ شاہ ناظم تعلیمات کراچی کی عنائتیں خاص طور سے شامل حال رہیں۔ موصوف نے میری طرف سے ضروری گارنٹی اور ضمانت دی جس سے پاسپورٹ ملنے میں آسانی ہوگئی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

جس روز کراچی کے اُمیدوارانِ حج کے درخواستوں کا فیصلہ بذریعہ قرعہ ہونا تھا اللہ پاک کی اعانت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے رفیق شفیق پروفیسر ظہور احمد صاحب کی معیت میں قرعہ کی جگہ پہنچا۔ کوئی آٹھ دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ہمارا نام کامیاب اُمیدواروں میں پکارا گیا، تو

Marfat.com

ہماری خوشی کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ اب خدا کے فضل و کرم سے ادائیگی فریضۂ حج یقینی ہوگئی تھی۔

اس کے بعد سامانِ سفر کی تیاری شروع ہوئی میں سفر میں بھاری بوجھ سے ہمیشہ گھبرا جاتا ہوں۔ چنانچہ میں نے کم سے کم سامان کے ساتھ کا فیصلہ کیا۔ اس سفر کی غایت حصولِ برکات اور ادائیگی فریضہ تھی اور اس میں تشہیر نامناسب تھی لیکن اسے اپنے کالج کے رفقا اور دوسرے مخلص اور قریبی احباب سے کیسے چھپا سکتا تھا۔ اس لیے مجبوراً ان کی کئی الوداعی دعوتیں قبول کرنی پڑیں۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ اخلاص و محبت کا مظاہرہ کالج کے جملہ شاگردوں نے بالعموم اور اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ نے بالخصوص کیا اور مجھے الوداع کہنے کے لیے کئی تقریبیں کیں۔

۱۴ اپریل کو ہمیں ''سفینۂ حجاج'' جہاز پر سوار ہونا تھا۔ اس روز آٹھ بجے صبح میرا ایک مخلص شاگرد محمد الیاس پراچہ اپنی موٹر لے کر گھر پر پہنچا، اسی طرح میرے ایک دوست مولوی محمد جامی صاحب نے بھی یہی زحمت فرمائی۔ غرض بال بچوں کے معیت میں مَیں بندرگاہ پر پہنچا۔ کالج کے کئی ایک ساتھی اساتذہ بعض مخلص تلامذہ اور دوسرے کئی کرم فرما حضرات الوداع کہنے کے لیے بندرگاہ پر موجود تھے۔ اتنے احباب کی وجہ سے سامان کی دیکھ بھال اور دوسرے اُمور میں بڑی آسانی ہوئی۔

قرآنِ مجید نے اولاد میں من جملہ آزمائش کے بتایا ہے میرا بڑا لڑکا سعید جو آٹھ برس کا ہے، اس خیال میں تھا کہ میں بھی ابا جان کے ساتھ جا رہا ہوں، کیونکہ یہاں بھی وہ حضر و سفر میں ہمیشہ میرے ساتھ ہی ہوتا ہے وہ بندرگاہ پر پھولوں کے ہار ڈالے میرے ساتھ پھر رہا تھا، لیکن عین موقعہ پر جب میں ''سفینۂ حجاج'' میں سوار ہونے کے لیے چلا تو مجھے سعید کو چھوڑنا پڑا۔ اس پر اس نے چیخ پکار کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ چنانچہ اسے زبردستی پکڑ کر موٹر میں بٹھانا پڑا اور دو تین آدمیوں نے بمشکل اس کو موٹر میں روکے رکھا۔ اولاد کی محبت انسان کا فطری تقاضا ہے اس منظر کو دیکھ کر ایک گونہ رقت تو طاری ہوئی لیکن قرآنِ مجید کی مذکورہ آیت کو یاد کرتے ہوئے میں جہاز پر چلا گیا۔

تین بج کر پینتالیس منٹ پر جہاز نے لنگر اُٹھایا اور جملہ عازمین حج تسبیح و تہلیل اور عبادت میں لگ گئے۔ چھ دن تک مسلسل ہمیں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ عدن سے

Marfat.com

آگے جہاز کو کافی ہچکولے بھی لگتے رہے، جن کا کہ ہم پر کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ ہم فسٹ کلاس میں تھے۔ جہاز میں کھانے پینے کا بڑا اچھا انتظام تھا۔ راستے ہی میں ہم نے احرام تمتع باندھا اور اس طرح کفن بدوش حالت میں ہماری زبانوں سے لبیک لبیک کی آوازیں سارے جہاز میں گونج اُٹھیں۔ احرام سے قبل تو پروفیسر ظہور احمد صاحب اپنی طبعی ظرافت اور فطری خوش دلی کی بنا پر کبھی کبھی دل بہلانے کا سامان فرماتے رہتے تھے۔ لیکن احرام باندھنے کے بعد تمام وقت ذکر وعبادت میں گزرنے لگا اور ہر لحہ دیارِ حبیب میں داخل ہونے کا انتظار ہونے لگا۔ آخر الامر چھٹے روز صبح کو بندرگاہ جدہ قریب آ گئی جیسے ہی جہاز بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا بہت سے عرب قلی سامان اُتارنے کے لیے جہاز پر چلے آئے۔ کراچی بندرگاہ پر تو ہر ایک مسافر کو اپنی حفاظت میں اپنا سامان قلی کے ذریعہ چڑھانا یا اُتارنا پڑتا ہے، لیکن بندرگاہ جدہ پر اس سے مختلف انتظام نظر آیا، قلی سب سامان جہاز پر ایک جگہ اکٹھا کرتے ہیں۔ پھر مشین کے ذریعہ وہ اُتارا جاتا ہے۔ اس طرح ایک تو حاجیوں کا سامان ایک دوسرے سے گڈ مڈ ہو جاتا ہے کہ بعد میں بڑی دقت سے انھیں تلاش کر کے نکالنا پڑتا ہے۔ دوسرے سامان جمع کر کے یوں اُتارا جاتا ہے کہ بھاری بوجھ کے تلے کئی صندوق ٹوٹ بھی جاتے ہیں اور حجاج کا کچھ سامان ضائع بھی ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہم اپنا سامان جہاز پر چھوڑ کر نیچے اُتر آئے۔

جہاز سے اُترتے ہی ہم سے معلّموں کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہوئی معلّموں کے وکیل غول در غول ہمارے انتظار میں کھڑے تھے۔ ہم نے تو کراچی ہی سے اپنے ایک قدیم دوست محمد ہاشم سندھی کو اپنا معلّم مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ گیٹ پر اس کا نام بتا کر اب ہم آگے بڑھے تو معلّم موصوف کے وکیل ابوزید نامی سے تعارف ہوا۔ اب وکیل کے آدمیوں کے ساتھ سامان کی تلاش شروع ہوئی۔ میرے ساتھیوں کا تو سب سامان مل گیا، لیکن میرا آدھا سامان غائب تھا۔

بعد ازاں اس غائب شدہ سامان کی کسٹم والوں کی طرف سے تلاش شروع ہوئی، میں چونکہ بفضلہٖ تعالیٰ عربی اچھی بول سکتا تھا اس نے وہاں بڑا کام دیا۔ لیکن غائب شدہ سامان نہ ملا۔ میرے پاس حدیث اور فقہ کی کچھ کتابیں تھیں جن میں کچھ تو مجلس علمی کی طرف سے مولوی عبدالرزاق صاحب کے لیے جو کہ جامعہ مدینہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، امانت کے طور پر

Marfat.com

ورقہ لے لیا، ورنہ بس کے انتظار میں سارا دا
سے دستبردار ہونا۔ جس کی یہ صورت ہوتی
نے دستور کے مطابق بس کا جو کرایہ ادا کیا
دی جائے کہ ہم اپنی مرضی سے سفر کریں۔ اس
اجازت نامہ مل جاتا ہے اور آپ کوئی بھی ٹیکس
آپ موٹر ٹیکسی پر سواری کرنے کے مجاز نہیں ہیں
اللہ کا نام لے کر چل دیے۔ جدہ سے مکہ تک
کے لیے الگ الگ راستے تھے۔ ٹیکسیاں بڑی

Marfat.com

کی کاریں اپنے ہاں تو صرف وزرا، اور بڑے بڑے افسروں کو ہی نصیب ہوتی ہیں۔ ہماری ٹیکسی کے ڈرائیور نے جیسے ہی کار چلانی شروع کی، ریڈیو سیٹ سے عربی گانے بھی شروع ہو گئے۔ ہم چونکہ احرام کی حالت میں تھے جو کہ ایک عبادت ہے اس لیے ہمیں یہ گانا بجانا پسند تو نہیں تھا لیکن وہاں اس معاملہ میں اتنی آزادی ہے کہ الامان والحفیظ، مجبوراً خاموش رہنا پڑا۔ آگے چل کر خود حرم یعنی مسجد الحرام کے دروازوں پر ہم نے لوگوں کے ہاتھ میں ریڈیو ٹرانسسٹر بجتے ہوئے دیکھے۔ ڈرائیور سے میں نے عربی میں بات چیت شروع کی تو وہ یمنی نکلا سچ ہے کہ زبان باہمی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، وہ میرے ساتھ اتنا مانوس ہو گیا کہ کھل کر اپنے ملک یمن اور وہاں کے حالات کے متعلق میرے سوالات کا جواب دیتا رہا۔

سعودی حکومت اور متحدہ عرب جمہوریہ کی باہمی پرخاش کی وجہ سے حجاز میں ریڈیو سے مصری پروگرام سننا ممنوع ہے، لیکن وہاں کے عوام سرکاری لوگوں کے سامنے تو اس قانون کا احترام کرتے ہیں، باقی ویسے وہ زیادہ تر مصری پروگرام ہی سنتے ہیں۔ ہمارا اپنا مشاہدہ تو یہی ہے، جدہ سے چل کر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، ہمارے ذہن میں تو قدیم مکہ کا نقشہ تھا جہاں مکہ کی ناہموار گلیوں میں پیغمبر اسلام ﷺ لوگوں کو توحید اور امن وسلامتی کا پیغام سناتے اور اُن کی طرف سے اذیتیں جھیلتے تھے لیکن اب تو وہ حالت نہیں رہی، جس راستے سے ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اس پر واقع چوراہوں میں چھوٹے چھوٹے باغیچے تھے، جو پھولوں سے اَٹے ہوئے تھے۔ پرپیچ گلیوں کی جگہ بڑی بڑی سڑکیں تھیں، ڈرائیور ہمیں محلّہ مسفلہ کے اندر معلّم محمد ہاشم سندھی کے ہاں لے گیا۔ معلّم صاحب کو اپنے جدہ کے وکیل کے ذریعہ ہماری آمد کا پہلے سے ہی علم تھا اور وہ ہمارے خیر مقدم کے انتظار میں تھے، اُنھوں نے ہمیں شروع میں تو اپنی کوٹھی پر مہمان رکھا اور دوپہر کو عربی دستور کے مطابق ہماری پُر تکلف دعوت کی اور پھر ہم سب ایک کرائے کے مکان میں منتقل ہو گئے جو صرف موسم حج کے لیے ایک ہزار ریال پر حاصل کیا گیا تھا۔ حسنِ اتفاق سے یہ مکان ایک مدنی نوجوان عالم سیّد حافظ عبدالجلیل کا تھا، جو حنبلی مشرب کے تھے اور شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ کے پیرو معلوم ہوتے تھے، لیکن ان میں تعصب کا نام ونشان تک نہ تھا۔ بدقسمتی سے یہ مرض اپنے ہاں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور

Marfat.com

ہدیہ کے طور پر پیش کیا اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور علامہ موسیٰ جار اللہ کے متعلق یہ قصہ سنایا۔ حضرت علامہ سے میری پہلی ملاقات انقلاب بخارا سے پہلے ہوئی تھی جب وہ بخارا میں علما کے ایک اجتماع میں شامل ہونے کے لیے تشریف لائے تھے۔ وہ جوان تھے اور میں چھوٹا تھا۔ اور ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مقامی عالم نے میرے استاذ سے یہ دریافت کیا کہ علامہ موسیٰ کی مونچھیں بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ میرے استاذ نے اس کو ڈانٹ کر یہ جواب دیا کہ خاموش ہو جا! موسیٰ کی مونچھ کا ایک بال ان باریش بزرگوں کی داڑھیوں پر فضلیت رکھتا ہے۔

مخدوم بخاری فرمانے لگے کہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب علامہ موسیٰ جار اللہ کے بعض تحقیقی رسائل کے خلاف استنبول کے شیخ الاسلام علامہ مصطفیٰ صاحب مؤقف العقل والنقل نے فتویٰ صادر کیا تھا فرمانے لگے کہ علمائے حق کے خلاف ہر زمانے میں اس قسم کا شور وغوغا ہوتا رہا ہے، پھر شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ کا نام لیا اور کہا کہ ان کے خلاف کیا نہیں ہوا۔ کہنے لگے کہ جب رُوس کا بخارا پر تسلط ہوا تب کہیں جا کر ہمارے بزرگ علما کی آنکھیں کھلیں۔ اور اُن کو علامہ موسیٰ جار اللہ کی قبل از انقلاب والی نصیحتیں یاد آئیں۔ علامہ موسیٰ اگرچہ حنفی المشرب تھے لیکن ان میں وہ جمود نہیں تھا جو دوسرے علما میں تھا۔ انقلابِ رُوس کے بعد جب وہ ہمارے ہاں تشریف لائے تو وہاں کے چند علما ان سے ملے اور اُن سے یہ استفسار کیا جو مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ہاں موسیٰ صاحب! یہ بتایئے کہ ماوراءالنہر کے مسلمانوں پر رُوس کا کیوں تسلط ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ہماری کیوں مدد نہ فرمائی؟ وغیرہ وغیرہ علامہ مرحوم جوش میں آ کر فرمانے لگے کہ خدا تمھاری مدد کیونکر کرتا۔ تم نے تو عدالتوں میں فیصلہ سناتے ہوئے کبھی یہ نہ کہا کہ اللہ نے یہ فرمایا یا اس کے پیغمبر ﷺ کا یہ فرمان ہے: "تم تو صرف فقہا کا نام لیتے رہے، اب فقہا ہی آ کر آپ کی مدد کریں!!"

مخدوم بخاری نے علامہ موسیٰ جار اللہ مرحوم کی دیارِ حبیب اور حرمِ مکہ سے محبت کا ایک قصہ سنایا۔ کہنے لگے کہ مجھے جب مکہ مکرمہ میں یہ معلوم ہوا کہ علامہ موسیٰ جار اللہ مصر میں صاحب فراش ہیں اور یہ ان کا مرض موت تھا تو میں نے صرف ان کی مزاج پرسی اور زیارت کے لیے قاہرہ کا سفر کیا۔ علامہ مرحوم نہایت علیل تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ ایک بخاری عالم مکہ مکرمہ

Marfat.com

سے ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوا ہے تو اُنھوں نے فوراً اندر بلا لیا اور مجھے دیکھ کر رونے لگے اور کہا کہ کیا میں اتنا بڑا آدمی ہوں کہ حرمِ مکہ سے ایک شخص تکلیف اُٹھا کر مجھے دیکھنے کے لیے قاہرہ پہنچے۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگ گئے۔ میں نے ان سے کہا کہ یا شیخ! آپ کی آنکھوں نے شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا جیسے بزرگوں کو دیکھا اور اُن کے درس میں بیٹھنے کا آپ کو فخر حاصل ہے۔ میں تو اس کو بڑی بات تصور کرتا ہوں۔ یہ سن کر فرمانے لگے کہ ہاں! میں ہوں تو گنہگار لیکن یہی ایک اُمید ہے کہ بزرگوں کے طفیل بخشا جاؤں۔

مخدوم بخاری چالیس سال سے مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر ہیں وہ دن کو مدرسہ تحفیظ القرآن میں درس دیتے ہیں اور مغرب کے بعد حرم میں وعظ و نصیحت فرماتے ہیں۔ دو بار مجھے بھی مسجد الحرام میں ان کی عربی تقریر کی اُردو میں ترجمانی کرنی پڑی، لیکن میں نے دیکھا کہ حرم میں اس طرح خطاب کرنے سے طبیعت میں کچھ بڑائی پیدا ہونے لگی اس لیے عمداً میں نے ترجمانی چھوڑ دی، باقی مخدوم بخاری سے علمی ملاقاتیں میں ان کے دولت خانہ واقع گلی بخاری متصل بابِ سعود پر حاضر ہو کر کرتا رہا۔ مخدوم بخاری نے مجھے کئی کتابیں ہدیہ کے طور پر عنایت فرمائیں، ان میں کچھ وہ رسائل بھی ہیں جو کہ علامہ موسیٰ جار اللہ کے خلاف یا تائید میں لکھے گئے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں چار بڑے عالم مانے جاتے ہیں، جن کو ''اعلم حجاز'' کہا جاتا ہے، ان میں سے دو تو گوشہ نشین ہو گئے ہیں اور لوگوں سے کم ملتے ہیں۔ ایک صاحب حکومت کی ملازمت میں ہیں، باقی چوتھے عالم سیّد علوی مالکی ہیں، جن کی علمی محفل کے متعلق سنا تھا ہمیشہ گرم رہتی ہے۔ وہ حرم میں بعد نماز مغرب مقامِ ابراہیم کے محاذات میں مسجد الحرام کی چھت کے نیچے درس حدیث دیتے ہیں۔ ۲۴ را پریل کی شام کو حرم میں ان کی خدمت میں پہنچا، جب میں نے انھیں اپنا نام بتایا تو نہایت ہی بے تکلفانہ انداز میں مجھ سے معانقہ کیا اور فرمانے لگے کہ میں آپ کو غائبانہ جانتا ہوں۔ اور میں نے آپ کا نام سنا ہے یہ مشفقانہ جملے فرما کر مجھے بالکل اپنے قریب بٹھایا۔ اس کے بعد صحیح بخاری کا درس دینے میں مشغول ہو گئے۔ سامعین کا بڑا ہجوم تھا۔ ایک حضر موتی شاگرد جس کے چہرہ پر ابھی بال بھی نہیں آئے تھے عربی لہجہ میں عبارت پڑھ رہا تھا اور شیخ فصیح عربی میں اس کی شرح کرتے جاتے تھے۔

Marfat.com

سیّد علوی مالکی کی اپنے ہم عصروں میں جو امتیازی خصوصیت ہے وہ ان کی فصاحت ہے آپ بہت بڑے ادیب اور فصیح اللسان عالم ہیں، میرے بزرگ دوست مولانا محمد یوسف صاحب بنوری شیخ الحدیث دارالعلوم بنوری ٹاؤن کراچی جو کہ عرب کے علما سے اچھا تعارف رکھتے ہیں اور بالعموم سال بسال حج کے لیے جاتے رہتے ہیں اور اس سال بھی تشریف لے گئے تھے وہ بھی سیّد علوی مالکی کی فصاحتِ بیانی کے معترف ہیں۔

شیخ علوی مالکی کے درس کی دوسری خاص چیز جو مجھے نظر آئی وہ تھی ان کی رجال سند پر بحث۔ اپنے ہاں شرح حدیث پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور کہیں کہیں اختلافی مسائل میں اسناد کے رجال پر کچھ کہا جاتا ہے، لیکن سیّد علوی مالکی کو دیکھا کہ وہ درس کے دوران ہر سند کے ایک ایک راوی کے سلسلۂ نسب اور اس کے سوانح حیات بیان کرتے چلے جاتے تھے۔ یہ ان کی غیر معمولی قوت حافظہ کی دلیل ہے، یہ درس عشا کی اذان تک جاری رہا درس سے فارغ ہونے کے بعد اُنھوں نے شام وعرب کے علما اور اپنے صاحب زادہ سیّد محمد علوی مالکی سے میرا تعارف کرایا اور دوسرے دن بعد صلوٰۃ عصر اپنے دولت خانہ پر حاضر ہونے کے لیے کہا۔

دوسرے روز بعد صلوٰۃ عصر پروفیسر سیّد فخر الحسن صاحب کو ساتھ لے کر علامہ علوی مالکی کے دولت خانہ پر پہنچا جو کہ سلیمانیہ میں واقع ہے۔ شیخ کی علمی محفل گرم تھی۔ علما اور معتقدین کا ایک جم غفیر حاضر تھا۔ اور آپ سوڈانی علما سے خطاب فرما رہے تھے۔ سوڈان میں زیادہ تر مالکی مذہب رائج ہے اس لیے اکثر سوڈانی شیخ علوی کے ہاں آتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی سیّد علوی مرجعِ علما و صلحا ہیں۔ جیسے ہی اُنھوں نے مجھے آتے دیکھا مرحبا کہنے کے لیے اُٹھے۔ معانقہ اور مصافحہ کیا اور جس تکیہ سے لگ کر خود بیٹھے تھے وہیں مجھے بٹھا دیا۔ یہ ان کی کرم فرمائی تھی۔ میں نے پروفیسر فخر الحسن صاحب کا بھی شیخ سے تعارف کرایا بڑے خوش ہوئے اور پھر سوڈانی زائرین سے مصروف گفتگو ہو گئے۔ اس وقت سوڈانیوں سے یہ فرما رہے تھے۔

> ”یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ عوام کو علما سے الگ رکھا جائے اور اس کا نتیجہ الحاد ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب علما صالح اور اچھے ہیں۔ ان میں سے کچھ علما سوء اور فتنہ پرداز بھی ہوتے ہیں۔ ان سے بچیں، صلحا کا کہا

Marfat.com

مانیں اور اُن سے علمِ دین سیکھیں۔ جب تک قرآن موجود ہے کوئی اس کے خلاف کامیاب نہیں ہوسکتا۔"

اس مرحلے پر سوڈانیوں نے سیّد صاحب سے استفادہ کیا کہ ہمارے مالکی علما کی دو جماعتیں ہیں ایک جماعت نماز میں ہاتھ باندھنے پر زور دیتی ہے اور دوسری اس کی زبردست مخالفت کرتی ہے جواب میں سیّد علوی مالکی نے فرمایا کہ:

"اس مسئلہ میں امام مالک سے دو روائتیں ہیں ایک روایت مؤطا کی ہے جس سے عقد (ہاتھ باندھنا) ثابت ہوتا ہے اور دوسری روایت مدوّنہ کی ہے جس سے ارسال (ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا) کا ثبوت ملتا ہے اور یہی روایت فقہ مالکی میں رائج ہے، لیکن میرا دونوں روایتوں پر عمل رہا ہے کبھی عقد کرتا ہوں تو کبھی ارسال۔"

اور پھر فرمایا:

"جو کوئی اس مسئلہ میں جھگڑا کرتا ہے وہ دراصل فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتا ہے ایسے لوگوں سے بچنا چاہیے۔"

سوڈانیوں نے پھر سوال کیا کہ ہمارے ہاں اولیاء اللہ کے طرق میں اختلاف پایا جاتا ہے اس کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟

سیّد علوی صاحب اس سوال کے جواب میں فرمانے لگے کہ:

"قادریہ، شاذلیہ اور دوسرے سب طریقے اصل میں وصول الی اللہ کی شاہراہیں ہیں۔ ان کے بارے میں آپس میں جھگڑنا مناسب نہیں آپ لوگوں کو تمام اولیاء اللہ کی عزت کرنی چاہیے کیونکہ حدیث میں کسی بھی ولی اللہ سے دشمنی رکھنے پر وعید وارد ہوئی ہے۔ اولیاء اللہ کے مختلف طرق کی مثال یوں سمجھیے کہ دیکھیے حرم کے کئی دروازے ہیں ان میں سے کسی بھی دروازے سے کوئی شخص داخل ہو وہ حرم میں پہنچ جائے گا۔ اولیاء اللہ کے طریقے بھی اسی طرح ہیں۔"

اس کے بعد سیّد صاحب نے مندرجہ ذیل کتابیں مجھے ہدیۃً عنایت فرمائیں۔

Marfat.com

- فتح القریب المجیب علی تہذیب الترغیب و الترہیب
- العقد المنظم فی اقام الوحی المنظم۔(یہ دونوں کتابیں ان کی اپنی تالیف ہیں۔)
- رسائل ہامة فی الصلوٰة۔ از سیّد زینی دحلان
- عقیدة الاسلام تالیف: شیخ عبداللہ بن علوی الحداد

میں نے لمحات تالیف شاہ ولی اللہ مع مقدمہ وحواشی از احقر راقم ان کی خدمت میں ہدیۂ پیش کی۔ وہ بڑے خوش ہوئے اور شاہ صاحب کے علوم اور کتابوں کی تعریف کرنے لگے اور فرمایا کہ میں نے شاہ صاحب کی وہ کتابیں جو مجلس علمی کی طرف سے شائع ہوئی ہیں پڑھی ہیں۔ میں نے المسوّیٰ شرح المؤطا کی اجازت علامہ عبیداللہ سندھی سے حاصل کی تھی۔

سیّد علوی صاحب نے علامہ سندھی کی بھی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ میں نے ان سے تبرکاً صحاح ستہ کی ابتدائی روایات پڑھ کر ان کے طریقے کی اجازت حاصل کی اور فرمایا کہ شیخ سیاست اور انگریزی کی مخالفت میں منہمک تھے۔

میں سیّد علوی کی علمی مجالس میں اکثر حاضر ہوتا تھا۔ ان کے صاحب زادہ سیّد محمد علوی نے اس احقر سے حجة اللہ البالغہ اور شیخ الرئیس کا ایک رسالہ پڑھنے پر اصرار کیا، مشاغل کثیرہ کے باوجود ان کے اصرار پر مجھے اس کے لیے کچھ وقت نکالنا پڑا۔

۲۶ر اپریل کو جیسے ہی عصر کی نماز سے فارغ ہوا، اپنے ایک قدیم دوست قاری رعایت اللہ صاحب سے ملاقات ہوگئی ان کی معیت میں دارالندوہ کو دیکھا جو کعبۃ اللہ کے شمال میں واقع ہے۔ حرم کی توسیع کے سلسلہ میں اس طرف تعمیر ہورہی تھی۔ اس لیے دارالندوہ کا کچھ حصہ گرایا جاچکا تھا۔ آئندہ تو اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ افسوس ہے اس قسم کے آثار قدیمہ کی طرف حکومت کوئی توجہ نہیں دیتی شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو بھی بدعت شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مولد النبی ﷺ کی زیارت ہوئی، جہاں اب ایک لائبریری قائم کی گئی ہے، وہاں سے لوٹ کر مدرسہ صولتیہ کے دفتر میں پہنچا جو باب السعود کے قریب روڈ پر واقع ہے اور اکثر و بیشتر پاکستان اور ہندوستان کے علما آتے رہتے ہیں۔ اسی روز مدرسہ صولتیہ میں بعد نمازِ جمعہ علما کا بڑا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں پاکستانی علما میں سے مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

Marfat.com

خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں ہندوستان کے علما میں سے مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کو پہچانتا تھا۔ دفتر مہمانوں سے پر تھا، مدرسہ کی طرف سے عربی طرز کا کھانا پیش کیا گیا۔ میزبانی کے فرائض حضرت مولانا حافظ محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ فرما رہے تھے اور اُن سے میرا تعارف پہلے ہی ہو چکا تھا، دوسرے بزرگوں سے مولانا بنوری صاحب نے میرا تعارف کرایا۔

اس اجتماع میں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ اس فحش اور عریاں عربی لٹریچر کا تھا، جو کہ لبنان اور امریکہ کی طرف سے مکہ مکرمہ میں دھڑا دھڑ پہنچ رہا ہے، سب علما نے متفق طور سے علی میاں سے کہا کہ حکومت کی توجہ ادھر مبذول کرائیں لیکن آپ نے معذرت کی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مدارس کے متعلق بھی کچھ عرض کروں۔ مکہ مکرمہ میں صرف تین مدارس تھے جو حکومت کے تسلط سے آزاد تھے۔ ان کا نصابِ تعلیم بھی اپنا تھا۔

- مدرسہ صولتیہ
- مدرسہ الفلاح
- مدرسہ دارالحدیث خیریہ

مدرسۃ الفلاح کے منتظمین نے تو حال ہی میں اپنا مدرسہ حکومت کے حوالہ کر دیا ہے اور اب وہاں سرکاری مدارس والا نصاب جاری ہے۔ اپنے دونوں ساتھی پروفیسروں کی معیت میں اس مدرسہ کی زیارت کی۔ اچھی خاصی بلڈنگ ہے۔ سیّد علوی مالکی اور سیّد محمد مغربی بتانی جیسے مشاہیر علما اس مدرسہ میں درس دیتے تھے۔

دارالعلوم حرم صولتیہ کے موسس مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ہیں۔ حضرت مولانا قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ماہ جمادی الاوّل ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عثمان ؓ سے ملتا ہے بارہ برس کی عمر میں قرآن ختم کرنے کے ساتھ ساتھ دینیات اور فارسی کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھیں اس کے بعد دہلی بغرضِ تعلیم تشریف لے گئے اور مولانا محمد حیات صاحب کے مدرسہ میں داخل ہوئے تحصیلِ علم کا شوق مولانا کو لکھنؤ لے گیا اور مفتی سعد اللہ صاحب سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کے اساتذہ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

- مولانا محمد حیات صاحب۔
- مفتی سعد اللہ صاحب۔
- مولانا احمد علی صاحب بڈولی ضلع مظفر نگر۔ جو آخر میں وزیر ریاست پٹیالہ ہو گئے تھے۔
- عارف باللہ مولانا

Marfat.com

عبدالرحمٰن صاحب چشتی۔ یہ استاذ شاہ وقت تھے۔ تمام علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔

ہندوستان میں مولانا رحمت اللہ کے درس و تدریس کا زمانہ بہت کم ہے کیونکہ نصاریٰ کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کی فکر نے آپ کو اس کا موقع نہ دیا، چند سال دربار کیرانہ کی مسجد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ کے فیض یاب طلبہ میں سے چند خاص نام درج ذیل ہیں ہندوستان میں مولانا کے جو خاص تلامذہ تھے ان میں سے بعض اصحاب نے مکہ معظمہ بھی پہنچ کر مولانا سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

- مولانا عبدالسمیع صاحب رام پوری، مصنف حمد باری۔
- مولانا احمد الدین صاحب چکوالی۔ یہ بزرگ بہت بڑے ادیب اور عالم تھے۔ کراچی سندھ میں بھی اُنھوں نے درس دیا۔ سندھ کے مشہور عالم مولانا صادق صاحب کھڈہ والہ نے مولانا چکوالی سے تعلیم حاصل کی تھی۔
- مولانا نور احمد صاحب امرتسری۔
- مولانا شاہ ابوالخیر صاحب۔
- مولانا عبدالوہاب صاحب دیلوری بانی مدرسہ باقیات الصالحات مدراس
- مولانا بدرالسلام صاحب عثمانی کیرانوی، مہتمم حمیدیہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ وغیر

ہم مولانا رحمت اللہ صاحب ہندوستان میں درس و تدریس کے ساتھ ردّ نصاریٰ کی مہمات میں بھی مصروف رہے یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی مشینریوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری کر رکھی تھی۔ پادری فنڈر (Revd, ce. Funder) اور اس کی جماعت کے لوگ اسلام کے خلاف بڑی دل شکن تقریریں کرتے پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق سے عوام سہے ہوئے تھے عیسائی مشنریوں کی ان جارحانہ کاروائیوں کے خلاف علمائے اسلام نے تیاری شروع کی اور مقابلہ کے لیے میدان میں آگئے اسلام کی حقانیت اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے ردّ نصاریٰ کی اس مذہبی جنگ کے قائد اوّل حضرت مولانا رحمت اللہ تھے۔ آپ نے اعلان فرمایا:

> ”میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے پادری جو علمائے مسیحین
> میں ممتاز حیثیت کا مالک اور میزان کا مصنف تھا اس سے خواہش ظاہر

Marfat.com

کی کہ وہ میرے ساتھ مجمع عام میں مناظرہ کرے تاکہ حق واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام نے ان رسائل کی تردید اس لیے نہیں کی کہ وہ عاجز تھے بلکہ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔"

بالآخر وہ مناظرہ ۱۱ر رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ر اپریل کو کٹرہ عبدالمسیح اکبر آباد آگرہ میں منعقد ہوا۔ مولانا کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں اور پادری فنڈر کے ساتھ پادری فرنچ تھے۔ مولانا رحمت اللہ نے نسخ و تحریفِ انجیل پر فاضلانہ بحث کی اور خود عیسائیوں کی مطبوعات سے نسخ و تحریف ثابت کر دی چنانچہ پادری فنڈر کو اعتراف کرنا پڑا کہ انجیل میں سات آٹھ جگہ تحریف ہوئی ہے اور لکھ کے بھی دے دیا۔ تین دن تک مسلسل یہ مجلس مناظرہ منعقد رہی اور پادری صاحب کو شکست فاش اُٹھانی پڑی۔

حضرت مولانا رحمت اللہ نے فتنہ مسیحیت کے استیصال کی غرض سے جو کتابیں ردّ نصاریٰ میں تالیف ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:

اظہار الحق [اس احقر کی ذاتی لائبریری میں اس کتاب کا مصری ایڈیشن موجود ہے] خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز خاں اور صدر اعظم خیرالدین پاشا تونسی کی تحریک پر پادری فنڈر سے اکبر آباد آگرہ میں جو مناظرہ ہوا۔ اس کی مفصل کیفیت اور تمام مسائل کا نہایت بسط و شرح کے ساتھ اس کتاب میں بیان ہے یہ کتاب عربی میں ہے ۱۶ر رجب ۱۲۸۰ھ میں قسطنطنیہ میں اس کتاب کی تالیف شروع کی اور آخر ذی الحجہ میں ۱۲۸۰ھ میں ختم ہوئی۔ ۱۲۸۱ھ میں سب سے پہلے قسطنطنیہ میں چھپی۔ صدر اعظم موصوف کے حکم سے ایک ترک عالم نے اس کا عربی سے ترکی میں ترجمہ کیا اور ابرار الحق کے نام سے مکمل ترکی ترجمہ شائع ہوا۔ نیز یورپ کی متعدد زبانوں میں حکومت کی طرف سے اس کے ترجمے شائع کیے گئے جن کو پادریوں نے خاص اہتمام اور کوشش سے تلف کیا، مصر میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ مولوی سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اُردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا جس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ مولوی غلام محمد صاحب بہانجار اندیری نے بڑی محنت و جانکاہی سے گجراتی سے ترجمہ کیا جو شائع ہو چکا ہے۔ اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد ٹائمز آف لندن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

Marfat.com

''لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی۔''

- ازالۃ الاوہام: یہ کتاب ۵۶۴ صفحات پر سیّد المطابع کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں سیّد قوام الدین صاحب کے زیر اہتمام فارسی میں ۱۲۶۹ھ میں بڑی تقطیع پر چھپی۔ ردّ نصاریٰ کے اکثر مباحث کا اس میں مسکت جواب ہے اس میں پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کے اعتراضات کے دنداں شکن جوابات بھی ہیں۔
- ازالۃ الشکوک: یہ کتاب عیسائیوں کے انتالیس سوالوں کا جواب ہے۔ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں تصنیف ہوئی اور دو جلدوں میں شائع ہوئی۔
- اعجازِ عیسوی: اس کتاب میں پوری طرح بائیبل کا غیر معتبر اور محرف ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں آگرہ میں لکھی گئی۔ پہلی بار آگرہ میں اور دوسری مرتبہ مطبع رضوی دہلی میں طبع ہوئی۔ دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔
- احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث: دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے تثلیث کا ابطال کیا گیا ہے۔ ۱۲۷۱ھ میں تصنیف ہوئی اور مطبع رضوی دہلی میں ۱۲۹۲ھ میں چھپی۔
- بروق لامعہ: رسول مقبول ﷺ کی شانِ رسالت کا مدلل اثبات اور خاتم المرسلین پر ختم رسالت کو ثابت کیا گیا ہے۔ غیر مطبوعہ۔
- البحث الشریف فی اثبات النسخ و التحریف: ۱۲۷۰ھ میں لکھی گئی۔ ۵۶ صفحات پر فخر المطابع دہلی میں چھپی ہے۔
- معدل اعوجاج المیزان: یہ کتاب میزان الحق مولفہ پادری فنڈر کا جواب ہے۔
- تقلیب المطاعن: یہ کتاب تحقیق دین حق مولفہ پادری لاسمند کا ردّ اور جواب ہے۔ غیر مطبوعہ
- معیار التحقیق: کتاب تحقیق الایمان مولفہ پادری صفدر علی کا دندان شکن جواب ہے۔ [بحوالہ کتاب مرد مجاہد، ص ۲۸]

انقلاب ۱۸۵۷ء اور مولانا رحمت اللہ

پرگنہ کیرانہ وشاملی میں شیوخ اور مسلمان گوجروں کے ہاتھ میں زمینداری تھی جن میں

Marfat.com

دین داری کے ساتھ جوش بھی تھا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا۔ تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولوی عبدالحکیم صاحب تھانوی مع رفقا کے اور نواحی کیرانہ میں مولانا رحمت اللہ نے گورہ فوج کا مقابلہ کیا۔

عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لیے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ کی آواز پر لوگوں کو جمع کیا جاتا اور اعلان ہوتا تھا:

''ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا''

اس جملہ کے بعد جو کچھ کہنا ہوتا تھا، وہ عوام کو سنایا جاتا تھا۔

اس محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا مگر بعض ابنائے وطن کی زمانہ سازی اور مخبروں کی سازش نے حالات کا رخ بدل دیا۔ کیرانہ میں گورہ فوج اور توپ خانہ داخل ہوا۔ مولانا رحمت اللہ کی تلاشی ہوئی۔ لیکن مولانا موقع پاتے ہی نکل گئے۔ آپ کو باغی قرار دے کر گرفتاری کے لیے انعام کا بھی اعلان ہوا۔ حضرت مولانا مرحوم اپنا نام ''مصلح الدین'' بدل کر پیدل دہلی روانہ ہوئے۔ جے پور اور جودھ پور کے مہیب ریگستانوں کو پاپیادہ طے کرتے ہوئے سورت پہنچے، اس زمانہ میں بندرگاہ سورت سے جہاز کا سفر آسان نہ تھا۔ بادبانی جہاز چلا کرتے تھے۔ سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کا رخ موافق پا کر سورت سے روانہ ہوتا اور اس طرح جدہ سے آیا کرتا تھا۔ مولانا اس بادبانی جہاز کے ذریعہ جدہ روانہ ہوئے۔ طویل سفر کے بعد بالآخر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، مولانا کیرانوی سے کچھ پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے اور رباط و دادویہ (جو باب العمرہ سے متصل ہے) کے ایک حجرہ میں مقیم تھے صبح صادق کے قریب حضرت مولانا مرحوم مکہ معظمہ پہنچے۔ مطاف میں حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد دونوں رباط و دادویہ میں آئے۔

مولانا رحمت اللہ صاحب نے قیامِ مکہ کے دوران وہاں کے درس و تدریس کے نظام کو ناقص سمجھا اگرچہ سلطنتِ عثمانیہ کی طرف سے لاکھوں روپیہ تعلیم پر خرچ ہوتا تھا۔ آپ کو خیال آیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی مٹی ہوئی درس گاہ کا زمینِ حرم پر از سر نو احیا کیا جائے، جس میں مہاجرین کی اولاد اور عرب بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ صنعت و دست کاری

Marfat.com

سکھانے کے لیے بھی ایک باقاعدہ صنعتی سکول اعلیٰ پیمانہ پر قائم ہوتا کہ مدارس سے فارغ شدہ طلبہ گداگری اور افلاس کا شکار ہو کر تنگِ اسلام نہ بنیں۔ مولانا نے اس کے لیے اپیل کی اور کچھ ابتدائی رقم بھی جمع ہوگئی۔

صولت النساء بیگم

۱۲۹۰ھ میں کلکتہ میں ایک مخیّر خاتون صولت النساء بیگم صاحبہ اپنی لڑکی اور داماد کے ساتھ حج کے لیے آئیں۔ محترمہ نے مکہ معظمہ میں ایک رباط (مسافر خانہ) بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ موصوفہ کے داماد اکثر مسجد حرم میں مولانا کیرانوی کے حلقہ درس میں شریک ہوتے۔ مشورہ کے طور پر اُنھوں نے اپنی خوش دامن کے ارادہ کا ذکر کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ:

> ''مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں مسافر خانوں کی کمی نہیں۔ سب سے زیادہ ضرورت ایک مدرسہ کی ہے اور مکہ معظمہ میں کوئی مستقل مدرسہ نہیں۔''

صولت النساء بیگم صاحبہ دوسرے دن خود حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس رائے کو پسند کرتے ہوئے مدرسہ کے لیے زمین کی خرید وغیرہ کے متعلق گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عظیم الشان کارِ خیر اس بلند ہمت خاتون سے لینا تھا۔ محلّہ خندریسہ میں جگہ خریدی گئی اور مدرسہ کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا۔ اکثر صولت النساء صاحبہ خود تعمیر کا کام دیکھنے کے لیے تشریف لاتیں اور یہ خدمت جس کی محترمہ کو توفیق ہوئی تھی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں۔ یہ سعادت اور فخر اس بیوہ خاتون کے حصہ میں تھا، اس لیے حضرت مولانا رحمت اللہ نے ان کے اس ایثار کی یادگار کے طور پر مرکز اسلام کے اس اوّلین علمی بنا کا نام مدرسہ صولتیہ رکھا، جو قیامت تک ان کے نام کو عزت اور سچی ناموری کے ساتھ زندہ رکھے گا۔

مدرسہ صولتیہ کا مسلک

بانی مدرسہ نے گردوپیش کے تمام حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس مدرسہ کے لیے کچھ ہدایات مرتب فرمائیں۔ ان میں بالخصوص ان تین اُمور کی زیادہ تاکید کی گئی ہے:

- قطعی طور پر سیاسیات اور سیاسی دلچسپیوں سے ہر کارکن و مدرس اور طالب علم کا بے تعلق رہنا ضروری ہے۔

Marfat.com

- اختلافی اُمور اور مختلف فیہ مسائل سے کلی طور پر احتراز کیا جائے۔
- تفریق اور گروہ بندی سے ہر طرح بچنا چاہیے۔

مولانا نے ان تینوں اُمور کو مدرسہ کا گویا مستقل مسلک قرار دیا۔ اس مدرسہ کے ابتدائی دور میں مولانا کیرانوی سے جن اصحاب کو شرف تلمذ حاصل ہوا۔ ان میں سے چند نام درج ذیل ہے۔

- شریف حسین بن علی، سابق امیر مکہ (بانی حکومتِ ہاشمیہ)
- شیخ احمد عبداللہ مرداد، شیخ الائمۃ والخطباء
- شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی احناف وشیخ العلما، مکہ معظمہ
- امین محمد مردا (نائب قاضی مکہ مکرمہ)
- عبدالرحمٰن احمد دہان صدر مدرس مدرسہ صولتیہ
- عبدالستار دہلوی
- سیّد حسن دحلاں وغیرھم

اگر دارالعلوم حرم صولتیہ کے ابنائے قدیم کی فہرست دیکھی جائے تو مرحومین کو چھوڑ کر حال کے جو علما ''اعلم حجاز'' کہلاتے ہیں جیسے شیخ یحییٰ امان، شیخ حسن مشاط وغیرہ سب مدرسہ صولتیہ کے فیض یافتہ ہیں۔

مکہ مکرمہ کا تیسرا مدرسہ دارالحدیث خیریہ ہے، اس مدرسہ کی زیارت کا بھی موقع ملا۔ حضرت مولانا علی محمد صاحب کا کے پوتا جو سندھ کے مشاہیر علما میں سے ہیں اور پروفیسر فخر الحسن کی معیت میں دارالحدیث خیریہ میں پہنچا۔ اس مدرسہ کے مدیر اعلیٰ شیخ حمزہ عبدالرزاق محدث ہیں۔ شیخ حمزہ سے غائبانہ تعارف تو تھا کیونکہ وہ میرے استاذ علامہ عبیداللہ سندھی کے شاگرد اور میرے دوست مولانا محمد نور مرشد مکی کے استاذ ہیں۔ شیخ حمزہ اصل میں مصری عالم ہیں لیکن ہجرت کر کے مکہ میں مقیم ہو گئے۔ آپ کی کتب بینی اور مطالعہ کے شوق کی تعریف تو میں نے پہلے سے سن رکھی تھی۔ ان کی یہی چیز میرے لیے خاص طور سے جاذبِ نظر تھی، کیونکہ مجھے بھی ایسی ہی دھن رہتی ہے شیخ حمزہ سے جب ملاقات ہوئی تو سنی ہوئی خبروں سے ان کو زیادہ پایا۔ کتابوں کے ڈھیر ان کے اردگرد تھے، اور وہ مطالعہ میں مصروف تھے۔ اس وقت ان کی عمر ستر

Marfat.com

کے قریب ہو گی لیکن پھر بھی مطالعہ جاری ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں دو کتابیں، تفسیر الہام الرحمن تالیف علامہ سندھی اور لمحات تالیف شاہ ولی اللہ پیش کیں۔ بڑے خوش ہوئے اور مجھے بھی اپنی کچھ کتابیں عنایت فرمائیں۔

اس مدرسہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اساتذہ سب کے سب سلفیہ مشرب کے ہیں، مولانا عبدالحق صاحب بہاولپوری جن کو وہاں سندھی کہا جاتا ہے، اسی مدرسہ میں حدیث کا درس دیتے ہیں، آپ میرے پرانے کرم فرما ہیں، ان سے بھی علمی مجلسیں ہوتی رہیں، اسی طرح ایک دوسرے عالم مولانا عبداللہ صاحب لکھنوی بھی اسی مدرسہ کے شیخ الحدیث ہیں۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب کے حسنِ اخلاق کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، ہماری بڑی خاطر تواضع فرمائی، کتب خانہ کا بھی معائنہ کرایا۔ جزاہ اللہ خیراً۔

اسی مدرسہ میں ایک روز علما کا بہت بڑا اجتماع ہوا۔ اس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا تھا، جامعہ مدینہ کے کچھ اساتذہ بھی موجود تھے۔ مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے علما کے علاوہ ہندوستان سے مولانا عبیداللہ الرحمٰن صاحب شارح مشکوٰۃ اعظم گڑھی اور دوسرے علما موجود تھے۔ تقریریں شروع ہوئیں، موضوع تھا ''التمسک بالکتاب والسنۃ''۔ شروع میں شیخ حمزہ عبدالرزاق نے ایک مفصل تقریر فرمائی، اس کے بعد جامعہ مدینہ کے اساتذہ نے خطاب فرمایا۔ پھر ہندوستان اور پاکستان کے علما کی باری آئی۔ دوسرے حضرات نے تو اُردو میں خطاب فرمایا۔ لیکن اراکینِ مدرسہ کی طرف سے مجھے حکم ملا کہ میں عربی میں خطاب کروں۔ ظاہر ہے کہ میرا اس دیار کا یہ سفر پہلا تھا اور عرب علما کی تو عربی مادری زبان تھی۔ ان کے سامنے بغیر کسی تیاری کے ایک مشکل موضوع پر اظہار خیال کرنا بڑی مشکل بات تھی۔ لیکن اللہ پاک کی اعانت شامل حال رہی، برابر پونہ گھنٹہ اس موضوع پر مَیں عربی زبان میں بولتا رہا۔ اس سلسلے میں مجھے سندھ کے قدیم علما کو متعارف کرانے کا بھی موقع مل گیا۔ چنانچہ منصورہ سے لے کر ٹھٹھہ تک درس و تدریس کے سلسلوں اور اُن کے ممتاز اہلِ علم کا سرسری ذکر کر دیا۔ عرب علما یہاں کی دینی خدمات سے بڑے متاثر ہوئے۔

Marfat.com

زیارتِ آثار

ایک روز مکہ مکرمہ کے تاریخی آثار دیکھنے کا پروگرام بنا۔ صفا کے قریب ہم ایک ٹیکسی میں سوار ہوئے۔ اس کا ڈرائیور ایک بخاری النسل نوجوان عرب تھا۔ اس سے طے یہ پایا کہ مکہ مکرمہ سے عرفات تک جتنے بھی آثارِ مقدسہ ہیں وہ دیکھ کر واپس آئیں گے۔ ابھی ہم صفا کے قریب ہی تھے کہ بخاری نوجوان نے ایک نئی تعمیر کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ "دارِ ارقم" ہے جس کا ایک حصہ سڑک کی نذر ہو چکا ہے اور دوسرا حصہ دکانوں میں شامل ہو گیا ہے۔

دارِ ارقم کی بہت بڑی تاریخی حیثیت ہے، یہ وہ جگہ تھی جہاں نبی ﷺ کو مکہ کے شر پسند لوگوں کی ایذا رسانی سے نجات مل جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ اس مکان میں عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ یہیں آپ کے اپنے جان نثار ساتھیوں سے مشورے ہوتے اور آپ ان کو اسلام کی تعلیم بھی دیا کرتے۔ اسی جگہ حضرت عمر ◆ حضور ﷺ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔

صفا سے آگے بڑھے تو مکہ کے تاریخی پہاڑ ابوقبیس کا سلسلہ شروع ہوا۔ مکہ مکرمہ ہر طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے شمال مغرب میں جبل فلج، جبل ہندی (غالباً شیخ علی متقی ہندی کی رہائش کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا ہے) جبل قیقعان وغیرہ ہیں اور جنوب مشرق میں جبل ابی حدیدہ، جبل ابوقبیس اور جبل خندمہ وغیرہ ہیں لیکن ان سب پہاڑوں میں جبل ابوقبیس زیادہ مشہور ہے۔ یہ پہاڑ فاران کے نام سے بھی موسوم تھا کہتے ہیں کہ یہ وہی مبارک پہاڑ ہے جس پر چڑھ کر فتح مکہ کے بعد حضرت بلال ◆ نے اذان دی تھی۔ اس کی یاد میں اس پہاڑ کی چوٹی پر مسجد بلال بنی ہوئی ہے جو حرم سے اچھی طرح نظر آتی ہے، اسی جبل ابوقبیس پر آنحضرت ﷺ سے شق القمر کا معجزہ صادر ہوا تھا۔ اس پر جانے کے لیے اس لیے ضرورت پیش نہ آئی کہ صفا کے بازار میں روزانہ آنا جانا ہوتا تھا اور اس بازار سے سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر پہاڑ پر پہنچتے تھے۔ لہٰذا اس کی روزانہ سیر ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی ہم رات کو اچھی چائے کی تلاش میں بھی جبل ابوقبیس پر چلے جاتے تھے۔ حرم شریف اسی پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، اگر حرم شریف میں نماز ہو رہی ہو تو مسجد بلال سے صاف دکھائی دیتی ہے۔ نبی ﷺ

Marfat.com

کے خاندان کے لوگ بنو ہاشم جبل ابوقبیس کی طرف آباد تھے۔ اس سے کچھ آگے بڑھے تو نبی ﷺ کی جائے ولادت نظر آئی، جس کو ہم پہلے بھی دیکھ چکے تھے، کچھ اور آگے بڑھے تو دو مسجدیں نظر آئیں، ایک چھوٹی تھی جس کو مسجد الرایہ کہا جاتا ہے، ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ یہ مسجد اس جگہ واقع ہے جہاں فتح مکہ پر آنحضرت ﷺ نے اپنا جھنڈا نصب کیا۔ ''رایت'' عربی میں جھنڈے کو کہتے ہیں۔ دوسری مسجد الجن کہلاتی ہے۔ اس جگہ جنوں نے نبی ﷺ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تھا، جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔

اس سے کچھ اور آگے بڑھے تو حجون نامی پہاڑ نظر آیا، جہاں مکہ معظمہ کا تاریخی قبرستان المعلاۃ واقع ہے۔ یہ قبرستان منیٰ کے راستے میں بائیں ہاتھ کو پڑتا ہے، اس قبرستان میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ □، حضرت اسماء □ بنت ابوبکر صدیق ◆، حضرت عبداللہ بن زبیر ◆ اور دوسرے اکابر کے مزارات ہیں، لیکن تمام قبروں کو مسمار کر دیا گیا ہے۔ حجون اور ایک دوسرے پہاڑ کے درمیان سے شمال مغرب کو ایک سڑک جاتا ہے جس پر ایک تختی لگی ہوئی تھی اس پر ''کدا'' لکھا ہوا تھا، کہتے ہیں کہ یہ وہی راستہ ہے جس سے آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ یہ راستہ منیٰ جانے کے لیے جنوب مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے، موڑ سے قریب کوہِ حرا یا جبلِ نور دکھائی دیا، جو کہ حرم سے غالباً تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

کوہِ حرا کی چوٹی پر ایک گنبد ہے، چوٹی سے بیس پچیس فٹ نیچے ایک غار ہے جو کہ غارِ حرا کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں رسول اکرم ﷺ بعثت سے قبل اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے یہیں رُوح الامین حضرت جبرائیل ◆ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے پیغام لائے۔ غار مسطح ہے اور قدِ آدم بلند ہے اور مشرق و مغرب دونوں طرف سے کھلا ہوا ہے اس لیے روشنی اور ہوا بلا روک آتی رہتی ہے۔ کوہِ حرا کے مشرق میں عرفات اور طائف کے پہاڑ ہیں۔ ہمارا ارادہ کوہِ حرا پر چڑھنے ار غارِ حرا کو اندر سے دیکھنے کا تھا، لیکن ہمارے معلّم محمد ہاشم صاحب سندھی نے ہمیں ایک سال پہلے کا واقعہ سنا کر ڈرا دیا تھا کہ ایک شخص اُوپر گیا اور شدتِ پیاس کی وجہ سے وہیں مرگیا اور اس کی نعش کو نیچے اُتارنے میں تین سو ریال خرچ ہوئے تھے۔

منیٰ وہاں سے قریب تھا چونکہ یہ مقام حج کے موقع پر ہی آباد ہوتا ہے اس لیے قبل از

Marfat.com

حج آدمی کم اور عمارتیں زیادہ نظر آئیں۔ منیٰ کے وسط میں مسجد الخیف کے پاس ہم موٹر سے اُترے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں قیام فرمایا تھا اور صحابہ ساتھ پانچ نمازیں ادا فرمائیں تھیں، تینوں جمروں کو بھی دیکھا جہاں تین دن تک کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ڈرائیور نے ایک چھوٹی مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ بیعت عقبہ اولیٰ اسی جگہ ہوئی تھی۔

منیٰ کے بعد وادیِ محسر آئی۔ جہاں اصحاب الفیل ''طیراً ابابیل'' کی کنکریوں سے ختم ہوئے تھے چونکہ یہ وادی عذاب کی جگہ ہے اس لیے احکامِ حج میں ہے کہ اس وادی کو جلد پار کیا جائے۔ وادیِ محسر کو پار کر کے ہم مزدلفہ پہنچے اور وہاں مسجد میں نفل ادا کیے۔ پھر آگے عرفات کی طرف بڑھے اس کی مسجد النمرہ میں نفل پڑھے پھر جبل الرحمت کے اُوپر چڑھے اس پر ایک چھوٹی سے مسجد بنی ہوئی تھی جس کے متعلق روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب فرمایا تھا، اس مسجد میں ہم نے نماز ادا کی اور پھر تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے۔

طائف کو روانگی

حجاج کو حجاز کے کسی شہر میں جانے کے لیے حکومت سے پروانہ اجازت حاصل کرنا پڑتا ہے طائف کے متعلق سیرت کی کتابوں میں بہت کچھ پڑھ چکے تھے۔ اس لیے اس کی زیارت کا خاص اشتیاق تھا۔ اپنے معلّم محمد ہاشم صاحب سندھی سے اس کا تذکرہ کیا تو اُنھوں نے ہم تینوں ساتھیوں کے لیے حکومت سے اجازت حاصل کر لی۔ سندھ کے ایک عالم مولانا علی محمد صاحب کا کے پوتا (جو کہ اس سال حج کے لیے تشریف لائے تھے) سے بھی ہم نے ساتھ چلنے کو کہا۔ مولانا موصوف کو بڑی جدوجہد کے بعد بھی اجازت نہ مل سکی۔ مجبوراً ہم تینوں رفقا پروفیسر ظہور احمد، پروفیسر سیّد فخر الحسن اور میں عازمِ طائف ہوئے، طائف کا بس اسٹاپ ''المعلاۃ'' کے قریب ہے وہاں بیسیوں ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ ان میں سیٹوں کے درجے مقرر ہیں۔ ہم درمیانی درجے میں بیٹھے اور فی آدمی مکہ سے طائف تک پانچ ریال کرایہ ادا کرنا پڑا۔ فسٹ کے سات ریال اور آخری درجے کے تین ریال تھے۔

طائف مکہ مکرمہ سے ۱۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، راستہ بے حد خراب تھا، چار گھنٹے

Marfat.com

میں ہم طائف پہنچ گئے، لیکن ایک تو راستہ خراب، دوسرے ڈرائیور اتنی تیز رفتاری سے گاڑی چلاتا تھا کہ ہمارے سر موٹر کے چھت سے بری طرح ٹکراتے تھے۔ اپریل کی آخری تاریخیں تھیں، مکہ معظمہ میں کافی گرمی تھی، لیکن ہم جب طائف پہنچے تو ہوا میں خنکی تھی اور ہمیں سردی محسوس ہونے لگی، راستے میں کئی منزلیں آئیں، قرن المنازل سے اُتر کر ہم نے چائے پی، یہ اہلِ نجد کے لیے میقات ہے۔ آگے ایک وادی سے گزر کر جہاں کھجوروں کے چھوٹے چھوٹے درخت دکھائی دیے۔ ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے عربوں نے بتایا کہ یہ وہ وادی ہے جہاں زمانہ جاہلیت میں عکاظ ذی المجاز اور مجنہ کے میلے لگتے تھے۔ طائف کے قریب ایک ہوائی اڈہ نظر آیا۔ ہوائی اڈہ سے طائف تک پکا راستہ ہے۔

طائف پہنچتے ہی ہم مسجد ابنِ عباس ؓ میں نماز ظہر پڑھنے گئے، وہاں ہم نے نماز باجماعت ادا کی۔ مسجد کے دائیں طرف ایک حجرے میں، جو مقفل تھا۔ حضرت ابنِ عباس ؓ کی قبر ہے۔ اسی بنا پر اس کا نام مسجد ابنِ عباس ؓ ہے۔ مسجد کے دو حصے ہیں: ایک پرانا دوسرا نیا۔ نیا حصہ کافی وسیع اور شان دار ہے۔ ہم نے انجان سا بن کر حضرت ابنِ عباس ؓ کی قبر والے حجرے کے دروازے کے سوراخوں میں سے جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی، لیکن نمازیوں اور مسجد کے محافظوں نے ہمیں سختی سے روکا۔ بہر حال اندر جھانکنے سے اتنا معلوم ہوا کہ قبر کافی خستہ ہے، نیز صفائی نہ ہونے کی وجہ سے حجرے کی حالت بھی خراب ہے۔

جیسے ہی ہم مسجد ابنِ عباس ؓ سے نماز پڑھ کر باہر نکلے، زور کی بارش ہوگئی۔ بارش سے بچنے کے لیے ہم نے شارع ابنِ عباس ؓ پر پھلوں کی ایک دکان میں پناہ لی، دو دکانیں ساتھ ساتھ تھیں۔ ہم نے ان سے کشمش اور چنے خریدے۔ دکان دار سے جب ہم نے عربی میں بات چیت کی تو وہ سندھی نکلا۔ گو وہ سندھی زبان نہیں جانتا تھا لیکن ہمیں پاکستانی سمجھ کر کہنے لگا کہ ہمارے آباؤ اجداد سندھ سے آئے تھے اور مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے ان کو وہاں بوقری کہا جاتا ہے۔ اصل میں یہ بوگڑی تھے۔ عربی میں بوقری ہو گئے۔ ان کی مکہ مکرمہ میں بڑی بڑی دکانیں ہیں۔ قدیم وطن کے لوگوں سے اچھی طرح پیش آتے ہیں لیکن سندھی زبان سے بالکل نابلد ہیں، دوسری طرف ہم نے دیکھا کہ بنگالی مہاجر مکہ میں صدیوں سے مقیم ہیں، لیکن ان کا

Marfat.com

دستور یہ ہے کہ گھر میں بچوں سے بنگالی زبان میں بات چیت کرتے ہیں اور باہر عربی بولتے ہیں، اس طرح اپنے وطن سے باہر رہ کر بھی اُنھوں نے اپنی زبان محفوظ رکھی ہے۔

بارش کی وجہ سے کچھ یمنی لوگ بھی اسی دکان پر آ پہنچے۔ ان سب کی کمر میں خنجر آویزاں تھے۔ اور یہ فوجی معلوم ہوتے تھے۔ کوئی آٹھ دس نوجوان ہوں گے۔ وہ بارش میں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر جمال عبدالناصر اور جنرل صلال کو برا بھلا کہتے اور امام بدر اور شاہ سعود کی فتح و نصرت کی دُعائیں مانگتے تھے۔ ہم نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک یمنی نوجوان سے کہا کہ آخر، ناصر بھی تمھاری طرح مسلمان ہے تم اس پر لعن طعن کیوں کر رہے ہو۔ اس نے نہایت دھیمی آواز میں مجھ سے کہا کہ ہم ظاہر میں بد دُعائیں دیتے ہیں۔ کیونکہ ہم شاہ کا کھاتے ہیں، باقی فی الحقیقت ہم ناصر یا صلال کے خلاف نہیں ہیں۔

مسجد ابنِ عباس ؓ کے قریب شاہراہ پر پتھر کا ایک ٹکڑا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بنو ثقیف کے بت لات کا ٹکڑا ہے۔ مسجد ابنِ عباس ؓ کے محل وقوع کے متعلق سنا گیا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں طائف کے محاصرہ کے وقت مسلمانوں کے لشکر کا قیام تھا۔ اس کے قریب ہی شہدائے صحابہ کرام ؓ کی قبریں بھی بتائیں جاتی ہیں۔

واپسی میں ہم نے فی آدمی ۲/ریال کرایہ دیا، جب کہ آتے وقت پانچ ریال فی کس دینا پڑا تھا۔ راستے میں ذاتِ قرن میں مغرب کی نماز ادا کی اور عمرہ کا احرام باندھا۔ رات کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، صبح کو احکامِ عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام سے فراغت پائی۔

حج کی ادائیگی

حج کے ایام آگئے تھے اور مکہ معظمہ میں جتنے حجاج کو آنا تھا وہ سب پہنچ گئے تھے۔ اس سال ہزاروں کی تعداد میں ترک خشکی کے راستے اپنی مخصوص گاڑیوں پر حج کرنے کے لیے آئے تھے۔ سالہا سال کی بندش کے بعد ان کو اجازت ملی تھی، اس لیے ان میں بڑا ذوق و اشتیاق تھا، چونکہ مصری اور سعودی حکومتوں کی باہمی پرخاش کی وجہ سے مصر سے حجاج نہیں آئے تھے لیکن اس کی تلافی ترک حجاج نے کر دی۔ الجزائر سے بھی کافی لوگ آئے تھے جو نہایت صحت مند اور قوی معلوم ہوتے تھے۔ ان ایام میں حجرِ اسود کا بوسہ دینا ہر کسی کا کام نہ تھا کیوں کہ بڑا

Marfat.com

ازدحام رہتا تھا۔ شروع میں پنجاب کے لوگ دوسروں کو دھکیلتے ہوئے حجرِ اسود تک پہنچ جاتے تھے لیکن افریقہ کے کالے رنگ کے قوی لوگوں کی آمد کے بعد یہ پنجاب والوں پر بازی لے گئے اور جب الجزائر اور شام کے علاقہ حلب کے حجاج پہنچے تو یہ سب سے بازی لے گئے۔ ان دنوں مطاف میں طواف کرنے والوں کا اتنا ازدحام ہوتا (خاص طور پر مقام ابراہیم کے قریب) کہ گزرنا محال ہوتا تھا۔ نماز کے لیے بھی اگر حرم میں ایک گھنٹہ پہلے آتے تھے تو جگہ مل جاتی تھی ورنہ پھر حرم کے دروازہ پر یا باہر کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ نماز میں صفیں ایک دوسرے سے اتنی قریب ہوتی تھیں کہ سجدہ کے لیے بے حد سکڑنا پڑتا تھا۔

۳رمئی بروز جمعہ کے لیے حج کے دن کا اعلان کیا گیا اور یہ اعلان ماہ ذی الحج کی ۶، ۷ تاریخ کو ہوا اور یہ اس لیے کہ حج کے لیے چاند کی تاریخوں کا فیصلہ ریاض کے علما کرتے ہیں اور پھر اس کی تصدیق شاہ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ اس کے بعد حج کی تاریخوں کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ۸رتاریخ کی صبح کو ہم نے حج کے لیے احرام باندھا اور منیٰ جانے کے لیے تیاری کی، پہلے تو میرا منیٰ تک پیدل جانے کا ارادہ تھا لیکن محمد ہاشم صاحب معلّم نے اس سے روکا اور کہا کہ اس موقع پر بڑا ازدحام ہوتا ہے۔ معلّم صاحب کی طرف سے بس کا انتظام تھا، تھوڑی دیر میں ہم منیٰ پہنچ گئے، معلموں کی طرف سے وہاں پہلے ہی خیموں کا انتظام تھا، ہمارے خیمے مسجد الخیف کے بالکل قریب تھے، ایک رات منیٰ میں ٹھہرنا پڑا، شام کو سفیر پاکستان متعین سعودی عرب جناب عبدالفتاح میمن پاکستانی حجاج سے ملنے آئے وہ ہر ایک حاجی سے نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے مصافحہ کرتے اور اس کی خیر خیریت معلوم کرتے تھے۔ میرے لیے تو موصوف اجنبی نہ تھے اور پھر لطف یہ کہ ان کے مشیر خصوصی مولوی قاری خیر محمد صاحب سے میرے پرانے مراسم تھے۔ رات کو قاری خیر محمد صاحب کی معیت میں نواب نبی بخش خاں بھٹو اور اُن کے صاحب زادے معشوق علی صاحب سے ملنے گیا، موصوف سندھ کی ایک عظیم شخصیت اور بڑے مرنجاں مرنج بزرگ ہیں، ان کی علم پروری کا یہ عالم ہے کہ سندھ کے اکثر عربی مدارس کو ان کی طرف سے گرانٹ ملتی رہتی ہے، خود ان کے شہر میں عربی تعلیم کا بہت بڑا مدرسہ ہے جو اِن کے خرچ پر چل رہا ہے اسی مدرسہ میں استاذ العلما العلامہ الحاج عبدالکریم الکورائی درس دیتے رہے۔

Marfat.com

علامہ کورائی کو دیکھ کر سندھ کے قدیم علمائے ٹھٹھ اور دوسرے محققین یاد آجاتے تھے۔ میرے وہ خصوصی استاذ تھے۔ میں نے گیارہ بارہ برس مسلسل ان کے ہاں علمی تربیت پائی اور پھر ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق اسی مدرسہ میں تین برس صدر مدرس کی حیثیت میں رہا۔ حضرت استاذ العلام کے صاحب زادے مولانا عبدالقادر صاحب نے مجھ سے پڑھا تھا۔ پندرہ برس کے بعد نواب صاحب سے یہ پہلی ملاقات تھی، ویسے تو بڑے لوگوں سے ملنے سے اکثر اجتناب کرتا ہوں، لیکن نواب صاحب کی حیثیت دوسری ہے۔ وہ نہایت ہی متواضع اور اعلیٰ کردار کے مالک ہیں۔ موصوف کی رہائش سفیر پاکستان جناب میمن صاحب کے ہاں تھی، اس طرح میمن صاحب سے دوبارہ ملنے کا موقع مل گیا۔

عرفات کو روانگی

۹ ذی الحج مطابق ۳ مئی ۱۹۶۳ء کو صبح کی نماز پڑھ کر ہم بس میں عرفات کو روانہ ہوئے گاڑیوں کا اتنا ازدحام تھا کہ الامان والحفیظ، میدانی علاقہ تھا جس کا جس طرح جی چاہتا تھا، اپنی گاڑی کو دوڑا کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ لبیک لبیک کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں اور اس کے ساتھ گاڑیوں کے ہارن بھی بجتے جاتے تھے، پیدل جانے والی جماعتیں بھی بسوں اور موٹروں کے ساتھ ساتھ گرد و غبار میں چل رہی تھیں، بسوں کی رفتار کہیں تو پیدل چلنے والوں سے بھی کم تھی۔ دُنیا اس طرح مار دھاڑ کرتی جارہی تھی کہ ہر دم ایکسیڈنٹ کا خطرہ تھا۔ بہرحال ہم عرفات پہنچ گئے۔

حسبِ دستور ظہر اور عصر کی نماز ہم نے عرفات میں پڑھی اور مغرب تک کھڑے کھڑے دُعا و مناجات کرتے رہے۔ وہاں عام حاجیوں کو دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ وہ خیموں میں کھانے پینے میں مصروف رہتے ہیں اور جب عصر کی نماز کا وقت ہوا تو معلّم صاحبان کی معیت میں دُعائیں پڑھنے لگے اور اسی کو ہی وہ حج تصور کرتے ہیں غرض جیسے ہی سورج غروب ہوا مزدلفہ کی طرف روانگی شروع ہوئی۔ واپسی میں تو اور بھی زیادہ خطرہ محسوس ہوتا تھا، کیونکہ ایک تو اندھیرا تھا اور دوسرے گاڑیاں بری طرح غبار اڑا رہی تھیں۔ راستے میں کچھ لوگ بیچارے پیدل چلنے والے جو ان کی زد میں آگئے تھے، وہ مرے ہوئے راستے پر پڑے تھے۔ مغرب اور عشا کی نماز حسبِ دستور مزدلفہ میں ملا کر پڑھی۔ صبح ہوئی تو اندھیرے میں صبح کی نماز ادا کی اور پھر منیٰ روانہ ہو

Marfat.com

گئے۔ منیٰ پہنچ کر جمرۃ العقبہ میں رمی کیا اور پھر قربانی کی تلاش میں تینوں رفقا نکل پڑے۔

قربانی کے لیے بکروں اور دنبوں کی بڑی فراوانی تھی، یہ بکرے اور دنبے نہ صرف حجاز سے بلکہ دور دراز ملکوں سے بھی لائے جاتے ہیں۔ ایک اچھا بکرا عام طور پر چالیس پچاس ریال میں مل جاتا ہے۔ ہمارے کچھ اور بھی ساتھی تھے جنھیں قربانی کرنا تھی چنانچہ پروفیسر ظہور احمد کی تجویز پر ہم نے مکہ مکرمہ سے ایک تیز چھرا خریدا تھا تاکہ خود اپنے ہاتھ سے قربانی کریں اور اس سنتِ ابراہیمی ◆ کی ادائیگی ہو۔ اسی روز یعنی ۱۰ تاریخ کو ہم تینوں پروفیسر سیّد فخر الحسن، پروفیسر ظہور احمد اور میں، ایک روپیہ فی آدمی کرایہ دے کر مکہ مکرمہ طواف زیارت کے لیے گئے۔ یہ طواف جملہ طوافوں سے اہم ہے کیونکہ اس کے چھوٹنے سے حج ادا نہیں ہوتا اور یہ طواف حج کے لیے رکن کی حیثیت رکھتا ہے، رات کو پھر منیٰ لوٹے کیونکہ ۱۱ر اور ۱۲ر کو رمی جمرات کرنا تھا اور یہ عرصہ منی میں ہی گزارنا پڑتا ہے۔ رمی جمرات کے موقعہ پر ازدحام اتنا تھا کہ جان کا خطرہ تھا، اگر کوئی گر جاتا تو پیچھے آنے والے لوگ اس کی چیخ پکار کی پروا کیے بغیر اس کو روندتے ہوئے آگے بڑھ جاتے اور عورتوں اور بچوں کا خیال تک نہ کیا جاتا۔ حکومت بھی اس کے انتظام سے قاصر ہے۔ منیٰ کے دوران قیام میں ایک اور چیز جس کو سب زائرین محسوس کر رہے تھے۔ یہ تھی کہ قربانی کے لاکھوں بکرے، دنبے اور اونٹ ذبح کرنے کی وجہ سے وہاں بڑی بدبو پھیلتی ہے اور گوشت سڑتا رہتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر گوشت سکھانے کا کوئی کارخانہ ہو اور کھالوں کی بھی حفاظت کی جائے۔

بارھویں ذی الحج کو تینوں جمروں کا رمی کرنے کے بعد مکہ معظمہ ہم واپس آ گئے اور اس طرح بحمداللہ حج کے جملہ ارکان سے فراغت حاصل ہوئی۔ اب جب تک مدینہ منورہ کی طرف جانے کی اجازت نہ ملتی ہمیں مکہ معظمہ میں ہی قیام کرنا تھا۔ اس دوران حرم کی حاضری، طوافِ کعبہ کے علاوہ علما کی مجالس میں شرکت، حرم کے مدرسین سے ملاقاتیں اور علمائے سندھ کی تالیفات کی تلاش یہ میری مصروفیات تھیں۔ مدرسہ صولتیہ کے ناظم مولانا حافظ محمد سلیم صاحب سے مدرسہ کے کتب خانہ کی زیارت کے لیے میں نے پہلے ہی استدعا کی تھی۔ اُنھوں نے فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد لائبریری دکھانے کا وعدہ کیا تھا کیونکہ ایامِ حج میں مدرسہ کے دفتر میں زائرین کا بڑا ہجوم رہتا ہے، حجاج اپنی امانتیں بھی ناظم صاحب کے ہاں رکھتے ہیں اور

Marfat.com

ہزاروں ریالوں کا حساب کتاب ان کو حسبۃً للہ رکھنا پڑتا ہے۔ مدرسہ کا یہ دستور قدیم سے چلا آتا ہے جس کو موجودہ ناظم صاحب قائم رکھے ہوئے ہیں۔

ایک روز ناظم صاحب نے مجھ کو کھانے پر بلایا اور کھانے سے پہلے کتب خانہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ناظم مدرسہ کے صاحب زادے نہایت بااخلاق عالم ہیں۔ ان کی معیت میں کتب خانہ کی زیارت کی۔ لائبریری وسیع جگہ میں ہے۔ کتابیں بے شمار ہیں اور بڑے سلیقہ سے رکھی ہوئی ہیں۔ ایامِ حج کی وجہ سے کتب خانہ بند تھا ورنہ عام طور سے شائقینِ علم کے مطالعہ کے لیے کھلا رہتا ہے۔ علمائے سندھ کی کتابیں تو مجھے یہاں دستیاب نہ ہوئیں لیکن دوسری کئی نادر کتابیں دیکھنے میں آئیں۔

کتب خانہ کا ایک حصہ الگ نظر آیا۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ یہ سب کتابیں حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ہے جو آپ نے مدرسہ کے لیے وقف فرمائی تھیں، پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ مدرسہ صولتیہ کے بانی مولانا رحمت اللہ صاحب مکہ مکرمہ میں حضرت امداد اللہ کے پہنچنے کے ایک یا دو ہفتے بعد آ گئے تھے اور دونوں کی بود و باش ایک ساتھ تھی۔ مولانا اسلم صاحب نے بتایا کہ نواب چھتاری نے مکہ میں ایک لونڈی خرید کر کے اسے آزاد کیا اور پھر حضرت حاجی صاحب کی خدمت کے لیے اس کو پیش کیا۔ حاجی صاحب نے اس کی اپنے ایک خادم عبدالرحیم نامی سے شادی کرا دی۔ یہ عبدالرحیم اصل میں اچھوت اور دیوبند کے رہنے والے تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے جس پر وہاں کے ہندوؤں نے ہنگامہ برپا کیا۔ اس لیے مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے اس کو مکہ معظمہ میں حاجی امداد اللہ کی طرف بھیج دیا۔ حضرت حاجی صاحب کے دو اور خادم تھے ایک شیخ شفیع الدین اور دوسرے شیخ محب اللہ، جس کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے کہ یہ دونوں حاجی صاحب کے خلفا تھے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل میں یہ دونوں آپ کے خادم تھے۔ جب حاجی امداد اللہ صاحب کی موت قریب آ گئی تو آپ کے معتقدین نے آپ سے عرض کیا کہ اپنے خلفا میں سے کسی کو اپنی مسند پر بٹھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک فقیر آدمی ہوں اور میں مسند نشینی کو دوست نہیں رکھتا، اگر میرے خلفا میں سے کسی میں اہلیت ہوگی تو وہ خود بخود دین کی خدمت کرتا رہے گا۔

Marfat.com

خواہ وہ کہیں بھی ہوگا۔ آپ نے اپنی جملہ کتابیں مدرسہ صولتیہ کے لیے وقف فرمائیں۔ کتب خانے میں ذیل کی خطیر کتابیں نظر سے گزریں:

ایضاح شرح مفصل: اوراق ۱۹۵ سن کتابت ۷۶۴ھ۔ اس کا خط متوسط تھا۔ یہ نحو کی مشہور اور نادر کتاب ہے۔

التصریح شرح التوضیح شرح الالفیہ: الشیخ خالد بن عبداللہ الازہری والتوضیح شیخ جمال الدین بن محمد۔ اس کا خط عمدہ تھا۔ جزء اول۔ ضخیم۔ کتابت ۱۰۵۹ھ

حواشی عبدالحکیم سیالکوٹی علیٰ حاشیۃ عبدالغفور: یہ بھی مشہور حواشی ہیں جو یہاں مطبوعہ ہیں لیکن یہ قلمی نسخہ صحیح معلوم ہوا۔

تفسیر الصادقی: (عربی) تالیف شیخ محمد اغنی نقشبندی۔ مؤلف کے ہاتھ سے لکھی ہوئی سورۃ مریم سے آخر تک۔ سن کتاب: ۹۹۲ھ

لطائف التفسیر: کامل فارسی از کتب خانہ فیوض امدادیہ

حاشیۃ العصام علیٰ تفسیر البیضاوی: دو نسخہ۔ ایک نسخہ ناقص تھا۔ یہ کتاب نوادرِ زمانہ میں سے ہے اور فاضل عصام الدین کی معرکتہ الآرا تصنیف ہے جو آج تک طبع نہیں ہوئی اس کا ایک نسخہ سندھ کے ایک گوٹھ پیر بخش بھٹو میں مولوی عبدالحکیم صاحب کی ذاتی لائبریری میں تھا جس کا میں نے بالاستیفا مطالعہ کیا تھا۔ یہ نسخہ حضرت استاذ علامہ کورائی کے زیر مطالعہ بھی رہا۔ اور آپ نے تفسیر البیضاوی پر حواشی لکھنے میں ان حواشی عصام سے بڑا استفادہ کیا۔ حضرت استاذ کی یہ تالیف کارخانہ تجارت کتب کراچی کی طرف سے چھپ چکی ہے۔

رسوخ الاحبار فی منسوخ الاخبار:۔ (عربی) جزء واحد۔ تالیف شیخ برہان الدین جعبری۔ سن کتابت ۸۷۳ھ

مرقاۃ الصعود شرح ابی داؤد: تالیف سیوطی۔ جزء واحد۔ یہ نسخہ آخر سے ناقص معلوم ہوتا تھا۔

ہیئت کے آلات: اسطرلاب مغربی، نہایت قدیم تھا اور پیتل کا بنا ہوا تھا۔ اس کے پانچ صفائح تھے۔ تین ارباع تھے۔ مجیب، مقنطر سب لکڑی کے بنے ہوئے تھے تین عدد

Marfat.com

تھے جس میں سے ایک سماوی اور دو ارضی تھے، ایک بڑا سماوی کی طرح تھا اور دوسرا چھوٹا تھا۔

مجموعی طور پر منطق کی کتابیں کافی تھیں جس کی تعداد دوسو اٹھارہ ہے۔ ہیئت کی ۴۳ ہندسہ کی ۲۸، کتب تاریخ ۱۱۲، کتب عروض ۸، کتب اَدب ۲۲ تھیں اور یہ سب ۱۳۰۴ھ تک کی جمع شدہ ہیں، اس کے بعد بھی کافی اضافہ ہوا ہے۔

مسجد الحرام کا تعلیمی نظام

مسجد الحرام اور مسجدِ نبویؐ اسلام کے ابتدائی دور ہی سے دین کی اشاعت کے مراکز اور منبع رہے ہیں ان کی یہ علمی مرکزیت آج تک کسی نہ کسی صورت میں صدیوں سے برابر چلی آ رہی ہے۔ میں نے مکہ مکرمہ میں اپنے قیام کے دوران مسجد الحرام کے مدرسین اور تعلیمی نظام کا بھی مطالعہ کیا، اس سلسلہ میں مجھے جو معلومات فراہم ہوئیں وہ قارئین کی نظر ہیں۔

جزیرۂ عرب میں تیل اور دوسرے معدنی ذخائر نکلنے کی وجہ سے جو مرفہ الحالی آئی ہے اس سے پہلے حرم میں تعلیم و تدریس کے لیے کوئی خاص منہج یا نصابِ تعلیم نہ تھا، نہ حکومت کی طرف سے مدرسوں کو کوئی باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی، اور نہ طلبہ سے کوئی فیس ہی لی جاتی تھی۔ تعلیم حسبةً للہ دی جاتی تھی۔ حجاز میں سعودی حکومت کے ابتدائی دور یا اس سے پہلی حکومتوں کے دور کے معظم علما کی سوانح حیات کو دیکھا جائے تو اُنھوں نے دارِ آخرت کی طرف رحلت کے وقت ذکرِ خیر کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے: وَالذِّکْرُ لِلْاِنْسَانِ عُمْرٌ ثَانٍ یعنی ذکرِ خیر انسان کے لیے ایک دوسری زندگی ہے۔ مدرسہ صولتیہ، مدرسہ فخریہ، مدرسۃ الفلاح، المدرسۃ الراقیہ وغیرہ سب حرم کی تعلیم کی بدولت وجود میں آئے، ان مدارس کے قائم کرنے والے حرم کی تعلیم سے مستفید ہو کر نکلے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں بالکل بے توجہی ہوتی تھی، حکومت اپنی بساط کے مطابق علما اور مدرسینِ حرم کی کچھ نہ کچھ اعانت بھی ضرور کرتی تھی، لیکن اکثر فاضل مدرسین ثواب کی خاطر ان چیزوں سے مستغنی رہتے تھے۔

حرم کے جملہ مدرسین، ائمہ، مؤذنین اور مطوفین کی نگرانی کے لیے حکومت کی طرف سے ایک مفتش ہوتا ہے، تقریباً چالیس سال قبل اس جلیل القدر عہدہ پر ایک سندھی عالم فائز تھے، جن کا نام شیخ محمد کامل سندھی تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کے حالات پر چند سطور تحریر کی جائیں۔

Marfat.com

شیخ محمد کامل سندھی کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہی ۱۲۸۵ھ میں ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان اعلامِ سندھ کی اولاد سے تھے جنھوں نے ایک دوصدی پہلے حجاز کی طرف ہجرت کی تھی۔ محمد کامل سندھی علما کے نقیب اور حرم کے مدرسین ائمہ، مطوفین اور خدامِ حرم کے مفتش تھے، اُنھوں نے وقت کے تبحر علما جیسے شیخ محمد صالح کمال، شیخ محمد سعید بالصیل اور شیخ عبدالرحمٰن دہان سے تعلیم پائی، ان کے ایک زائر نے شیخ کا حال بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں شیخ طویل قامت، معتدل جسم اور گھنی داڑھی والے تھے۔ وہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں نہایت مستعد رہتے تھے، وہ حرم کے مدرسین کی دیکھ بھال کرتے اسی طرح ائمہ اور مؤذنین میں سے جو غیر حاضر ہوتا اس پر نگاہ رکھتے اور طواف کی جگہ پر کھڑے ہو کر مطوفوں اور معلّموں کی دُعائیں سنتے اور اُن کی نحوی اغلاط کو درست کرتے تھے۔ اس معاملے میں وہ اتنے سخت تھے کہ کسی مطوف کو طواف کرانے کی اجازت ہی تب دیتے تھے جب وہ اس سے صحیح ادعیہ سن لیتے۔ وہ خود بھی اچھے مدرس تھے۔ حرم میں فقہ حنبلی اور نحو کی کتابوں کا درس دیتے تھے، جس نے اس دور کو پایا اور حرم کے درس کو بھرا ہوا دیکھا ہے، اس نے شیخ محمد کامل سندھی کو اون کا جبہ پہنے ہوئے اور سر پر پگڑی یا عمامہ باندھے ہوئے درس کے وسط میں ضرور دیکھا ہوگا۔ وہ ہمیشہ اسی ایک ہیئت میں رہتے تھے۔ شیخ محمد کامل سندھی نے ۱۳۵۳ھ میں وفات پائی اور پیچھے تین لڑکے چھوڑے۔

- شیخ عبدالسلام مراقب عالم ادارہ حرم
- شیخ عبداللہ موظف مجلس وزارت
- شیخ سعید موظف وزارت داخلیہ [بحوالہ: دروس من ماضی التعلیم و حاضرہ للشیخ عمر عبدالجبار ص: ۲۲۱]

اس وقت حرم میں تعلیم و تدریس کی پہلے سے زیادہ نگرانی ہو جاتی ہے اور خاص طور سے سلفیہ مسلک رکھنے والے علما کو ترجیح دی جاتی ہے لیکن پھر بھی حرم کے مدرسین میں سے جو ''اعلم حجاز'' کہلاتے ہیں اور جن کا علمی معیار بلند اور تحقیق و تدقیق عالمانہ ہے وہ سب پرانی تعلیم کے فیض یافتہ اور حنفی مالکی، یا شافعی فقہ کے پابند ہیں، جیسے سیّد امین کتبی حنفی، سیّد حسن مشاط شافعی

Marfat.com

اور سیّد علوی مالکی ہیں، ان کے علاوہ حرم کے جو دوسرے مدرس ہیں ان میں شیخ حمزہ عبدالرزاق کا بڑا بلند علمی مقام ہے، وہ اکثر قرآنی حقائق پر تبصرہ کرتے رہتے ہیں، دو تین مرتبہ مجھے ان کے درس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا، سلفی مسلک رکھتے ہیں اور اُن کا بڑا اچھا مطالعہ ہے، میرے استاذ امام عبیداللہ سندھی کے معتقد ہیں۔ اپنے پاکستانی اور ہندوستانی علما میں سے مولانا خیر محمد صاحب لکھنوی بھی حرم میں حسبۃً للہ تعلیمی خدمت ادا کر رہے ہیں۔

مولانا خیر محمد صاحب کافی مدت سے جوارِ حرم میں مقیم ہیں۔ ایک روز ان کے درسِ قرآن میں بھی حاضر ہوا، عبادت، اطاعت اور ریاضت نے ان کو نڈھال کر دیا ہے، کچھ معتقدوں نے ان کو سہارا دے کر بٹھایا، لیکن جب آپ کا درسِ قرآن شروع ہوا تو وہ کمزوری جاتی رہی، ان کے ایک ایک لفظ سے ایمانی قوت، تقویٰ اور سادگی ٹپک رہی تھی۔ تیس سال پہلے میں نے مولانا خیر محمد صاحب کو ان کے گاؤں ٹھل حمزہ میں دیکھا تھا، وہاں مولانا کی بدولت ایک بڑا مدرسہ قائم تھا جہاں کئی منتہی شاگرد تعلیم پا رہے تھے اور مولانا کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ شاگردوں کے لیے گھروں سے کھانا خود لے آتے تھے۔ آپ درس سے فراغت کے بعد اپنی بھینسیں اور گائیں خود چرانے جاتے تھے۔

مولانا عبدالحق صاحب بہاولپوری کا حلقہ درس کافی بڑا رہتا ہے، حدیث کا درس دیتے ہیں اور نہایت ہی سادہ مزاج اور پرہیز گار عالم ہیں۔ سلفیہ مسلک رکھتے ہیں تعصب نام کو بھی نہیں۔ مولانا پڑھانے سے زیادہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ علمِ حدیث میں کئی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔

مولانا عبداللہ صاحب لکھنوی اچھے محدث اور حسنِ اخلاق کا مجسمہ ہیں۔ ان سے کئی مرتبہ علمی ملاقاتیں ہوئیں حرم میں بھی اور دارالحدیث خیریہ میں بھی۔ ان کے درس کا بھی بڑا حلقہ رہتا ہے۔

پاکستانی علما میں سے ایک صاحب مولانا امان اللہ پشاوری ہیں خوب طاقتور اور قد آور، ان کی اپنی زبانی معلوم ہوا کہ عرصہ پندرہ سال سے جوارِ حرم میں مقیم ہیں۔ یہ بزرگ اُردو میں وعظ و تبلیغ کرتے رہتے ہیں، بڑی اونچی آواز میں بولتے ہیں۔ مغرب سے لے کر عشا تک ان کی تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

عرب علما میں سے ایک نوجوان عالم شیخ علی بن زید رکن عراقی کے بالمقابل حدیث کا

Marfat.com

درس دیتے ہیں اور زیادہ تر اپنے درس میں ردِ بدعات پر زور دیتے رہتے ہیں، ان سے بھی ملاقات ہوئی اور علمی باتیں ہوئیں۔

ایک روز ایک انڈونیشی عالم شیخ عبدالقادر کے درس میں حاضر ہوا، ان کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا۔ شیخ عبدالقادر انڈونیشی زبان میں پڑھا رہے تھے۔ ان کو بڑا نحوی عالم مانا جاتا ہے، ان کے مستفیدین سب انڈونیشی شاگرد معلوم ہوتے تھے، ایک خاص چیز ان کے درس میں یہ تھی کہ درس سے فراغت کے بعد سب شاگرد شیخ سے مصافحہ کر کے جاتے تھے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ روزانہ ان کا یہی دستور ہے اور یہ شافعی المذہب ہیں۔

جدّہ میں شیخ محمد نصیف سے ملاقات

مکہ مکرمہ میں مَیں مناسک حج سے فارغ ہو چکا تھا اور وہاں کے علما، صلحا اور اکابرِ دین کی زیارتیں بھی ہو چکی تھیں اب صرف مدینہ منورہ کی حاضری رہ گئی تھی، مجھے چونکہ مشرقِ وسطیٰ کی سیاحت اور بیت المقدس کی زیارت کے لیے جانا تھا اس لیے ایک بار اپنے محترم رفیق پروفیسر ظہور احمد صاحب کی معیت میں شرقِ اُردن کے سفارت خانے واقع جدہ میں عمان کا ویزا حاصل کرنے کے لیے جانا ہوا۔ وہاں ویزا حاصل کرنے میں یہ دقت پیش آئی کہ میں نے کراچی سے متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) کا ویزا لے لیا تھا۔ اس کو دیکھ کر عمانی سفارت خانے والے مجھ کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ان سے غیر فصیح عام عربی زبان میں بات چیت کرنا بھی میرے لیے وبالِ جان بن گیا، دوسرے کچھ زائرین تھے ان کو تو ویزا مل گیا اور میرے لیے یہ شرط لگائی گئی کہ پاکستانی سفیر جب تک نہیں لکھے گا ویزا نہیں مل سکتا۔ یہ سن کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ دفتری کاروبار کی وجہ سے میرا وقت ضائع ہو رہا تھا۔ پہلے تو مَیں نے اس کے لیے میمن صاحب سفیر پاکستان کو تکلیف دینا مناسب خیال نہ کیا اور سیکرٹریوں سے اس بارے میں کہا لیکن ہمارے سفارتی حکام ایسے لاٹ صاحب تھے کہ سوائے نہ کے ان کے ہاں اور کوئی جواب نہ تھا، لامحالہ میمن صاحب سے ملا۔ صاحب موصوف کی ہردلعزیزی اور پاکستانی حجاج کے ساتھ ہمدردی کی کیا تعریف کروں، اسی وقت میرے لیے خط ٹائپ ہوا جس کو لے کر مَیں عمانی سفارت خانے میں پہنچا اور ویزا حاصل کیا، اس سلسلے میں مَیں اپنے دوست قاری خیر محمد صاحب کی خصوصی معاونت کو بھی نہیں بھلا سکتا۔

Marfat.com

جدّہ میں دو دن قیام رہا اس موقع کو غنیمت پا کر عرب کے ایک مخیرؒ اور علم دوست عالم شیخ محمد نصیف سے ملاقات کی۔ شیخ کے نام نامی سے تو میں پہلے سے آشنا تھا، عمر رسیدہ بزرگ ہیں کوئی نوّے سال کے لگ بھگ ہوں گے۔ متانت، سنجیدگی اور اخلاق کے مجسمہ ہیں، کافی دیر تک ان سے علمی باتیں ہوتی رہیں، مولانا بنوری صاحب کا بھی تذکرہ کیا پھر محمد معین ٹھٹھوی سندھی اور اُن کی کتاب دراسات اللبیب کے متعلق بھی اپنے تاثرات ظاہر فرمائے، موصوف چونکہ سلفی مسلک کے ہیں اس لیے دراسات کی تعالیق اور حواشی کے سلسلے میں میرے فاضل دوست نعمانی صاحب سے ناراض نظر آتے تھے۔ عربی دستور کے مطابق قہوہ اور چائے نوشی جاری رہی اور مذاق میں قہوہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ ہمارے ہاں کا ''پان'' ہے۔ کھانے کے لیے بھی اصرار فرمایا لیکن وقت کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں معذرت کرنی پڑی، شیخ محمد نصیف صاحب کی بڑی اچھی لائبریری ہے۔ آپ نے منهاج السنة، جدید ایڈیشن ج ۱، تالیف شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ، الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة، تالیف شوکانی اور دوسری کتابیں بھی مرحمت فرمائیں۔

ہمیں دو دن جدّہ میں رہنا پڑا۔ پھر ہم مکہ مکرمہ واپس آگئے، مَیں نے پاسپورٹ اپنے معلّم محمد ہاشم سندھی صاحب کے حوالہ کیا، وہ اپنی بے حد مصروفیتوں کے باوجود جدّہ گئے اور اپنی جیب سے ہوائی جہاز کا ٹکٹ۔ ۲۶۵ ریال میں جدہ سے عمان تک کا لے آئے، اب میرے لیے یہ ٹکٹ دکھا کر مدینہ منورہ جانا آسان ہوگیا ورنہ میری باری تب آتی جب چوتھے جہاز کے کراچی کی طرف واپسی میں صرف دس بارہ دن رہ جاتے، کیونکہ میں چوتھے نمبر جہاز میں ہی آیا تھا اور اسی سے مجھے لوٹنا تھا، کسی دوسرے ملک کو جانے کے لیے بحری جہازوں سے آنے والے حجاج کو صرف ہوائی جہاز کے ذریعہ جانے کی اجازت ہوتی ہے، غرض یہ ٹکٹ دکھا کر مجھے مدینہ منورہ جانے کی اجازت مل گئی۔

مدینہ منورہ کو روانگی

مکہ مکرمہ سے خروج کی اجازت ملتے ہی میں حرم میں طواف وداع کے لیے گیا، یہ طواف واجب ہے اور کعبہ سے رُخصت کا طواف ہے، اس موقع پر مجھے اپنے، اپنے خویش و اقارب اور دوسرے احباب کے لیے جتنی دُعائیں کرنی تھیں وہ سب پورے خلوص سے کیں۔

Marfat.com

حرم سے جدائی کے وقت اس بندۂ آثم پر جو رقت طاری ہوئی وہ حد بیان سے باہر ہے۔

اب مجھ سے بس کا انتظار بھی نہ ہو سکتا تھا، کیونکہ بس تو تب جائے جب حجاج سے بھر جائے۔ آخر حکومت سے ''تنازل'' حاصل کیا اور اپنے معلم اور دوسرے احباب کو الوداع کہہ کر ٹیکسی کے لیے جیاد پہنچا۔ مدینہ جانے کے لیے میری عجلت کا یہ عالم تھا کہ میرے دو رفقا میں سے پروفیسر سیّد فخر الحسن صاحب کو ان کی بوڑھی والدہ کی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے جانے کی جازت مل گئی اور وہ مدینہ چلے گئے تھے لیکن پروفیسر ظہور احمد صاحب تا حال مکہ میں میرے ساتھ تھے وہ ہسپتال گئے ہوئے تھے۔ ان کی واپسی کا بھی انتظار نہ کر سکا تا کہ ان کو بھی الوداع کہوں۔ درحقیقت یہ کوئی میری خصوصیت نہ تھی، مکہ مکرمہ سے ''خروج'' کی اطلاع اس طرح ملتی ہے کہ حجاج جلدی میں سب کچھ بھول جاتے ہیں۔

غرض محلہ جیاد سے جدہ کے لیے تین ریال کرایہ دے کر ٹیکسی پر سوار ہوا، جیسے ہی جدہ کے بس اسٹینڈ پر پہنچا تو مدینہ منورہ جانے کے لیے ایک ٹیکسی تیار کھڑی تھی، جدہ سے مدینہ منورہ تک کا چھ ریال کرایہ دیا۔ یہ کرایہ حجاج کے لیے نہیں ہوتا، جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، بلکہ مقامی لوگوں سے لیا جاتا ہے، میں چونکہ ''ورقہ تنازل'' حاصل کر چکا تھا اس لیے اب میری حیثیت بھی مقامی آدمیوں جیسی تھی۔

جدہ سے مدینہ منورہ تک ۴۲۵ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ٹیکسی بڑی تیز چل رہی تھی، سڑک نہایت ہی عمدہ اور نئی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی، راستے میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں نظر آئیں، ظہر کی نماز رابغ میں ادا کی۔ رابغ بحر قلزم پر ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے۔ یہ شامی اور مصری حجاج کے لیے میقات احرام ہے۔ یہاں بدوی بچے اُبلے ہوئے انڈے بیچ رہے تھے، دس قروش میں تین انڈے ملے۔ وہاں چائے نوشی بھی کی۔ رابغ کے بعد بدر کا مقام آیا، یہاں بھی قہوہ خانے تھے، کافی دیر تک وہاں ٹھہرے، معرکہ بدر جہاں واقع ہوا تھا وہ جگہ اس بستی سے مغرب کی طرف تھوڑے فاصلے پر ہے۔ وہیں شہدائے بدر کی قبریں بھی ہیں، عربوں نے دور سے ہمیں وہ جگہ بتائی۔ بدر سے آگے حسینیہ، مسجد، بیئر الراحۃ اور بیئر علی کی بستیاں آئیں، بیئر علی سے مدینہ منورہ صرف پانچ میل رہ گیا اور یہ وقت مغرب کا تھا لہٰذا مدینہ منورہ کی روشن بتیاں دور سے نظر آ رہی

Marfat.com

تھیں۔ اس جگہ کو ذوالحلیفہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جو اہلِ مدینہ کے لیے میقات ہے اور حجتہ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور اُن کے ساتھیوں رضوان اللہ علیہم نے یہیں احرام باندھا تھا۔ اب جیسے جیسے یثرب کی آبادی قریب آ رہی تھی، شوقِ دیدار گنبد خضرا بڑھ رہا تھا۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتشِ شوق تیز تر گردد

حدودِ شہر میں داخل ہوتے ہی معلّم کا تعین ضروری ہو گیا۔ یہاں مکہ مکرمہ کی طرح معلّم کے تعین میں حجاج کو اختیار نہیں ہے، بلکہ ہر خطہ کے لیے معلّم مقرر ہوتے ہیں۔ کراچی کے لیے شیخ حمزہ زلّی معلّم تھے، ہمیں ان کو ہی اپنا معلّم مقرر کرنا پڑا۔ حرم کے قریب ٹیکسی کو رُکوا کر اُتر پڑا، شوق زیارت کا یہ عالم تھا کہ سامان اُتارتے وقت ایک بوری سامان کی (جس میں اکثر امانتیں اور احبابِ مدینہ کے لیے کچھ تحائف تھے) ٹیکسی سے اُتارنا رہ گئی، بوری پر میں نے اپنا نام بھی نہیں لکھا تھا، جب حرم پہنچا تب سامان یاد آیا، لیکن اب تو رات ہو گئی تھی۔ معلّم کو خبر کی، اس نے بھی یہ عذر پیش کیا کہ اگر آپ کا پتہ لکھا ہوا ہوتا تو سامان مل جاتا۔ میں نے ٹیکسی کا نمبر بھی نوٹ نہیں کیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور اور اس کے شوفر کی یہ حالت تھی کہ جدہ سے لے کر مدینہ منورہ تک ریڈیو سنتے اور ہاتھ سے تالیاں بجاتے آئے تھے، نماز کی پابندی بھی ان لوگوں میں نہ تھی۔

صبح کو مسجدِ نبویؐ میں جا کر نماز با جماعت ادا کی اور صلوٰۃ و سلام پڑھا، اس وقت کی کیفیت قید کتابت میں نہیں آ سکتی۔ اس کے بعد بس اسٹاپ پر چلا گیا، بیسیوں ٹیکسیاں اور بسیں کھڑی تھیں۔ وہاں پولیس کو بھی اطلاع دی۔ ان کی طرف سے بھی یہی جواب ملا کہ ڈرائیور کو شناخت کیجیے، لیکن بیسیوں آدمیوں میں شناخت کرنا مشکل ہو گیا۔ آخر دو گھنٹے کے انتظار کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کے ہاتھ میں وہی بوری سامان کی ہے اور اعلان کرتا پھر رہا ہے، بڑی خوشی ہوئی کھویا ہوا سامان مل گیا، ڈرائیور اور شوفر کے متعلق جو میری بدگمانی تھی وہ جاتی رہی، حسنِ معاملگی اسی کا نام ہے، ظاہری تقویٰ میرے خیال میں کسی کام کا نہیں ہے۔

ملاقاتیں

جمعہ کا روز تھا، میں ۳ گھنٹے پہلے ''روضة من رياض الجنة'' میں پہنچ گیا، نماز سے فراغت کے بعد مولوی محمد قاسم اور مولوی حبیب اللہ صاحب بلوچستانی سے ملاقات ہوئی، یہ دونوں

Marfat.com

بزرگ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں درجہ علیا میں تعلیم پاتے ہیں۔ مولانا عبیداللہ صاحب صدر مدرس مظہر العلوم کراچی نے انھیں پہلے ہی میرے متعلق اطلاع دی تھی۔ ان دونوں دوستوں کی وجہ سے فضلائے مدینہ اور مقاماتِ متبرکہ اور آثار قدیمہ دیکھنے میں میرے لیے آسانی پیدا ہوگئی۔

اسی روز عصر کے بعد جنت البقیع گئے، جہاں حضرات عثمان ◆، ابوسعید خدری ◆، حلیمہ سعدیہ □، امام نافع، امام مالک، آٹھ اُمہات المومنینؓ، بنات النبی ♏: سیدہ خاتون □، امام حسن، امام محمد باقر، امام جعفر صادق کے مزارات کی زیارت حاصل ہوئی۔ مزارات کیا تھے صرف معمولی نشانات باقی تھے، واپسی میں سندھ کے ایک درویش صفت عالم مولانا محمد کامل صاحب سے جو کہ پندرہ سال سے ترک وطن کر کے مع اہل وعیال جوارِ سرورِ کائنات میں سکونت فرما ہیں، ان کے دولت خانے پر ملاقات ہوئی، مولانا موصوف صبر وشکر کے مجسمے ہیں، اب تو اُنھوں نے اپنا ایک مکان بھی بنوالیا ہے، لیکن اس سے قبل جن صعوبتوں کا ان کو سامنا پڑا، آپ وہ سب بخوشی برداشت کرتے رہے، ان کے دوستوں سے معلوم ہوا کہ وہ کبھی مدینہ منورہ کی زندگی سے دل برداشتہ نہ ہوئے۔ مزدوری کر کے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتے رہے، اب بھی خیاطی کر رہے ہیں اور اس سے جو وقت بچتا ہے وہ کتابوں کے مطالعہ اور مسجدِ نبویؐ میں عبادت کرتے ہیں، میرے تو وہ قدیم دوست اور کرم فرما تھے، مدینہ منورہ میں وہ اکثر میرے ساتھ رہے۔

مدینہ منورہ کے مشاہیر علما سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا، مولوی محمد قاسم اور مولوی حبیب اللہ متعلمانِ جامعہ اسلامیہ مدینہ کی رفاقت میں علامہ شیخ ابنِ باز پرو وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے دولت خانے پر حاضر ہوا، شیخ ابنِ باز کے حسنِ اخلاق کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، موصوف کا پانچ ہزار ریال کا مشاہرہ ہے لیکن مہمانوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ سننے میں آیا کہ اتنا مشاہرہ ہوتے ہوئے بھی مقروض رہتے ہیں۔

موصوف میرے ساتھ علمی گفتگو کرتے رہے، ان کو مملکتِ اسلامیہ پاکستان سے بھی بڑی ہمدردی ہے، پاکستانی علما کی علمی سرگرمیوں کے متعلق بھی سوالات کرتے رہے۔ آپ نے سندھ کے قدیم محدثین اور علما کی بڑی تعریف فرمائی۔ میں نے انھیں اپنی کچھ تالیفات بھی پیش کیں غرض موصوف نے جس کرم فرمائی اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھے یادر ہے گا۔ میرا ارادہ مشرقِ وسطیٰ کی سیاحت کا تھا۔ علما موصوف سے میں نے اس کا تذکرہ

Marfat.com

کیا تو اُنھوں نے بکمالِ شفقت ایک خط دیا تاکہ اگر مجھے واپس حجاز آنا پڑے تو سفرا کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء

الحاج سیّد شیر محمد خلیفہ مولانا تھانوی کی زیارت

مدینہ منورہ کے زندہ بزرگوں میں سب سے نمایاں شخصیت سیّد شیر محمد گھوٹکی والے سندھی بزرگ ہیں، عرصہ دراز سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے ہیں۔ آپ کے ہاں ہر ملک کے علما اور فضلا زیارت کے لیے آتے ہیں اور مسائل حج میں آپ کی شخصیت مستند سمجھی جاتی ہے۔ میرے لیے آپ کی ذاتِ گرامی نا آشنا نہ تھی، کیونکہ سیّد صاحب اپنے وطن گھوٹکی سندھ میں اپنے بڑے بھائی الحاج سیّد فخر الدین شاہ مرحوم خلیفہ ارشد مولانا اشرف علی کی معیت میں مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی چلاتے تھے، اس دور میں مدرسہ قاسم العلوم کا میں مدرس اوّل تھا، سیّد صاحب کی زیارت سے بڑا قلبی سکون حاصل ہوا۔ موصوف کی اس وقت ۸۳/سال عمر ہے اور اس پیرانہ سالی میں بھی اپنا خود کھانا پکاتے ہیں، حالانکہ اگر وہ چاہیں تو ان کی خدمت کے لیے بیسیوں معتقدین تیار ہیں، لیکن وہ اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

دورانِ گفتگو موصوف نے فرمایا کہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب استاذ العلما مولانا قمر الدین نبوی، مولانا نظر محمد صاحب بھنگ والے سے تعلیم پاتے تھے، فقیہ سندھ مولانا محمد قاسم ساکن گھڑھی یاسین کے متعلق فرمایا کہ ان میں حق طلبی اور انصاف کا مادّہ تھا، اسی طرح فرمانے لگے کہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے سندھ کے مفتی مولانا عبدالغفور صاحب ہمایونی کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ میرے کچھ خطوط بھی سیّد صاحب کی معرفت آئے تھے ان کو حاصل کیا اور پھر ایک دوسرے سندھی مہاجر الحاج علی محمد خیاط سے ملاقات کی۔

الحاج علی محمد سندھی بھی عرصہ پندرہ سال سے ترکِ وطن کر کے مدینہ منورہ میں مع اہل و عیال سکونت پذیر ہیں، ان کا بڑا بھائی محمد بخش نامی بھی ان کے ساتھ ہجرت کر کے گیا تھا، لیکن چند سال کے بعد وہ اس لیے واپس آگیا کہ وہاں کے لوگوں کی وہابیت سے وہ متنفر تھا لیکن الحاج علی محمد بڑے صبر اور شکر سے مدینہ منورہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو ہر لحاظ سے قابلِ رشک ہے۔ الحاج علی محمد کی دکان مسجدِ نبویؐ کے بالکل قریب تھی اس لیے میں نے انھی کے ہاں رہنے کو پسند کیا۔

Marfat.com

زیارتیں

۲ رجون کو جبلِ احد اور دوسری زیارتوں کا پروگرام بنایا، پہلے جبلِ احد گیا، جنگِ اُحد کی وجہ سے اس جبل کی جو تاریخی اہمیت ہے وہ سب کو معلوم ہے، یہ جبل مدینہ سے شمال کی جانب تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے، نبی ﷺ نے کس طرح مورچہ قائم کیا تھا، اور کہاں پر پچاس تیراندازوں کو متعین فرمایا تھا اور پھر کس طرح پسپائی ہوئی، ان تمام چیزوں کو رفقا کی رہنمائی میں غور سے سمجھتا رہا، حضرت حمزہ ؓ کے مزار کی زیارت بھی نصیب ہوئی، وہاں سے مسجد قبلتین گئے، پھر خندق کو دیکھا، جہاں پانچ مسجدوں کی بھی زیارت کی، پھر مسجد قبا کو چلے گئے، وہاں نوافل ادا کیے، مسجد قبا کے قریب بیئرِ اریس کو بھی دیکھا۔ یہ وہ کنواں ہے جس کا پانی آنحضرت ﷺ کے لعاب کی برکت سے میٹھا ہوا تھا اور حضور ﷺ کی انگوٹھی حضرت عثمان ؓ سے اس کنوئیں میں گر پڑی تھی، یہ تمام زیارتیں کر کے واپس آ گیا، دوسرے دن مولوی محمد قاسم اور مولوی حبیب اللہ صاحبان کی رفاقت میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ گیا، جہاں جامعہ کے تلامذہ اور اساتذہ سے کافی دیر تک ملاقات رہی۔

جامعہ کے امین عام علامہ شیخ عبودی سے اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے ملاقات ہوئی لیکن عمر بھر میں ان کی کرم فرمائی کو بھول نہیں سکتا، موصوف خالص علمی انسان اور کتابوں کے دلدادہ تھے، علمی جذبے کی بنا پر میری اُنھوں نے جو معاونت فرمائی اس کا بدلہ تو پروردگار سے ہی ان کو ملے گا۔ وہ اپنی موٹر پر بٹھا کر مجھے مسجدِ نبویؐ میں لائے۔ اسی روز شام کو بیئرِ رومہ کو بھی دیکھا، پانی نہایت ہی میٹھا تھا، یہ وہ تاریخی کنواں ہے جس کو حضرت عثمان ؓ نے یہودیوں سے خرید فرما کر وقف کیا تھا، آج تک اس کا پانی میٹھا چلا آ رہا ہے۔ یہاں ڈیری فارم بھی ہے اور اس کے پاس بڑا اچھا خوش کن باغیچہ ہے، یہ کنواں مدینہ منورہ سے شمال مغرب کی طرف تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔ [الرحیم: جنوری ۱۹۶۴، ص ۵۲-۶۴، فروری ۱۹۶۴ء، ص ۵۸-۷۲، اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۱۴-۲۲]

❁......❁❁......❁

Marfat.com

بلوچستان کا علمی سفر

پاکستان میں صوبہ بلوچستان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نفری آبادی تو اس صوبہ کی بہت کم ہے۔ لیکن اراضی کے خیال سے اگر پاکستان کے باقی تمام صوبوں کو ملا دیا جائے تو ان سب سے بلوچستان کا رقبہ زیادہ ہے پھر اس کی سرحدیں جن ہمسایہ ملکوں سے ملتی ہیں۔ اُنھوں نے اس کی اہمیت کو اور بڑھا دیا ہے افغانستان میں روس کی دخل اندازی کی وجہ سے صوبہ سرحد مہاجروں کے مسئلہ سے دوچار ہے۔ یہی کیفیت بلوچستان کی ہے۔

مختلف الخیال علما کے پانچ رکنی وفد میں بلوچستان کی زیارت نصیب ہوئی۔ کوئٹہ چمن، پشین، لورالائی، مستونگ، خضدار، قلات اور نوشکی جیسے اہم شہروں میں جانا ہوا مختلف مکاتیب کے علما سے خصوصاً اور عوام اور متوسط طبقوں سے عموماً ملاقاتیں ہوتیں ملکی تحفظ اور اتحاد کے سلسلہ میں ان سے باتیں ہوتیں۔ بحمد اللہ ہم نے ان کو دوسرے صوبوں کے لوگوں سے ملکی سالمیت کی خواہش میں کم نہ پایا، دینی اُمور میں تو وہ ایسے راسخ العقیدہ مسلمان ہیں کہ دوسرے صوبوں میں ایسے کم ملیں گے اب تو حکومت کی طرف سے بلوچستان کی ترقی اور خوشحالی کی اسکیمیں عمل میں آرہی ہیں۔ ان کی وجہ سے اقتصادی بدحالی کی شکایت بھی جلد جاتی رہے گی۔

بلوچستان میں دینی مدارس کا جال بچھایا گیا ہے۔ ہر جگہ اچھے مدارس قائم ہیں۔ کوئٹہ کو چھوڑ کر لورالائی، مستونگ، قلات، خضدار اور نوشکی میں بڑے بڑے مدارس آباد نظر آئے۔ ایک بات جس نے ہمیں بڑا متاثر کیا یہ تھی کہ بلوچستان کے مختلف مکتبہ فکر کے علما میں کوئی اختلاف اور بحث وتمحیص دیکھنے میں نہیں آیا یہ ان کی مالی ہمتی صداقت اور جذبہ ایمانی کی دلیل ہے۔ ہمارے وفد کا بھی اصلی مقصد یہی تھا کہ ملکی اتحاد اور سالمیت کے لیے علما کرام اپنے نظریاتی اختلافات کو عوام کے سامنے آنے نہ دیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں روزانہ دس بارہ تقاریر کرنی پڑتی تھیں اور دورہ نہایت کامیاب رہا۔ [الولی: مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۳-۴]

Marfat.com

میری ذاتی لائبریری

سندھ میں اجتماعی اور سرکاری کتب خانوں کے ساتھ انفرادی اور ذاتی کتب خانے بکثرت پائے جاتے ہیں، ان میں سے کچھ تو ذاتی لائبریریاں اور خاندانی کتب خانے ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ چلے آتے ہیں اور یہ عام طور پر سندھ کے پرانے پیرانِ عظام اور علمائے کرام کے گدی نشینوں اور اولاد و اخلاف کے پاس ہیں۔ ایسے کتب خانے چند کو چھوڑ کر باقی مقفل ہی رہتے ہیں، جن سے فائدہ حاصل کرنا تو درکنار ان کی زیارت بھی مشکل ہوتی ہے۔

میری لائبریری بھی سندھ کی ایک ذاتی لائبریری ہے جو صرف میری ذاتی کوشش اور دلچسپی سے قائم ہوئی، اس میں میرے اسلاف کا کوئی دخل نہیں ہے۔ میرے دادا مرحوم ان پڑھ اور چھوٹے زمیندار تھے اور اُن کا پیشہ زراعت اور کاشتکاری تھا۔ گاؤں رئیس کا گوٹھ ضلع لاڑکانہ میں سب سے پہلے میرے والد بزرگوار نے استاذ علمائے سندھ علامہ غلام صدیق شہداد کوٹی سے تعلیم حاصل کی جو کہ حفظ قرآن مجید اور کچھ فارسی اور عربی کی کتابوں تک محدود تھی، ان کا زیادہ تر میلان تصوف اور باطنی علوم کی طرف تھا اس لیے اُنھوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ فرمائی مجھے اپنے والد بزرگوار سے ورثہ میں صرف ایک قلمی قرآن مجید معرّیٰ حمائل کی صورت میں ہاتھ آیا جو اب بھی موجود ہے۔ اس کے بعد میرے ماموں بزرگوار الحاج دُر محمد مرحوم نے کچھ عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور اُن کے ہاں فارسی اور عربی کی کچھ مطبوعہ ابتدائی کتابیں تھیں وہ بھی میرے ہاتھ آگئیں۔

میں بچپنے میں ہی یتیم ہو گیا تھا، کچھ گھریلو ماحول اور زیادہ ذاتی رجحان کی بنا پر مجھے تعلیم کے لیے فارسی اور عربی مدرسہ میں بٹھایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور ذاتی استعداد کی فراوانی تھی۔ استاذ بھی نہایت اچھے مل گئے ان کی رہنمائی میں جلد ہی ملکہ حاصل ہوتا گیا اور

Marfat.com

میری دلچسپی مطالعہ اور علمی کتابیں جمع کرنے میں ہوگئی۔ شروع سے یہ کوشش رہی کہ کسی سے مستعار لے کر کتاب نہ پڑھوں اور یہ بھی جنون کی حد تک شوق رہا کہ علمائے سندھ کی قلمی تصانیف کو جمع کرتا رہوں، آج اس کا یہ نتیجہ ہے کہ میری ذاتی لائبریری میں تقریباً چار ہزار نادر مطبوعہ کتابیں ہیں جو تفسیر، حدیث، فقہ، اُصول، نحو، صرف، معانی، بیان، منطق، فلسفہ، تاریخ اور طب پر مشتمل ہیں اور تقریباً ایک سو (۱۰۰) نوادراتِ قلمی کا ذخیرہ بھی موجود ہے جن میں سے اکثر علمائے سندھ کی تصانیف ہیں۔

ان قلمی کتابوں میں کتابت کے لحاظ سے قدیم ترین کتاب علامہ عینی کی شرح نقایہ فقہ حنفی میں ہے، جو دُنیا کی فہارس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرا نسخہ دُنیا میں منفرد ہے، اور دوسری کسی لائبریری میں پایا نہیں جاتا۔ یہ چھوٹے سائز کے تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب کی تالیف کا سن ۸۸۰ھ ہے اور کتابت کا سال ۲۴؍ربیع الاوّل ۸۸۵ھ ہے، دمشق، شام کے صالحیہ محلّہ میں اس کی کتابت ہوئی اور یہ مؤلفِ علام کے نسخے سے منقول اور تالیف سے صرف پانچ سال بعد کا نسخہ ہے۔ خوش خط اور سالم ہے۔

دوسرا قدیم قلمی نسخہ علم صَرف میں شافیہ کی شرح کفایۃ المفرطین عربی کا ہے۔ اس کا کاتب ایک سندھی عالم اور خطاط عبداللہ نامی ہے۔ شعبان کی ۲۷؍تاریخ ۱۰۱۴ھ اس کا سن کتابت ہے۔ کتاب کے آخر میں یہ عبارت ہے:

> فرغ من انتساخ هذا الكتاب المسمى بكفاية المفرطين صاحبه و مالكه، الفقير الغريق فی بحار نعم الله عبدالله بن المخدوم كرم الله بن زين الدين في يوم السبت، السابع والعشرين من شعبان سنة ١٠١٤ھ الرابعة عشر بعد الالف فی مسكنه قرية كا نهری القرية من سيوستان السند۔

اس خطی نسخے کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے آخر میں بیس، تیس اوراق زائد ہیں جن پر قدیم سندھی ابیات اور قدیم علمائے سندھ کی علمی تحقیقات لکھی ہوئی ہیں۔ یہ علمی نسخہ مجھے پاٹ کے مشہور خاندان صدیقیؒ سے ہاتھ آیا۔

قریہ کاٹھری، قریب سیوھان سندھ کے ساکن خطاط اور عالم مولانا عبداللہ بن کرم اللہ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب جاربر دی شرح شافیہ صرف کا ایک نسخہ اور بھی ہے اور اس کا سن

Marfat.com

کتابت ۲/ذوالحج ۱۰۱۲ھ ہے۔ یہ کتاب اگرچہ چھپ گئی ہے لیکن اس قلمی نسخے کی یہ خصوصیت ہے کہ نہایت صحیح ہے۔ یہ بھی پاٹ سندھ کے مخادیم سے ہاتھ آئی تھی۔

علم کلام کی ایک کتاب شرح تجرید ہے جس پر متعدد علما نے حواشی لکھے ہیں۔ ان میں سے علامہ دوانی اور ملا صدرا کے حواشی قدیمہ اور جدیدہ عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ یہ حواشی اب تک طبع نہیں ہوئے اور فلسفی علما جن کے ہاں یہ حواشی ہوتے ہیں وہ ان کے موجود ہونے کا فخر یہ اظہار کرتے ہیں۔ مجھے بھی ان کی بڑی تلاش رہی۔ ایک تاجر کو میں نے اس کے سیٹ کے لیے آٹھ سو روپے بھی پیش کیے لیکن وہ چار ہزار کی رقم مانگ رہا تھا۔ خدا کی عنایت سے مجھے قدیمہ کا بہترین نسخہ مولانا معین الدین اجمیری کی ذاتی لائبریری کا، ان کے صاحب زادے سے تحفۃً مل گیا۔ فللہ الحمد

علمائے سندھ کی ہمہ دانی ضرب المثل رہی ہے۔ اس سلسلہ میں محمد ہاشم سندھی تو سب سے سبقت لے گئے ہیں۔ کوئی فن ایسا نہیں جس میں ہاشم صاحب کی تالیف نہ ہو۔ مجھے ان کی تالیفات جمع کرنے کا شروع سے بڑا شوق رہا۔ ان کی ایک نادر روزگار تالیف حواشی خلاصتہ الحساب ہے۔ خلاصتہ الحساب علم حساب میں علامہ آملی کی تصنیف ہے۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے اس پر بسیط حواشی لکھے ہیں۔ اس کا ایک منفرد نسخہ میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے آخر میں کاتب کا نام خیر محمد ولد محمد حفیظ ساکن ہالا کنڈی کا بتایا گیا ہے۔ اور سن کتابت ۱۸/رجب بروز پیر ۱۱۹۰ھ ہے۔ اور یہ مؤلف علام کے نسخے سے منقول ہے۔ اس کی دوسری کاپی مجھے سندھ کے کسی کتب خانے میں نظر نہیں آتی۔ اسی کے ساتھ ہی ایک جلد میں مخدوم محمد ہاشم صاحب سندھی کی ایک دوسری تالیف سراجی فرائض کی شرح شیخ الاسلام پر حواشی ہیں۔ یہ بھی اپنی نوعیت کا منفرد نسخہ ہے۔

مظہر الانوار عربی مسائلِ روزہ پر مشتمل متن اور شرح دونوں محمد ہاشم سندھی کی تالیف ہیں، ۳۹۴ صفحات پر مشتمل اپنی نوعیت کی بہترین کتاب ہے میرے مطالعہ میں دُنیا کے کسی عالم کی اس موضوع پر اتنی بسیط کتاب نظر نہیں آئی۔ اس کے شروع میں ہاشم صاحب نے جن علمی کتابوں سے اس کی تالیف میں استفادہ کیا ہے، ان کی ایک فہرست پیش کی ہے اور یہ سب کتابیں

Marfat.com

ان کی ذاتی لائبریری میں تھیں۔ ان کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ہاشم صاحب نے یہ کتابیں کیسے جمع کی تھیں حالانکہ اس سائنسی اور طباعت کے دور میں بھی بیسیوں کتابیں ان کی ایسی ہیں جو آج تک طبع نہیں ہوئی ہیں۔ یہ نسخہ کوئی زیادہ پرانا نہیں ہے۔ سن کتابت ۲۴ ذوالقعد ۱۳۲۲ھ ہے اور کاتب کا نام جمال الدین لوہار ساکن خیر پور میرس ہے اور سن تالیف ۱۱۲۵ھ ہے۔

ہاشم صاحب نے اس کتاب کا فارسی ترجمہ حیات الصائمین کے نام سے کیا ہے۔ جس میں بتایا ہے کہ سندھ میں عربی اتنی سمجھی نہیں جاتی جتنی فارسی سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے آپ نے اس کا فارسی ترجمہ کیا۔ حیات الصائمین کا خوش خط قلمی نسخہ بھی میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ اس نسخہ کی خوبی یہ ہے کہ کلام شاہ عبداللطیف بھٹائی کے فارسی شارح اور ناظم مولانا ہدایت اللہ مرحوم ہالائی جیسے عظیم فقیہ اور عالم کے ہاتھ سے لکھا ہوا نسخہ ہے۔ ان کے علاوہ محمد ہاشم صاحب کے دوسرے بھی کئی رسائل ہیں جن کا ذکر طوالت سے خالی نہ ہوگا۔

ٹھٹھہ سندھ کے قاضی نعمت اللہ صاحب، ہاشم صاحب کے استاذ الاساتذہ گزرے ہیں، موصوف کو فقہ کے ساتھ فلسفہ میں بھی بڑا تبحر حاصل تھا۔ اُنھوں نے علامہ دوانی کی زورا متن کی شرح لکھی ہے، جو اس مشکل کتاب کے حل میں مجھے کوئی دوسری شرح نظر نہیں آئی۔ علامہ دوانی نے خود بھی اپنے متن کی شرح لکھی ہے جس کا قلمی نسخہ میں نے مدینہ منورہ میں حرم کی لائبریری میں دیکھا تھا۔ مگر یہ شرح اس سے بھی بسیط اور واضح ہے اس کا ایک منفرد نسخہ پیر جھنڈو کی لائبریری میں تھا، اس سے فوٹو اسٹیٹ کاپی لے کر میں نے اپنی ذاتی لائبریری میں بھی محفوظ رکھا اور میں نے اس پر عربی میں حواشی بھی لکھے ہیں۔ اس نسخہ پر سنِ کتابت نہیں ہے لیکن نہایت خوش خط اور قدیمی نادر نسخہ معلوم ہوتا ہے۔

سندھ میں مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی کے فقہ میں جانشین مولانا عبدالواحد سیوہانی (ولادت ۱۱۵۰ھ اور وفات ۱۲۲۴ھ) ہیں۔ آپ کو نعمانِ ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے بیسیوں کتابیں چھوٹی بڑی تالیف فرمائیں جن میں زیادہ تر مشہور ان کی بیاضِ واحدی ہے جس کا ابتدائی حصہ طبع ہو چکا ہے اور وہ میرے پاس بھی موجود ہے لیکن علامہ موصوف کی ایک معرکۃ الآرا تالیف الاشباہ النظائر علامہ ابنِ نجیم پر حواشی ہیں۔ الاشباہ النظائر فقہ میں مشکل ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ مولانا عبدالواحد صاحب

Marfat.com

نے اس کو بالکل آسان کر دیا ہے، اس کا ایک نسخہ جو مصنف کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے، میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ مجھے اس کا کوئی دوسرا نسخہ کہیں نظر نہیں آیا۔ اور یہ نسخہ بھی علامہ مرحوم کے اخلاف سے ہاتھ آیا تھا۔

علامہ قاضی محمود ٹھٹوی دسویں صدی کے عالم اور یگانہ روزگار گزرے ہیں۔ آپ دو واسطوں سے علامہ جلال الدین دوانی کے شاگرد ہیں۔ آپ نے فلسفہ اور صرف میں کئی کتابیں تالیف فرمائی ہیں، مجھے ان کی تالیفات جمع کرنے کا بھی شروع سے شوق رہا اس طرح مجھے ان کی تین چار کتابیں مل گئیں، ان میں سے ایک شرح العقد ہے۔ اصل کتاب عثمان قلندر لعل شہباز سیوہانی کی علم صَرف میں تصنیف ہے۔ یہ متن سندھ میں رائج تھا اور سندھ کے عربی مدارس کے نصاب میں داخل تھا۔ علامہ قاضی محمود نے اس کی فارسی شرح لکھی۔ کاتب کا نام محمد ذاکر ہے۔ کاغذ اور کتابت سے یہ نسخہ تقریباً تین سو سال پرانا معلوم ہوتا ہے۔ علامہ محمود کی دوسری تالیف شرح و ضمسکج ہے اس کے سرورق کے کنارے پر لکھا ہوا ہے:

''نقل گرفتہ شد از مسودہ مصنف'' یعنی مصنف کے نسخے سے نقل کی گئی۔

اس کے آخر میں یہ تاریخی عبارت ثبت ہے:

''این رسالہ تصنیف قاضی محمود تتہ است در زمان کہ نواب اسم خاں در تتہ رفتہ بودند و قاضی محمود بہ سبب تفرقہ و پریشانی باین طرف نواب تاخجان اورا آوردہ و در لشکر ایشان سکونت کردند این شرح را با تمام رسانیدہ در ۱۰۲۲ھ''

اس لائبریری کی زینت اُصولِ حدیث کا ایک خطی نسخہ امعان النظر فی شرح شرح النخبہ ہے جو قاضی محمد اکرام نصر پوری سندھی کی تصنیف ہے۔ یہ تاریخی نسخہ ہے، جس کی کتابت ۱۱۱۸ء میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور حاجی فقیر اللہ علوی شکار پوری نے مدینہ منورہ سے خریدا۔ اس پر حاجی صاحب کی تحریر اس طرح موجود ہے:

قد تلذ ذت العیون بمطالعته فی غرة رمضان المبارك تملكا بالشراء الصحیح۔ والمالك الاحقر فقیر الله بن عبدالرحمن الحنفی۔ ۱۱۷۹

قاضی محمد اکرم سندھی گیارہویں صدی کے علما میں سے تھے اور مکہ مکرمہ میں ان کی سکونت تھی اور وہیں وفات پائی۔ [الولی: مارچ ۱۹۷۳ء، ص ۴۹-۵۴]

Marfat.com

مسجدِ اقصیٰ میں

[اس مضمون میں سفرنامہ] فلسطین کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جس دکان پر میں کھڑا تھا، وہاں سے حرم شریف کا راستہ تھا اور حرم شریف بالکل قریب تھا۔ میں بھی اسی راستہ سے چل دیا۔ قدیم حرم شریف بہت بڑا ہے، جو شمال اور جنوب پر مشتمل ہے، لیکن جنوب کے طرف جہاں مسجد اقصیٰ زیادہ آباد ہے اور مسجد اقصیٰ حضرت عمر ◆ کی بنائی ہوئی ہے اور مسلمان وہیں پر ہی نماز پڑھتے ہیں۔ میں بھی وہاں آیا اور نفل ادا کیا۔ مسجد اقصیٰ کے باہر چھوٹے کنویں میں، جن کو بھی زمزم کہا جاتا ہے۔ کنوؤں کا پانی بہت نیچے ہے۔ وہاں کے مرد تو کیا لڑکیاں بھی نہایت چالاکی سے پانی نکال لیتی ہیں۔ باقی جو باہر سے لوگ آتے ہیں، ان کے لیے پانی نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں وہ طاقت نہیں ہوتی جو کہ وہاں کے لوگوں میں ہے۔ وہاں کے لوگوں سے ملنا جلنا ہوا، ان کے ہاں علم والوں کی بہت قدر ہے۔ مجھے بھی عالم دیکھ کر بہت عزت دینے لگے، ایک رات تو مسجد اقصیٰ کی چابیاں تک مجھے دے دیں، مسجد اقصیٰ کے شمال میں ایک کعبہ ہے جہاں مشرق والی دیوار انصاروں کی ہے، اور مغرب والی دیوار یہودیوں کی ہے۔ مطلب کہ یہودی اسی دیوار کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ اس مقدس جگہ کے مشرق میں امرود کا جبل ہے، جہاں امرود کا درخت کھڑا ہے، اس درخت کے امرود یہاں کے امردوں سے صرف شکل میں ملتے ہیں، باقی دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس امرود میں تیل ہوتا ہے وہاں جو لوگ تھے، اُنھوں نے کہا کہ اس جبل کا امرود مسیح ◆ کے زمانے کا ہے، لیکن وہ ان کا مبالغہ تھا، یہ امرود بعد کے ہیں۔ جبلِ امرود کے شمال میں ایک جگہ تھی، میں جبلِ امرود سے اتر کر وہاں کی طرف روانہ ہوگیا۔ مجھے دور سے ایک عالم نظر آیا، جو عربی لباس میں ڈاڑھی سے تھا اور جس نے صلیب پہنے ہوئی تھی۔ وہ جب اس جگہ پر پہنچا اور مجھ سے آ کر ملا۔ جگہ کے اندر

Marfat.com

لائیٹ نہیں تھی اس نے باہر سے دو بتیاں اٹھائیں، ایک خود لی اور ایک مجھے دی اور اندر داخل ہوا اور قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ عمران کی قبر ہے اور اس کے ساتھ عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام کی ہے اور یہ تیسری قبر یوسف کی ہے جو مریم کا منگیتر تھا، لیکن آپس میں نہیں ملے تھے۔ یہ سن کر میں نے اسے کہا کہ یہ غلط ہے، مریم علیہا السلام کا کوئی منگیتر نہیں تھا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ وہ سامنے کعبہ ہے اور تم اسے پیٹھ دے کر نماز پڑھتے ہو، یہ کعبہ کی بے عزتی ہے۔ تب وہ مسکرانے لگا اور کہنے لگا کہ اَلْاَرْضُ کُرَۃٌ (زمین گول ہے) ہم اگرچہ مشرق کی طرف منہ کرتے ہیں، وہ دیوار کی طرف منہ ہو گیا میں نے کہا کہ یہ تو محض بہانہ ہے میں ریاضی بہتر جانتا ہوں اور وہ خاموش ہو گیا۔ [الولی: نومبر ۱۹۹۸ء، ص۲]

❀......❀❀......❀

Marfat.com

Marfat.com

حصہ سوم

اشاریے

نوٹ: اس حصے میں شخصیات، اماکن، ادارے و جماعتیں اور کتب و رسائل کے تحت اشاریے نئے انداز سے مرتب کیے گئے ہیں جس میں کسی متعلقہ حوالے تلاش کرنے میں آسانی ہوگی۔ ان شاء اللہ

——— [مرتب: محمد شاہد حنیف]

شخصیات

انبیائے کرام و ......

اماں حوا ؑ، سیّدنا ۶۲

عیسیٰ ؑ، سیّدنا: ۷۸

ابراہیم ؑ، سیّدنا: ۷۲، ۷۴، ۷۸

موسیٰ ؑ، سیّدنا: ۷۸

مسیح ؑ، سیّدنا: ۷۷، ۷۸

مریم ؑ، سیّدہ: ۲۶۵

محمد ﷺ، سیّدنا: ۷۸، ۱۳۰

صحابہ کرام ؓ و صحابیات ؓ

ابن عباس ؓ، سیّدنا: ۲۴۱، ۲۴۲

ابوبکر صدیق ؓ، سیّدنا: ۷۵، ۲۳۹

ابوسعید خدری ؓ، سیّدنا: ۲۵۵

اسما ؓ، سیّدہ: ۲۳۹

ام شریک ؓ، سیّدہ: ۶۹

بلال ؓ، سیّدنا: ۲۳۸

حلیمہ سعدیہ ؓ، سیّدہ: ۲۵۵

حمزہ ؓ، سیّدنا: ۲۵۷

خدیجۃ الکبریٰ ؓ، سیّدہ: ۲۳۹

زنیرہ ؓ، سیّدہ: ۶۹

سمیہ ؓ، سیّدہ: ۶۹

عثمان ؓ، سیّدنا: ۲۳۰، ۲۵۵، ۲۵۷

عمار ؓ، سیّدنا: ۶۹

عمر ؓ، سیّدنا: ۶۹، ۷۵، ۲۳۸، ۲۶۴

Marfat.com

دیگر شخصیات

ابراہیم: ۱۷، ۷٦، ۱۴۷

ابراہیم بن اسحاق: ۱۴٦

ابراہیم بن سلیمان: ۱۵۳

ابراہیم بن مرزوق: ۱۵۵

ابراہیم بن مغیرہ: ۱۴۸

ابراہیم ٹھٹھوی: ۲۰۷

ابن ابی العوام: ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵٦، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱٦۱

ابن ابی الہیثم: ۱۴۸

ابن ابی خیثمہ: ۱۴۵ [دیکھیے: احمد بن ابی خیثمہ]

ابن ابی عمران: ۱۵٦، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱٦۱

ابن الہمام: ۵۴

ابن باز، الشیخ: ۲۵۵

ابن بطوطہ: ۱۲۰

ابن تیمیہ: ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۵۲

ابن جوزی الحنبلی: ٦، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳

ابن حبان: ۱۴۸، ۱۵۲، ۱٦۲

ابن حجر عسقلانی: ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۸

ابن حزم: ٦، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳

ابن خلکان: ۱۴۲

ابن سبعین: ۱۸۱

ابن سعود، سلطان: ۸۱

ابن سینا: ۱۹۴، ۱۱۵

ابن شیبہ: ۱۴۲

ابن عابدین شامی: ۱٦۲

ابن عبدالبر، حافظ: ۱۳۷، ۱۴۸

ابن عربی، شیخ: ۱۸۱، ۱۸۲

ابن عساکر: ۱۷۸

ابن عماد: ۱۷۸

ابن فارض: ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹ تا ۱۸۲

ابن فضل اللہ عمری: ۱۴۵

ابن قتیبہ: ۱۰۳

ابن مبارک: ۱۵۴

ابن مرواس: ۱۵۵

ابن مظفر: ۱۸۱

ابن معین: ۱۴۸

ابن نجیم: ۲٦۲

ابن ہود: ۱۸۱

ابواسید: ۱۴۸

ابوالاعلیٰ مودودی: ۱۱۵

Marfat.com

ابوالحسن سندھی: ۲۸، ۱۳۸
ابوالحسن علی ندوی: ۲۳۰
ابوالحسن مدامتی: ۱۴۵
ابوالخیر، شاہ: ۲۳۱
ابوالطاہر، شیخ: ۵۹
ابوالعباس ایلی: ۱۵۵
ابوالفضل: ۳۸، ۳۹
ابوالکلام آزاد: ۵، ۱۹، ۲۱، ۱۰۶، ۱۳۰
ابوالولید الباجی: ۱۰۲
ابوبشر دولابی: ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۵۰
ابوبکر دامغانی: ۱۴۴، ۱۶۰
ابوبکر دولابی: ۱۴۲
ابوبکر شبلی: ۶، ۱۰۴
ابوبکرہ العطار: ۱۵۴
ابوتراب رشد اللہ: ۷، ۴۶، ۵۵
ابوثور: ۱۶۰
ابوجعفر (بصرہ): ۱۴۸
ابوجعفر منصور: ۱۴۳
ابوحفص: ۱۵۰
ابوحنیفہ، امام: ۶۷، ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲
ابوخازم عبدالحمید قاضی: ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۹
ابوخالد: ۱۵۳
ابودہب محمد مزاحم مرزوی: ۱۵۳
ابوریحان البیرونی: ۶، ۱۱۱
ابوزہرہ: ۱۰۲
ابوزید: ۲۲۱، ۲۲۲
ابوزید دبوسی: ۱۶۲
ابوسعد سمعانی: ۱۵۳
ابوشیخ: ۱۵۳
ابوعاصم ضحاک بن مخلد: ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۱
ابوعاصم نبیل: ۱۵۴
ابوعبداللہ زعفرانی: ۱۴۵
ابوعبداللہ: ۱۵۷
ابوعبداللہ مرزبانی: ۱۴۵
ابوعلی عبیداللہ بن عبدالمجید البصری: ۱۵۳
ابوقبیس: ۲۳۸
ابومسلم اصفہانی: ۶۲
ابومعمر محمد بن احمد بن خزیمۃ بصری: ۱۴۷
ابونعیم اصفہانی: ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۸،

Marfat.com

۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷

ابو واثلہ: ۱۵۵

ابو وہب محمد بن مزاحم المروزی: ۱۵۳

ابو یعلی احمد بن مسعود اصفہانی: ۱۵۸

ابو یوسف، امام: ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۶۱

اتقانی: ۱۶۲

(محمد) اجمل خان: ۴۶، ۵۶، ۱۷۲، ۲۰۲

احمد اقبال سومرو: ۱۷۳

احمد بن ابو عمران: ۱۶۱

احمد بن ابی خیثمہ: ۱۴۵

احمد بن حنبل: ۱۶۴

احمد بن خزیمۃ بصری: ۱۴۷

احمد بن عبدہ: ۱۵۹

احمد بن فضل ہاشمی: ۱۴۶، ۱۵۹

احمد بن قاسم: ۱۵۰

احمد بن محمد بن سعید تمیمی: ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۶، ۱۵۹

احمد بن مسعود اصفہانی: ۱۵۸

احمد تکودار: ۱۹۴

احمد حموی، سیّد: ۱۶۲

احمد دہلوی، سیّد: ۴۵، ۵۴

احمد دین چکوالی: ۲۳۱

احمد شاہ ابدالی: ۱۸۳

احمد علی: ۱۶۷، ۲۳۰

احمد علی سندھی لاہوری: ۵۵

احمد محی الدین: ۱۷۴

(محمد) احمد: ۴۵

(محمد) احمد بن حماد دولابی: ۱۴۹

احمد، قاضی: ۲۰۳

(محمد) ارشد، پیر: ۱۳۵

ارشد، حافظ: ۱۹۹

اسحاق بن ابراہیم شہیدی: ۱۵۵

اسد: ۱۶۰

اسد بن عمرو البجلی: ۱۵۲

اسلم، مولانا: ۲۴۶

اسماعیل بن ابی خالد: ۱۵۳

اسماعیل بن حماد: ۱۵۲

(محمد) اسماعیل: ۱۳۳

(محمد) اسماعیل ابڑائی سندھی: ۱۴۰، ۱۶۹

(محمد) اسماعیل بلیدی: ۱۷۳

(محمد) اسماعیل سلفی: ۶، ۱۰۵

Marfat.com

(محمد) اسماعیل گودھروی: ۱۰۶،۶
اشبیلی، علامہ: ۱۳۸
اشرف علی تھانوی: ۱۲۷، ۱۳۶، ۱۶۵، ۱۹۷، ۲۵۶
اشعث الحمرانی: ۱۵۵
اصمعی: ۱۴۳
اظہار الحق: ۲۳۲
(محمد) اغنی نقشبندی: ۲۴۷
(محمد) افضل نعمت: ۲
افلاطون: ۱۸۲،۱۸۰
(محمد) اقبال، علامہ: ۱۸۶،۳۰،۲۹
اکبر: ۲۳۲،۴۰،۳۹
اکبر عباسی، قاضی: ۱۰۸،۶
اکثم یحییٰ: ۱۵۳
(محمد) اکرم ہالائی: ۵۶
(محمد) اکرام، شیخ: ۱۱۸،۱۱۰،۱۰۹،۶
(محمد) اکرام نثر پوری سندھی: ۲۶۳
(محمد) اکرم نصر پوری: ۱۳۹
البیرونی: ۱۱۲
الحسن بن زیاد اللولوی: ۱۵۳
الدھر، حافظ: ۱۳۷
الشیخ عبداللہ کلنتوی: ۵۹
الضحاک بن مخلد: ۱۵۵،۱۵۳
الفضل، شیخ: ۱۰۲
الیاس بن مضر: ۱۴۲
(محمد) الیاس: ۲۱۱
(محمد) الیاس پراچہ: ۲۲۰
الٰہی بخش سندھی: ۱۲۷
ام عبید: ۶۹
امام احمد: ۵۵،۵۴،۴۶
امان اللہ پشاوری: ۲۵۰
امان اللہ خاں: ۸۳،۲۰
امجد علی شاکر: ۱۵،۵
امداد اللہ مہاجر مکی: ۲۴۶
امرؤ القیس: ۱۷۷،۱۷۸
امید علی: ۱۴۰،۵۵
امین اللہ علوی: ۱۶۴
(محمد) امین خان کھوسو: ۱۴۰،۱۱۵،۱۱۴،۱۱۳،۱۴،۶
امین قطبی حنفی: ۲۴۹
امین محمد مردا: ۲۳۶
انس بن مالک: ۱۵۳
(محمد) انور شاہ کشمیری: ۲۰۹،۲۰۱،۸۵،۱۳۶

Marfat.com

اورنگزیب عالم گیر: ۳۹، ۱۷۵
ایاس بن معاویہ: ۱۵۵
ایڈورڈ سخا: ۱۱۲
ایوب سختیانی: ۱۵۳
(محمد) ایوب قادری: ۶، ۱۱۶
آدم: ۶۲، ۲۸
(محمد) آریجہ سندھی: ۲۸
آغا عمر جان چشموی: ۱۷۰
آل حمزہ: ۵۹
آملی، علامہ: ۲۶۱
اللہ بخش نظامانی: ۱۷۷
باقر شاہ، سیّد: ۶، ۱۱۷، ۱۱۸
(محمد) باقر، امام: ۲۵۵
بدر عالم، مولانا: ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۳۱
بدر، امام: ۲۴۲
برزالی، حافظ: ۱۵۷
برہان الدین جعبری: ۲۴۷
برہان الدین علی مرغینانی: ۱۱۹
بشر بن قاسم: ۱۵۳
بشر بن یحییٰ: ۱۵۰
بشیر احمد لدھیانوی: ۸۷
بشیر محمد بن احمد بن حماد: ۱۴۷
بصر الدین: ۱۹۶
بقاعی، امام: ۹۵
بکار بن قتیبہ: ۱۵۶
بکر بن قاسم: ۱۵۶
بکر عمی: ۱۴۹، ۱۵۹
بلاقی بیگم: ۲۳۳
بلال بن یحییٰ: ۱۵۹
بہادر شاہ: ۴۰
بہاؤالدین زکریا ملتانی: ۶، ۱۱۹، ۱۹۸
بھٹو: ۲۶، ۱۸۴
بی بی زیب النساء: ۱۱۸
تاج الدین علی تبریزی: ۱۹۵
تاج محمود امروٹی: ۵۵، ۱۱۳، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۶۵، ۱۸۶، ۱۹۸، ۱۹۹
تراب علی شاہ راشدی: ۱۶۹
تمیم بن مر بن اُد بن: ۱۴۲
تیمور شاہ: ۲۰۷
ثوری: ۱۵۷
(محمد) جامی: ۲۲۰
جان محمد عباسی: ۱۶۳

Marfat.com

جان محمد جونیجو: ۱۳۰
جبرائیل: ۲۳۹
جذیمہ بن عمرو: ۱۴۲
جھینی احمد بن بکر بن سیف: ۱۵۳
جعفر صادق، امام: ۲۵۵
جلال الدین دوانی: ۲۶۳
جلال الدین رومی: ۱۲۷، ۱۹۴
جمال الدین بن محمد: ۲۴۷
جمال الدین لوہار: ۲۶۲
جمال الدین، شیخ: ۱۵۸
جمال عبدالناصر: ۲۴۲
جندب بن عنبر: ۱۴۲
جنرل صلال: ۲۴۲
جنید بغدادی: ۱۸۰
جہانگیر: ۳۹
جی ایم، سیّد: ۱۱۵
چھتاری، نواب: ۲۴۶
حاجن لغاری: ۱۷۳
امداداللہ: ۲۳۴
حبیب الرحمٰن: ۱۲۳
حبیب اللہ: ۸۳، ۱۷۱، ۱۷۸، ۲۵۴، ۲۵۷
حبیب اللہ بن عبدالقدوس: ۱۷۴
حبیب اللہ، مولوی: ۲۵۵
حبیب، شاہ: ۱۷۵
حجاج: ۱۰۲، ۱۴۳
حجاج بن ارطاۃ: ۱۴۷
حسام الدین راشدی، سیّد: ۱۳۱، ۲۰۴
حسان بن ابراہیم: ۱۵۳
حسن اللہ: ۱۳۴، ۱۹۶
حسن اللہ پاٹائی: ۱۲۸
حسن بن زیاد: ۱۴۶، ۱۵۸
حسن بن محمد مغربی: ۱۴۵
حسن بن ولید: ۱۵۳
حسن دحلاں، سیّد: ۲۳۶
حسن مشاط: ۲۳۶، ۲۴۹
(محمد) حسن ہوتی: ۱۳۲
(محمد) حسن، خواجہ: ۲۰۸
حسن، امام: ۲۵۵
حسین احمد مدنی: ۶، ۱۴، ۱۵، ۸۲، ۸۴، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۹۰، ۹۳، ۱۷۰، ۲۰۱
حسین احمد، حافظ: ۱۷۲
حسین بن ولید: ۱۵۴

Marfat.com

حفظ الرحمٰن: ۷۹
حکم بن ایوب: ۱۵۳
حلاج: ۱۸۰، ۱۸۲
حلبی، مُلّا: ۱۸۱
حماد: ۱۵۲
حماد اللہ: ۲۱۰
حماد اللہ ہالیجوی: ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۳
حماد بن ابی حنیفہ: ۱۵۱، ۱۵۸
حمزہ عبدالرزاق، شیخ: ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۵۰
حمید الدین فراہی: ۸۱
حمجور بن جندب: ۱۴۲
(محمد) حنیف صدیقی: ۶، ۱۲۱
(محمد) حیات: ۲۳۰
(قاضی) خادم، پروفیسر ڈاکٹر: ۲، ۵، ۱۱
خادم حسین: ۱۶۹، ۱۳۳
خادم حسین جتوئی: ۱۲۸، ۱۳۳
خالد بن حارث: ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۴
خالد بن زید عمری: ۱۵۸
خالد بن صبیح: ۱۵۰
خالد بن عبداللہ الازہری: ۲۴۷
(محمد) خان: ۱۷۳
خدا بخش: ۸۸
خطیب بغدادی: ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳
خلف: ۱۰۱
خلیق الزمان: ۱۹۰
خلیل احمد: ۱۲۲
خلیل احمد صاحب سہارنپوری: ۲۵۶
(محمد) خلیل سجاول: ۸۷
خلیل، حافظ: ۵۶
خوش محمد: ۶، ۱۲۲، ۱۶۹، ۱۹۸
خیر محمد لکھنوی: ۲۵۰
خیر محمد ولد محمد حفیظ: ۲۶۱
خیر محمد، قاری: ۲۴۳
خیر الدین پاشا: ۲۳۲
خیر محمد، قاری: ۲۵۱
داؤد بن یزید بن مہلب: ۱۴۳
داؤد طائی: ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۵۶
(محمد) داؤد پوتا: ۱۲۸، ۱۸۷
داؤد ظاہری: ۱۰۲
(محمد) داؤد غزنوی، سید: ۶، ۱۲۴
در محمد خاک: ۶، ۱۲۵، ۱۲۶
در محمد، الحاج: ۲۵۹

Marfat.com

دکین: [دیکھیے: ابونعیم الفضل]

دوانی، علامہ: ۲۶۱، ۲۶۲

دولابی: ۱۵۴، ۱۵۸

دین محمد بٹھی: ۱۹۹

دین محمد سندھی: ۶، ۱۲۷

دین محمد سیوہانی: ۱۹۶

دین محمد وفائی: ۶، ۷، ۱۴، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۲۹،
۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵،
۱۳۹، ۱۶۶

(محمد) دین پوری: ۵۵

(محمد) ذاکر: ۲۶۳

ذوالفقار علی خان بھٹو: ۲۵، ۱۱۵، ۱۹۲

ذوئیب بن جذیمہ: ۱۴۲

ذہبی، امام: ۱۰۱، ۱۴۸

ذہل بن ذوئیب: ۱۴۲

رازق، امام: ۶۲

رازی، امام: ۱۴۵

(محمد) راشد، پیر: ۱۳۲، ۱۳۶

ربانی، امام: ۳۹

رحمت اللہ کیرانوی: ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳،
۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۶

(محمد) رحیم، سیّد: ۱۱۷

رشید اللہ شاہ: ۷، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۲۰۵

رشید احمد: ۴۵، ۵۴

رشید احمد گنگوہی: ۲۴۶

رشید الدین، پیر: ۱۳۶

رشید رضا: ۲۲۶

رفیق نذیر حسین جتوئی: ۷، ۱۴۰، ۱۴۱

رکن عالم، شاہ: ۱۲۰

زرکشی: ۱۶۲

زفر بن ہذیل، امام: ۷، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴،
۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰،
۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶،
۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲

زکریا ابن زائدہ: ۱۵۳

زکریا بن خلاد ساجی: ۱۴۳

(محمد) زمان: ۱۹۰

زیب النساء: ۱۱۷

زید بن اخزم: ۱۵۵

زینی وحلان: ۲۲۹

سالم بن عبداللہ بن عمر: ۱۵۵

(محمد) سرور، پروفیسر: ۱۴، ۵۹

سعد اللہ، مفتی: ۲۳۰

سعید: ۲۲۰، ۲۴۹

Marfat.com

سعید احمد:۱۷۳
سعید بن ابی عروبہ:۱۵۳
سعید بن اوس:۱۵۶،۱۵۳
سعید صاحب:۱۰۶
(محمد) سعید، شیخ:۲۴۹
سفیان بن عینیہ:۱۵۳،۱۵۵،۱۵۷
سکندر، حافظ:۱۲۳
سلیم اللہ:۲۳۲
سلیم بن مکمل:۱۴۲
(محمد) سلیم، حافظ:۲۳۰،۲۴۵
سلیمان الفی، شیخ:۵۹
سلیمان بن ابی شیخ:۱۴۵
سلیمان بن عمران:۱۶۰
سلیمان بن مہران الاعمش:۱۵۳
سلیمان، سیّد:۹۳
(محمد) سندھی المکی:۵۹
(محمد) سندھی مدنی:۴۹
سوار بن عبداللہ عنبری قاضی:۱۶۱
سو بھاش:۲۰،۲۱
سیف الرحمٰن:۱۷۳
سیوطی، امام:۲۴۷
شافعی، امام:۱۰۲،۱۷۸،۲۴۹
شاملی، امام:۲۳۳،۲۵۳
شاہ جہاں:۳۹
(محمد) شاہد حنیف:۱،۲،۸،۱۵،۲۶۷
شاہ (ولی اللہ) صاحب:۳۷
شاہ محمد:۷،۱۶۳
شاہ محمد ہکڑو:۱۲۲
شاہ ولی اللہ دہلوی: ۱۳، ۱۴، ۲۵، ۲۷، ۳۳، ۴۲، ۴۶، ۴۸، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۶، ۵۸، ۷۱، ۷۸، ۷۹، ۸۳، ۸۶، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۲۵، ۱۳۹، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۷۱، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۸، ۲۲۹، ۲۳۷
شبستری:۱۸۱
شبلی نعمانی، علامہ:۶۲
شداد:۱۴۹
شداد بن حکیم:۱۵۳
شریف حسین:۲۰۱
شریف حسین بن علی:۲۳۶
شریک بن عبداللہ:۱۵۷
شفیع احمد علوی:۷،۱۶۴

Marfat.com

شفیع الدین: ۲۴۶
(محمد) شفیع: ۲۲۹
شفیع، مولوی: ۱۸۶
شفیق بن ابراہیم: ۱۵۳
شوکانی: ۲۵۲
شہاب، شیخ: ۱۱۹
شہباز قلندر: ۱۲۰
شہر زوری: ۱۱۱
شہید اللہ بخش: ۱۱۴
شیر افضل، قاری: ۱۷۲
شیر محمد شاہ سندھی، سید: ۷، ۱۶۵، ۲۵۶
صادق کھڈہ: ۲۳۱
(محمد) صادق: ۱۲۹، ۱۳۵، ۱۸۷
صالح شاہ، پیر: ۱۳۵
(محمد) صالح کمال: ۲۴۹
صباح بن ہذیل: ۱۴۳، ۱۴۴
صدرا، ملا: ۲۶۱
صدیق شاہ: ۱۷۳
صدیق شہداد کوٹی: ۱۲۲
(محمد) صدیق بھرچونڈی: ۱۳۲
(محمد) صدیق سندھی: ۴۴، ۵۳، ۵۵
صفدر علی، پادری: ۲۳۳
صفی اللہ: ۲۰۷
صولت النساء بیگم: ۲۳۵
صیمری: ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۹، ۱۶۰
ضحاک بن مخلد: ۱۵۴، ۱۶۱
ضیاء الدین: ۵۶
ضیاء الدین مسعود گازرونی: ۱۹۴
طابغۃ بن الیاس: ۱۴۲
طحاوی، امام: ۵۵، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۶۰
(محمد) طیب: ۲۰۱
ظہور احمد (پروفیسر): ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۴۰، ۲۴۵، ۲۵۱، ۲۵۳
ظہیر الحق: ۱۹
(محمد) عابد سندھی: ۱۲۵، ۱۳۹
عاقل شاہ بالانی: ۲۸
عالم بلوچ، حکیم: ۷، ۱۶۶
عالمگیر: ۳۹، ۴۰
عباس بن احمد بن فضل ہاشمی: ۱۴۶، ۱۵۹
عباس بن محمد بن حاتم: ۱۴۷
عباس بن محمد بن دوری: ۱۴۷

Marfat.com

عبدالسلام: ۲۴۹
عبدالجلیل: ۲۲۳
عبدالحق بہاولپوری: ۲۵۰، ۲۳۷
عبدالحق خیرآبادی: ۴۴، ۵۳
عبدالحق ربانی: ۵۶، ۸۷، ۲۰۳
عبدالحق محدث دہلوی: ۲۸
عبدالحکیم: ۲۸، ۲۳۴، ۲۴۷
عبدالحئ فاروقی: ۷، ۱۶۷
عبدالخالق نڑہالوی: ۱۶۹
عبدالرحمٰن ابن ابی الحسن الجوزی الحنبلی
[دیکھیے: ابن جوزی]
عبدالرحمٰن احمد دہان، شیخ: ۲۳۶، ۲۴۹
عبدالرحمٰن بن مالک بن مغول: ۱۵۶
عبدالرحمٰن چشتی: ۲۳۱
عبدالرحمٰن سراج: ۲۳۶
عبدالرحمٰن سکھر والے: ۲۰۷
عبدالرحمٰن نقشبندی: ۲۰۷
عبدالرحیم: ۲۴۶
عبدالرحیم دہلوی شاہ: ۱۰۹، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۵
عبدالرزاق: ۲۲۱
عبدالرزاق بن ہمام: ۱۵۱
عبدالرزاق، شیخ: ۵۹
عبدالستار دہلوی: ۲۳۶
عبدالسمیع: ۲۳۱
عبدالصمد: ۱۹۹
عبدالصمد خان اچکزئی: ۷، ۱۶۸
عبدالعزیز: ۱۷۰، ۱۸۵، ۱۹۲
عبدالعزیز خاں، سلطان: ۲۳۲
عبدالعزیز باندوی: ۷، ۱۶۹
عبدالعزیز بھانڈوی: ۱۲۲
عبدالغفار: ۱۷۰
عبدالغفور: ۱۳۲
عبدالغفور جتوئی: ۱۷۳
عبدالغفور حیدری: ۱۷۳
عبدالغفور سیالکوٹی: ۲۴۷
عبدالغفور ہمایونی: ۲۵۶
عبدالغنی نابلسی: ۱۶۲
عبدالفتاح میمن: ۲۴۳
عبدالقادر: ۲۴۴، ۲۵۱
عبدالقادر جیلانی، شیخ: ۱۰۳، ۱۳۰
عبدالقادر سندھی: ۵۶
عبدالقادر، ڈاکٹر: ۱۷۴

Marfat.com

عبدالقادر لغاری: ۷، ۱۷۱

عبدالقادر مکی: ۱۶۴

عبدالقادر، حافظ: ۱۲۳

عبدالقدوس، سیّد: ۱۷۴

عبدالقیم نعمانی: ۱۷۲

عبدالقیوم سندھی: ۱۷۳

عبدالکریم بلڑی: ۱۷۸

عبدالکریم بیرائی: ۱۹۷

عبدالکریم شہرستانی: ۱۰۲

عبدالکریم قادری: ۱۷۴

عبدالکریم قریشی: ۷، ۱۲۲، ۱۷۲

عبدالکریم کورائی: ۵۶، ۱۳۳، ۱۶۳، ۱۶۹، ۱۷۰، ۲۴۳

عبداللطیف بھٹائی، شاہ: ۷، ۱۵، ۱۲۶، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۰۰، ۲۶۲

(محمد) عبداللہ: ۱۷۲

عبداللہ الحجازی، شیخ: ۵۹

عبداللہ بن ابی رزمہ: ۱۵۳

عبداللہ بن داؤد الخریبی: ۱۵۴

عبداللہ بن زیاد: ۱۵۴

عبداللہ بن عمر: ۱۵۵

عبداللہ بن مبارک: ۱۵۳

عبداللہ بن محمد اسدی: ۱۴۴، ۱۶۰

عبداللہ چانڈیو: ۱۲۲، ۱۶۳

عبداللہ لبیب: ۲۸

عبداللہ لغاری سندھی: ۵۶، ۵۹

عبداللہ لکھنوی: ۲۵۰

عبداللہ نری والہ: ۱۳۸

عبداللہ ہارون، سیٹھ: ۱۶۶

عبدالمجید: ۱۲۹

عبدالمجید البصری: ۱۵۳

عبدالمجید سالک: ۳۰

عبدالمسیح: ۲۳۲

عبدالملک: ۱۴۳

عبدالمنان: ۱۷۳

عبدالنبی کلہوڑا: ۲۰۷

عبدالواحد بن زیاد: ۱۴۳

عبدالواحد بن صبو: ۱۵۵

عبدالواحد سیوستانی: ۱۹۶، ۲۰۷، ۲۶۲

عبدالواحد ہالے پوتا: ۷، ۱۴، ۱۸۴

عبدالوہاب بلوچستانی: ۱۳۳

عبدالوہاب دہلوی: ۵۹، ۲۳۱

Marfat.com

عبدالوہاب کلاچی: ۵۵، ۱۹۹
عبداللہ: ۲۴۹، ۲۶۰
عبداللہ بن داؤد: ۱۵۵
عبداللہ بن زبیر: ۲۳۹
عبداللہ بن عباس: ۲۳۴
عبداللہ بن علوی الحداد: ۲۲۹
عبداللہ بن کرم اللہ: ۲۶۰
عبداللہ لکھنوی: ۲۳۷
عبداللہ مرداد: ۲۳۶
(محمد) عبدہ، مفتی: ۲۲۶
عبودی، شیخ: ۲۵۷
عبیداللہ: ۴۴، ۵۳، ۵۵، ۵۶، ۸۳، ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۲۵۵
عبیداللہ سندھی: ۱، ۲، ۵، ۶، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۴، ۳۸، ۴۱، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۸، ۵۹، ۷۱، ۸۲، ۸۵، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۱، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۵، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۹۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۹،
۲۲۴، ۲۲۹، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۵۰
عبیداللہ ولی اللہی: ۷، ۱۶۹، ۱۸۵
عبیداللہ بن عبدالمجید البصری: ۱۵۳
عبیداللہ رحمٰن: ۲۳۷
عتیق الرحمٰن: ۲۰۱
عثمان بتی: ۱۵۹
عثمان بن مسلم بتی: ۱۵۹
عثمان قلندر لال شہباز سیوہانی: ۲۶۳
(محمد) عثمان، قاری: ۱۷۲
عزیز احمد: ۱۰۴
عزیز اللہ: ۷، ۱۹۳
عزیز اللہ، قاضی: ۵۶
عزیز اللہ، مولانا:: ۱۷۱
عصام الدین: ۲۴۷
عطاء اللہ فیروز: ۱۲۷
علاؤالدین افغانی: ۱۷۳
علوی مالکی، سیّد: ۵۹، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۵۰
علی احمد کا کے پوتا: ۵۶
علی اکبر شاہ، سیّد: ۱۸۹
علی انور: ۱۶۳
علی بن احمد سعید بن حزم: ۱۰۱

Marfat.com

علی بن حسن رازی: ۱۴۵
علی بن زید رکن عراقی: ۲۵۰
علی بن محمد نخعی: ۱۴۶، ۱۵۹
علی بن مدرک: ۱۴۶
علی بن مسہر: ۱۵۲
علی عنزی: ۱۵۲
علی متقی ہندی: ۲۲۸
علی محمد: ۱۶۳
علی محمد خیاط: ۲۵۶
علی محمد شاہ، سیّد: ۲۹
علی محمد کاکے پوتا: ۷، ۸۷، ۱۸۶، ۲۳۶، ۲۴۰
عمر بن ابراہیم مقری: ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷
عمر بن ابوالحسن: ۱۷۸
عمر بن زجاج: ۱۵۴
عمر بن عبدالعزیز: ۱۵۵
عمر بن محمد داؤد پوتا: ۱۸۷
عمر عبدالجبار: ۲۴۹
عمران: ۲۶۵
عمر جان چشموی: ۱۷۰
عمرو بن تمیم: ۱۴۲
عمرو بن جحور: ۱۴۲
عمرو بن سلیمان عطار: ۱۴۵
عنایت اللہ: ۱۷۳
عنایت صوفی، شاہ: ۱۸۲
عنبر بن عمرو: ۱۴۲
عینی، علامہ: ۲۶۰
غالب: ۶۹
غزالی، امام: ۷۱، ۱۱۱
غلام الرسول، شیخ: ۱۲۲
غلام حسین جلبانی: ۷، ۱۴، ۱۸۷، ۱۸۸
غلام رسول مہر: ۳۰
غلام صدیق شہدادکوٹی: ۲۵۹
غلام عمر: ۱۳۳، ۱۳۴
غلام عمر سونی جتوئی: ۱۲۸، ۱۲۹
غلام قادری پنہوری: ۱۷۳
غلام محمد: ۲۳۲
غلام محمد گرامی: ۷، ۱۸۹، ۱۹۰
غلام مصطفیٰ: ۱۸۸
غلام مصطفیٰ قاسمی: ۱، ۲، ۸، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۵۶
غلام مصطفےٰ شاہ: ۲۱۹
غوث ملتانی: ۱۲۰
غیور مفضال ابراہیم مختار زیلعی جبرتی: ۱۶۰

Marfat.com

فاروق نیازی: ۷، ۱۹۱
فخرالحسن (پروفیسر): ۲۱۹، ۲۲۷، ۲۳۶، ۲۴۰، ۲۴۵، ۲۵۳
فخرالدین، شاہ: ۱۶۵، ۲۵۶
فردوسی: ۱۲۲
فرعون: ۱۵۵
فرنچ، پادری: ۲۳۲
فضل الرحمٰن: ۱۷۲
فضل اللہ: ۱۹۶
فضل اللہ، قاضی: ۱۲۱
فضل حق: ۱۳۳
فضل حق خیرآبادی: ۲۸، ۱۴۰، ۱۶۹
فضل ہاشمی: ۱۴۶، ۱۵۹
(محمد) فضل حق: ۱۰۷
فقیراللہ علوی: ۱۶۴، ۱۸۲، ۲۶۳
فنڈر، پادری: ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳
فیروز شاہ، علامہ: ۱۲۷
فیصل شہید، شاہ: ۷، ۱۹۲، ۲۰۱
فیض اللہ، مولوی: ۸، ۱۹۳
قاسم بن محمد: ۱۵۵
قاسم بن معن مسعودی: ۱۵۲
(محمد) قاسم نانوتوی: ۴۵، ۵۴، ۸۳، ۸۹، ۹۳، ۹۴، ۱۳۴، ۲۴۶
(محمد) قاسم، مولانا: ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۳۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷
قائداعظم: ۱۷۴
قطب الدین محمد: ۸، ۱۹۵
قطب علی شاہ: ۱۱۰
قل احمد: ۲۸
قمرالدین: ۱۹۸، ۱۹۹
قمرالدین انڈھڑ: ۱۳۳
قمرالدین نبوی: ۲۵۶
قوام الدین صاحب: ۲۳۳
قیس بن جبتر: ۱۵۵
قیس بن زہل: ۱۴۲
قیس بن سلیم: ۱۴۲
قیصر: ۱۷۵
قیصر خاں نظامانی: ۲۰۷
(محمد) کامل سندھی: ۲۴۸، ۲۴۹
کرپس: ۹۱،
کرم شاہ الازہری، پیر: ۵۸، ۵۹
کریم داد: ۱۳۳

Marfat.com

کسریٰ: ۱۷۵
کفایت اللہ دہلوی: ۸۸
کمال الدین حسن: ۱۹۵
کمال الدین یمنی: ۱۱۹
کمال الدین، شیخ: ۱۲۰
کوثر: ۱۴۴
کوثر نیازی: ۱۹۱، ۱۹۲
کوثری، علامہ: ۱۳۹، ۲۰۹
کورانی: ۲۴۴، ۲۴۷
گاندھی: ۲۰، ۱۶۸
گل محمد: ۱۳۳
گل محمد، حکیم: ۱۲۸
لاسمند، پادری: ۲۳۳
لطف اللہ: ۴۴، ۵۳
لطیف ملک: ۱۱۱
مالک بن فدیک: ۱۵۳
مالک، امام: ۴۵، ۵۵، ۵۹، ۱۰۶، ۱۳۷، ۲۲۸، ۲۵۵
مبارک ساغر: ۳۰
مبارک، قاضی: ۵۸
مجدد الف ثانی: ۳۹
محب اللہ، شیخ: ۲۴۶
محمد بخش: ۱۲۲، ۲۵۶
محمد بن اسحٰق: ۱۵۳
محمد بن احمد بن حماد: ۱۴۳، ۱۶۱
محمد بن اشعث: ۱۵۴
محمد بن اعین: ۱۵۳
محمد بن حسن: ۱۴۹، ۱۵۳
محمد بن حسن بن مرواس: ۱۵۴
محمد بن دہب: ۱۴۴
محمد بن سلمہ بلخی: ۱۴۹
محمد بن سماعۃ: ۱۴۹
محمد بن سماعۃ: ۱۵۰
محمد بن شجاع: ۱۴۹، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۱
محمد بن عبدالعزیز ابن ابی رزمہ: ۱۴۸
محمد بن عبداللہ انصاری: ۱۵۳
محمد بن عبداللہ ابی ثور: ۱۴۴
محمد بن عبداللہ انصاری: ۱۵۲
محمد بن عبداللہ بن سعید بصری: ۱۵۵
محمد بن عبداللہ انصاری: ۱۵۵
محمد بن عثمان بن ابوشیبہ: ۱۴۵
محمد بن علی بن عفان: ۱۴۶

Marfat.com

محمد بن عمارہ: ۱۵۱
محمد بن قاسم: ۱۱۴
محمد بن مزاحم المروزی: ۱۵۳
محمد بن مقاتل: ۱۴۸
محمد بن وہب: ۱۵۳
محمد بن ہارون بن حسان برقی: ۱۵۶
محمد جعفر بوبکانی سندھی: ۱۲۵
محمد علی گوہر صدیقی: ۸، ۱۹۶
(محمد)، امام: ۵۵
(محمد)، ابوالاطیب حافظ: ۵۳
محمد طاسین، علامہ: ۲۱۰
محمد، ابوالاطیب حافظ: ۵۳
محمود اسعد: ۸، ۱۹۷، ۱۹۹
محمود ٹھٹھوی، قاضی: ۲۶۳
محمود حسن، شیخ الہند: ۲۰، ۴۵، ۴۶، ۵۴، ۸۹، ۹۳، ۹۴، ۱۳۶، ۲۰۰، ۲۰۱
محمود غزنوی، سلطان: ۱۱۱
محمود ہارون: ۵۸
مخدوم بخاری: ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶
مخلد: ۱۴۳
(محمد) مدنی، حافظ: ۸، ۱۴، ۲۳، ۱۸۵، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲
مرزا بیگ، امیر: ۱۷۹
مسعود پشاوری: ۱۶۴
مسعود، شاہ: ۲۴۲
مسلم بن ابراہیم: ۱۵۳
مصطفیٰ بابی حلبی، سیّد: ۱۶۰
مصطفیٰ کمال پاشا: ۴۷، ۵۷
مصطفےٰ، علامہ: ۲۲۵
مصلح الدین: ۲۳۴
مضر بن نزار: ۱۴۲
مظفر حسین، سیّد: ۱۶۴
مظہر الدین: ۱۹۷
معد بن عدنان: ۱۴۲
(محمد) معروف، حافظ: ۸، ۲۰۳
معشوق علی: ۲۴۳
(محمد) معصوم: ۳۹
معین الدین اجمیری: ۲۰۸، ۲۶۱
(محمد) معین: ۱۸۲، ۲۵۲
(محمد) معین ٹھٹوی: ۱۷۴
(محمد) مغربی بتانی: ۲۳۰
مکرم بن احمد: ۱۴۶، ۱۴۷

Marfat.com

مکمل بن قیس: ۱۴۲
(محمد) مکی حجازی: ۱۷۳،۱۴۶
ملکانی، حضرت: ۱۲۶
ملیح بن وکیع: ۱۴۶
ممتاز حسن: ۸، ۲۰۴
ممتاز، مرزا: ۱۷۷
مندل: ۱۵۲
منصور حلاج [دیکھیے: حلاج]
منصور عباسی: ۱۴۲
(محمد) منور العلی، ابوالمنصور: ۱۰۷
موسیٰ جار اللہ: ۴۹، ۵۲، ۵۸، ۸۵، ۸۶، ۹۵، ۹۷، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶
مویار محمد، میاں: ۱۲۳
مہدی: ۱۴۳
مہدی بن منصور عباسی: ۱۴۲
مہدی شاہ جھنڈیوالہ: ۸، ۲۰۵
میر محمد: ۱۲۲، ۱۶۶
میر محمد نورنگی: ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۴۰، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۹۹
میمن: ۲۴۴، ۲۵۱
نادر شاہ: ۱۸۳
نافع، امام: ۲۵۵
نانوتوی [دیکھیے: محمد قاسم نانوتوی]
نبی بخش خاں بھٹو: ۲۴۳
نذیر حسین: ۱۴۰
نذیر حسین جتوئی: ۱۹۳
نزار بن معد: ۱۴۲
نصیر الدین طوسی: ۱۹۴
(محمد) نصیف، شیخ: ۲۵۱، ۲۵۲
نظام الدین: ۱۷۲
نظام الدین اولیا: ۲۱۱
نظام الدین سندھی: ۱۲۵
نظام الدین کھوسو: ۱۱۵
نظام الدین نیشاپوری: ۱۹۵
نظامی: ۷۶
نظر محمد بھنگ والے: ۱۲۲، ۱۳۳، ۱۴۰، ۱۶۹، ۲۵۶
نعمان بن عبدالسلام: ۱۵۳
نعمانی: ۲۵۲
نعمت اللہ، قاضی: ۲۶۲
(محمد) نواز: ۱۲۳
(محمد) نوبحری: ۵۹
نوح بکھری: ۱۱۹، ۱۲۰
نور احمد امرتسری: ۲۳۱

Marfat.com

نور محمد: ۸، ۲۸، ۵۶، ۲۰۶
(محمد) نور: ۵۹، ۸۶
(محمد) نور مرشد مکی: ۸۷، ۲۳۶
نیک محمد، میاں: ۱۲۲
واحد بخش: ۱۸۷
واسط: ۱۴۵
واقدی: ۱۴۲
وائس چانسلر، سندھ یونیورسٹی: ۵، ۹
وڈل شاہ، سیّد: ۸، ۲۰۶
وزیر خاں (ڈاکٹر): ۲۳۲
وقار الملک، نواب: ۴۶، ۵۶
وکیع: ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۴
وکیع بن جراح: ۵۳
ولید بن حماد: ۱۴۶
وہب اللہ، سیّد: ۵۶
ہارون: ۷۵
ہاشم بزنجو: ۱۷۳
ہاشم جان، حکیم: ۸، ۲۰۷
(محمد) ہاشم ٹھٹوی: ۵۵، ۷۵، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۶۴، ۱۸۱، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۵۲، ۲۶۱، ۲۶۲
ہدایت اللہ: ۲۶۲
ہذیل حاکم: ۱۴۳
ہرثمہ: ۱۴۴
ہلال بن یحییٰ: ۱۵۳، ۱۵۶
ہمایوں: ۲۸، ۱۳۲
یحییٰ بن اکثم: ۱۵۴، ۱۶۱
یحییٰ بن زکریا ابن زائدہ: ۱۵۲
یحییٰ بن سعید الانصاری: ۵۳
یحییٰ بن عبداللہ تیمی: ۱۵۳
یحییٰ بن معین: ۱۴۷، ۱۴۸
یحییٰ بن مغیرہ قرشی: ۱۵۶
یحییٰ بن یمان: ۱۵۵
یحییٰ، امام: ۵۵، ۲۳۶
یزید: ۱۴۳
یزید بن سنان: ۱۵۴
یزید بن مہلب: ۱۴۴
یسوع: ۷۷
یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل: ۱۴۸
یعقوب بن شیبہ: ۱۴۲، ۱۴۴
(محمد) یعقوب: ۱۳۲
(محمد) یعقوب، خلیفہ: ۲۸

Marfat.com

یوحنا: ۷۷
یوسف: ۲۶۵
یوسف بن خالد سمتی: ۵۹، ۱۶۰
یوسف علی خان: ۱۱۳
(محمد) یوسف، بانی امیر تبلیغی جماعت: ۸، ۲۱۱، ۲۲۷، ۲۲۹
(محمد) یوسف بنوری: ۸، ۲۰۹، ۲۳۰، ۲۵۲
(محمد) یوسف لدھیانوی: ۱۷۲
یوسف، امام: ۱۵۶

❁......❁❁......❁

اماکن

آگرہ: ۲۳۲، ۲۳۳
ابڑہ: ۱۳۳
اٹلی: ۲۰۶
اجمیر: ۲۰۸
احمد نگر: ۲۱
اردن: ۲۵۱
استنبول: ۲۸، ۳۰، ۳۹، ۴۷، ۵۱، ۵۷، ۷۴، ۸۵، ۲۲۵
اسلام آباد: ۱۷۴
اصفہان: ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۹۴
افریقہ: ۲۴۳
افغانستان: ۴۷، ۵۷، ۸۳، ۸۴، ۱۰۴، ۲۰۷، ۲۵۸
اکبر آباد: ۲۳۲
الجزائر: ۲۴۲، ۲۴۳
الراحتہ (بستی): ۲۵۳
الٰہ آباد: ۳۰
امرتسر: ۱۲۴
امروٹ: ۴۶، ۵۵، ۵۶، ۱۳۲، ۱۳۶
امریکہ: ۲۳۰
اندلس: ۱۰۱، ۱۰۲
انگلینڈ: ۶۹
اوکھلے: ۲۰
ایران: ۳۹، ۷۱، ۷۲، ۷۴، ۱۰۱، ۱۲۷، ۲۰۴
بابل: ۷۲، ۷۳
بالی گنج: ۲۰
بٹھی: ۱۶۳
بخارا: ۷۵، ۱۱۹، ۲۲۵
بدر: ۲۵۳
برصغیر: ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۴۱، ۱۰۵،

Marfat.com

۱۱۹، ۱۳۶، ۱۶۷،۱۷۲، ۱۹۶، ۲۰۸،
۲۱۱
برطانیہ:۲۱،۲۳،۲۶،۴۸،۵۶،۵۹
برہان پور:۱۹۶
بزامان قریہ:۱۴۴
بصرہ: ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹،
۱۵۰،۱۵۹،۱۶۰
بغداد:۱۱۹، ۱۵۸،۱۸۳،۱۹۴
بلقان:۸۳
بلوچستان:۸،۱۱۳،۱۲۲،۱۲۸، ۱۶۸،۱۷۳، ۲۵۸
بمبئی:۱۲۱، ۱۸۷،۱۸۷،۲۰۱
بندرگاہ، جدہ:۲۲۱
بندرگاہ، کراچی:۲۲۱
بنوری ٹاؤن:۲۲۷
بئر الراحتہ:۲۵۳
بہار:۱۰۶
بہاولپور:۱۳۲،۱۴۰
بھارت:۱۹۲
بھانڈہ:۱۶۹
بھنگر: ۱۲۲، ۱۳۳،۱۴۰،۱۶۹،۲۵۶
بھنگہ:۱۴۰
بیت المقدس:۲۵۱
بیر شریف:۱۷۲
بیروت:۱۷۸،۱۸۲،۱۷۹
بیکنگھم پیلس:۲۰
بیئر ارلیس:۲۵۷
بیئر رومہ:۲۵۷
بیئر علی (بستی):۲۵۳
پاٹ:۱۹۶،۲۶۰،۲۶۱
پاکستان:۱۳، ۲۵، ۲۶، ۴۱، ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۰۸،
۱۰۹، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۳۴، ۱۳۹،
۱۷۰، ۱۷۴، ۱۸۷،۱۹۲، ۱۹۷، ۱۹۸،
۱۹۹، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۲۹،
۲۳۷، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۵۱، ۲۵۵،
۲۵۸
پب:۱۷۹
پٹیالہ:۲۳۰
پرگنہ:۲۳۳
پشین:۲۵۸
پنج محل:۱۰۶
پنجاب: ۲۳، ۲۸، ۵۳، ۸۷، ۱۶۹، ۱۸۶،
۲۴۳
پنو عاقل:۱۹۹
پیر جھنڈا: ۷، ۴۹، ۵۶، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷،

Marfat.com

۱۳۸، ۱۷۱، ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۰۵، ۲۶۲

تالپور: ۲۰۶، ۲۰۷

ترکستان: ۴۰، ۱۱۱

ترکی: ۴۷، ۴۸، ۵۷، ۵۸، ۸۴، ۸۵، ۱۲۹، ۱۳۹، ۲۳۲

تعلقہ ہالا: ۲۰۶

تھانہ بھون: ۱۲۷، ۱۹۷، ۲۳۴

تھریچائی: ۱۰۴

ٹکھڑ: ۲۰۷

ٹلاہ: ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰

ٹھٹھہ: ۶۵، ۱۰۹، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۶، ۲۳۷، ۲۴۴، ۲۶۲

ٹھل حمزہ: ۲۵۰

ٹھیڑی: ۱۷۱

جاپان: ۲۰، ۲۱

جام شورو: ۲۰۱

جبانہ کندہ: ۱۴۸

جبلِ ابوقبیس: ۲۳۸، ۲۳۹

جبلِ ابی حدید: ۲۳۸

جبلِ احد: ۲۵۷

جبلِ الرحمت: ۲۴۰

جبلِ امرود: ۲۶۴

جبلِ حجون: ۲۳۹

جبلِ خندمہ: ۲۳۸

جبلِ فلج: ۲۳۸

جبلِ قیقعان: ۲۳۸

جبلِ نور: ۲۳۹

جبلِ ہندی: ۲۳۸

جدہ: ۱۳۷، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۳۴، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳

جرمن: ۲۱

جرمنی: ۲۰

جلال آباد: ۱۶۴

جمرۃ العقبہ: ۲۴۵

جنیوا: ۱۹۲

جودھ پور: ۲۳۴

جونگل: ۱۷۰

جھل مگسی: ۱۱۳

جیاد: ۲۵۳

جیکب آباد: ۱۱۳، ۱۳۳

جے پور: ۲۳۴

چمن: ۲۵۸

چیانوالی: ۲۳، ۵۳

Marfat.com

حجاز: ۳۹، ۴۰، ۴۸، ۵۹، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۱۰۴، ۲۱۹، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۳۶، ۲۴۰، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹

حجون: ۲۳۹

حدیبہ بندر: ۲۰۷

حرم: ۲۵۴

حسینیہ (بستی): ۲۵۳

حضرموت: ۶۰

حلب: ۲۴۳

حیدرآباد: ۱۳، ۲۲، ۵۵، ۵۸، ۹۲، ۱۰۹، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۴

حیدرآباد دکن: ۱۳۷، ۱۳۸

خضدار: ۲۵۸

خوارزم: ۱۱۱، ۱۲۰

خیرآباد: ۵۳

خیرپور میرس: ۲۶۲

دادو: ۱۸۹

دریائے جیحوں: ۴۷

دکن: ۴۰، ۱۳۷، ۱۳۸

دلی: ۹۲

دمشق: ۱۴۲، ۲۶۰

دہلی: ۱۹، ۲۰، ۳۷، ۴۶، ۴۶، ۴۶، ۴۷، ۴۹، ۵۶، ۵۷، ۸۳، ۸۹، ۱۶۶، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۵، ۱۸۳، ۱۸۶، ۱۹۹، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۳۴

دیوبند: ۴۴، ۴۶، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۸۳، ۸۷، ۹۲، ۹۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۰۱، ۲۰۸، ۲۴۶

ڈنوآباد: ۱۲۸

ڈیپر: ۱۸۶

ذاتِ قرن: ۲۴۲

رابغ: ۲۵۳

رام پور: ۱۰۷

رانچی: ۱۰۶

رانی پور: ۱۲۸، ۱۲۹

رائے پور: ۱۳۵

رباط ودادویہ: ۲۳۴

رتو دیر: ۱۶۹، ۱۷۰

روس: ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۷، ۵۸، ۸۴، ۸۵، ۱۰۴، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۵۸

روم: ۴۷، ۱۹۴

Marfat.com

رئیس کا گوٹھ: ۲۵۹
ریاض: ۸۶، ۲۴۳
سعودی عرب: ۱۹۲، ۲۴۳
سکھر: ۱۰۴، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۴۳، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۷
سلیمانیہ: ۲۲۷
سمرقند: ۱۱۹
سندھ: ۱۳، ۱۹، ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۸، ۴۴، ۴۶، ۴۷، ۴۹، ۵۳، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۵، ۷۵، ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۹۲، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۶۳، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۹، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳
سوڈان: ۲۲۷
سورت: ۲۳۴
سوریا: ۴۳
سوئٹزرلینڈ: ۴۷، ۵۷
سیالکوٹ: ۲۳، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۴۴، ۵۳
سیواس: ۱۹۴
سیوہان: ۲۶۰
شام: ۱۳۸، ۱۹۴، ۲۴۳، ۲۶۰
شاہ پور چاکر: ۱۷۰
شکارپور: ۸۷، ۱۶۴، ۱۷۰، ۱۹۳
شہدادکوٹ: ۲۸، ۱۳۲، ۱۶۳
شیراز: ۱۹۴
صالحیہ محلہ: ۲۶۰
صفا: ۱۸۱، ۲۳۸
صوبہ سرحد: ۲۵۸
طائف: ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱
طرابلس: ۸۳
عدن: ۲۲۰
عراق: ۱۳۸
عرب: ۱۳۸
عربستان: ۱۲۰

Marfat.com

عرفات: ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۴

عزیز آباد: ۱۱۳

علی گڑھ: ۴۴، ۴۶، ۵۶، ۱۱۳، ۱۶۷

عمان: ۲۵۱، ۲۵۲

عمرکوٹ: ۲۰۱

غزنی: ۱۱۱

فاران: ۲۳۸

فارس: ۱۰۱

فلسطین: ۲۶۴

فیصل آباد: ۱۲۴

قاہرہ: ۲۲۵، ۲۲۶

قرطبہ: ۱۰۱

قسطنطنیہ: ۲۳۱، ۲۳۲

قلات: ۲۵۸

قنبر علی خان (تحصیل): ۱۳۳

قنبر (تحصیل): ۱۶۹

قونیہ: ۱۹۴، ۱۹۸

کابل: ۲۰، ۴۶، ۴۷، ۵۷، ۸۳، ۲۰۱، ۲۰۷

کانپور: ۵۳

کانھری: ۲۶۰

کٹرہ: ۲۳۲

کلاچی: ۱۷۹

کلکتہ: ۲۰، ۲۲، ۴۶، ۵۶، ۸۹، ۹۲، ۲۳۵

کورسلیمان (قصبہ): ۱۶۹

کوفہ: ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۹

کوئٹہ: ۱۱۳، ۲۰۸، ۲۵۸

کوہ سلیمان: ۱۶۳

کوہِ حرا: ۲۳۹

کھڈوہ: ۱۸۵، ۱۸۷، ۲۰۵

کیرانہ: ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴

گچھ: ۱۳۸

گجرات: ۱۰۶، ۱۷۹

گرنار: ۱۷۹

گڑھی یاسین: ۱۲۸، ۱۳۲، ۲۵۶

گنجوڈونگر: ۱۷۹

گوٹھ بھٹی: ۱۲۲

گوٹھ پیر بخش بھٹو: ۲۴۷

گوٹھ پیر جھنڈا: ۵۵، ۱۲۸

گوجرانوالہ: ۱۰۵

گودہروی: ۱۰۷

گودھرا: ۱۰۶

گوروپھوڑ: ۸۷

Marfat.com

گھوٹکی: ۱۶۵، ۲۵۶
لاڑ: ۱۷۹
لاڑکانہ: ۲۸، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۴۰، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۹۸، ۲۵۹
لاہوت: ۱۷۹
لاہور: ۱۹، ۳۷، ۷۹، ۹۲، ۱۰۶، ۱۱۵، ۱۶۷، ۱۸۶
لبلہ: ۱۰۲
لبنان: ۲۳۰
لکھنؤ: ۲۳۰
لندن: ۱۴۲، ۲۳۲
لورالائی: ۲۵۸
لینن گراڈ: ۵۱، ۵۸
ماسکو: ۳۸، ۴۷، ۵۰، ۵۷
ماوراء النہر: ۸۵، ۱۱۹، ۲۲۵
مٹیاری: ۲۰۳
محسر (وادی): ۲۴۰
محلہ خندرسیہ: ۲۳۵
مدراس: ۹۲، ۹۳، ۲۳۱
مدینہ منورہ: ۸۴، ۸۶، ۱۱۹، ۱۶۵، ۲۰۱، ۲۲۱، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۴۵، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۶۲، ۲۶۳
مراغہ: ۱۹۴
مزدلفہ: ۲۴۰، ۲۴۴
مستونگ: ۲۵۸
مسجد ابنِ عباسؓ: ۲۴۱، ۲۴۲
مسجد الجن: ۲۳۹
مسجد الحرام: ۵۸
مسجد الخیف: ۲۴۰، ۲۴۳
مسجد الرایہ: ۲۳۹
مسجد النمرہ: ۲۴۰
مسجد اقصیٰ: ۸، ۲۶۴
مسجد قبا: ۲۵۷
مسجد قبلتین: ۲۵۷
مسجد نبویؐ: ۲۵۴، ۲۵۶
مشرقِ وسطیٰ: ۲۱۹، ۲۵۱، ۲۵۵
مصر: ۲۸، ۱۰۳، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۸، ۱۷۸، ۱۹۴، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۴۲، ۲۵۱، ۲۵۳
مظفر نگر: ۲۳۰
مقام ابراہیم ؑ: ۲۴۳
مکران: ۳۸
مکہ معظمہ: ۱۴، ۲۳، ۳۰، ۴۷، ۴۸، ۵۶، ۵۸،

Marfat.com

۵۹، ۸۵، ۸۶، ۱۰۶، ۱۴۳، ۱۶۴،
۱۷۳، ۱۸۷، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۲۲، ۲۲۵،
۲۲۶، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۴، ۲۳۵،
۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰،
۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸،
۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۶۳

ملتان: ۴۴، ۵۳، ۱۱۹، ۱۲۰

منصورہ: ۱۰۲، ۱۲۰، ۲۳۷

منیٰ: ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵

موراکو: ۱۳۷

مہران (وادی): ۱۶۵، ۱۸۰، ۱۸۳

میٹھر: ۱۸۹

میروخان: ۱۲۲، ۱۶۳، ۱۶۹، ۱۹۸

ناروے: ۲۰۶

نبی آباد: ۱۲۸

نجد: ۶۰، ۹۶، ۲۴۱

نصرپور: ۱۷۰، ۲۰۳

نصیرآباد: ۱۲۵، ۱۲۶

نوشکی: ۲۵۸

نولکھی درگاہ ہالا: ۱۹۰

نہر جیجوں: ۵۷

وندر: ۱۷۹

ہاڑھو: ۱۷۹

ہالا: ۱۳۶، ۱۹۰، ۲۰۰، ۲۰۷

ہالاکنڈی: ۲۶۱

ہالیجی: ۱۹۷

ہند: ۶۹

ہندوستان: ۲۰، ۲۱، ۲۶، ۳۰، ۳۹، ۳۹، ۴۰،
۴۷، ۴۸، ۵۲، ۵۷، ۶۸، ۷۲، ۸۳،
۸۵، ۸۷، ۸۹، ۹۱، ۹۳، ۱۰۶،
۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۸۲،
۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۱، ۲۳۷

ہنگلاج: ۱۷۹

ہیروشیما: ۲۱

یمن: ۶۰، ۹۶، ۲۲۳

یورپ: ۲۲، ۲۶، ۳۱، ۳۲، ۳۶، ۶۸، ۷۸،
۷۹، ۸۸، ۸۹، ۲۳۲

یونان: ۵۰، ۷۱، ۷۲، ۷۴، ۸۱

ادارے/جماعتیں

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی: ۱۸۴

ادارہ سندھالوجی: ۱۸۸

اسلامیہ کالج: ۱۶۷

Marfat.com

الازہر یونیورسٹی: ۱۳۹
المدرسۃ الراقیہ: ۲۴۸
انجمن ترقی اُردو: ۷۹
انڈین نیشنل کانگریس: ۵۷
اورینٹل کالج: ۱۸۶
ایس ایم کالج: ۱۸۷
آندھری کالج: ۱۸۷
بمبئی یونیورسٹی: ۱۲۱، ۱۸۷
بیت الحکمت: ۱۹، ۴۹، ۹۲
بینک دولت پاکستان: ۲۰۴
پنجاب یونیورسٹی: ۸۷، ۱۸۶
تھیالوجیکل کالج: ۱۱۴
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ: ۲۵۵، ۲۵۷
جامعہ دارالہدیٰ: ۱۷۱
جامعہ سلفیہ: ۱۲۴
جامعہ طبیہ: ۱۹۹
جامعہ مدینہ: ۲۲۱، ۲۳۷
جامعہ ملیہ: ۴۹
جامعہ ملیہ اسلامیہ: ۴۹، ۱۶۷
جمعیت الانصار: ۴۶، ۵۶، ۸۳
جمعیت العلماء: ۱۷۱
جمعیت علمائے اسلام: ۱۷۲، ۱۷۳
جمعیت علمائے پاکستان: ۱۷۲
جمعیت علمائے ہند پاکستان: ۱۲۴
جمعیۃ العلماء ہند: ۱۷۰
جمعیۃ طلبہ سندھ: ۱۸۵
حمیدیہ کتب خانہ: ۲۳۱
دارالحدیث خیریہ: ۲۵۰
دارالرشاد: ۴۶، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۱۸۵، ۱۷۱، ۲۰۵
دارالسعادۃ: ۱۹۳
دارالعلوم دیوبند: ۴۴، ۴۶، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۸۳، ۸۷، ۹۲، ۹۴، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۰۱
دارالعلوم گھوٹکی: ۲۵۶
دارالندوہ: ۲۲۹
دارِارقم: ۲۳۸
سندھ اسمبلی: ۲
سندھ ساگر اکیڈمی: ۱۹
سندھ ساگر پارٹی: ۹۲
سندھ مدرسۃ الاسلام: ۲۰۲
سندھ مسلم کالج: ۲۹، ۲۱۹
سندھ یونیورسٹی: ۱، ۲، ۱۷۴، ۱۸۸، ۲۰۶
سندھالوجی: ۱۲۱

Marfat.com

سندھی ادبی بورڈ: ۱۲۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۰۴

سی آئی ڈی: ۹۰

سیّد المطابع (دہلی): ۲۳۳

شاہ ولی اللہ اکیڈیمی: ۱۳، ۵۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۹، ۱۸۷، ۱۸۸

طبیہ کالج: ۱۶۶

فخر المطابع: ۲۳۳

فلاسافیکل کانگریس: ۱۷۴

قاسم العلوم، گھوٹکی: ۲۵۶

قائداعظم یونیورسٹی: ۱۷۴

کارخانہ تجارت کتب: ۲۴۷

کالج منصورہ: ۱۸۶

کانگریس: ۲۰، ۹۳

کتب خانہ فیوض امدادیہ: ۲۴۷

کنڈر گارٹن: ۳۴

محکمہ اوقاف: ۱۱۰

مدرسہ الفلاح: ۲۳۰، ۲۴۸

مدرسہ باقیات الصالحات: ۲۳۱

مدرسہ تحفیظ القرآن: ۲۲۶

مدرسہ دار السعادت: ۸۷

مدرسہ دار الفیض: ۱۶۳

مدرسہ دار الحدیث خیریہ: ۲۳۰، ۲۳۶

مدرسہ دار الرشاد: ۱۳۶

مدرسہ صولتیہ: ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸

مدرسہ عالیہ: ۱۰۷

مدرسہ عالیہ دار الرشاد: ۱۳۶

مدرسہ فخریہ: ۲۴۸

مدرسہ محمدیہ: ۱۰۵

مظہر العلوم، کراچی: ۲۵۵

مظہر العلوم، کھڈو: ۱۸۵، ۱۸۷، ۲۰۵

مکتبہ حرم: ۵۹

مکتبہ ظاہریہ: ۱۴۲

نظارۃ المعارف القرآنیہ: ۴۶، ۵۶، ۵۷، ۸۳، ۱۶۷

نور محمد ہائی اسکول: ۱۲۷

ہلال احمر: ۴۶، ۵۶

❁......❁❁......❁

Marfat.com

کتب و رسائل

ابرارالحق: ۲۳۲
ابطال القیاس و الرای: ۱۰۲
اتحاف الاکابر: ۱۳۹
اتحاف المہرہ باطراف العشرۃ: ۱۳۷
اتقان: ۴۵
احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث: ۲۳۳
ازالۃ الاوہام: ۲۳۳
ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: ۹۶
ازالۃ الشکوک: ۲۳۳
اعجازِ عیسوی: ۲۳۳
اکبر نامہ: ۳۸
الا حکام الکبری: ۱۳۸
الاثار الباقیہ: ۱۱۲
الاحکام لاصول الاحکام: ۱۰۲
الاشباہ النظائر: ۲۶۲،۱۶۲
البحث الشریف فی اثبات النسخ و التحریف: ۲۳۳
البدور البازغۃ: ۹۶
البیاض: ۲۰۷
التحفۃ الشاہیۃ فی الہیئہ: ۱۹۵
التصریح شرح التوضیع شرح الالفیہ: ۲۴۷
التمہید: ۴۵، ۵۹، ۱۳۷
الحزب: ۱۳۰
الخیر الکثیر: ۹۶
الدررفی تناسب الآیات والسور: ۹۵
الرحیم (ماہنامہ): ۱۳، ۱۴، ۲۱، ۲۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۲، ۱۱۸، ۱۲۴، ۱۶۵، ۱۶۷، ۲۱۱، ۱۸۳، ۱۸۶، ۲۰۵، ۲۵۷
الشعر الصوفی: ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۲
الطاف القدس: ۹۶
العبر فی خبر من غبر: ۱۰۱
العبقات: ۹۶
العقد المنظم فی اقام الوحی المنظم: ۲۲۹
الفصل فی الملل والا ہواء والنحل: ۱۰۲
الفوائد مجموعۃ فی الاحادیث الا موضوعۃ: ۲۵۲
الفوز الکبیر: ۴۶، ۵۶
القاسم: ۵۶
الکاشف: ۱۲۹، ۱۳۰
المتا نۃ: ۱۲۵
المحلٰی: ۱۰۲
المدینہ: ۸۲
المسویٰ: ۱۰۶، ۲۲۹
المعارف: ۱۰۳

Marfat.com

المعلاۃ: ۲۳۹

الملل و النحل: ۱۰۲

المنتظم: ۱۰۳

المواہب اللطیفہ شرح الامام ابی حنیفہ: ۱۳۹

الموطا: ۴۵، ۵۴، ۵۵، ۵۹، ۱۰۶، ۱۳۷، ۲۲۸، ۲۲۹

الوحید: ۱۲۹، ۱۳۰

الولی (ماہنامہ): ۱۳، ۱۴، ۲۴، ۲۷، ۳۰، ۳۳، ۴۰، ۴۳، ۵۲، ۵۹، ۷۰، ۸۱، ۹۴، ۹۷، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۶۲، ۱۲۷، ۱۶۸، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۶۶، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۶، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۵۸

الہام الرحمن: ۲۲۴، ۲۳۷

الہامی الباری، ترجمہ تجرید البخاری: ۱۳۰

الہام الرحمان فی تفسیر القرآن: ۹۵

امعان النظر: ۱۳۹

امعان نظر فی شرح شرح النخبۃ: ۲۶۳

املی تفسیر: ۵۸

انجیل: ۴۲، ۷۹، ۲۳۲

انساب: ۱۵۳

انفاس العارفین: ۱۸۸

ایضاح شرح مفصل: ۲۴۷

بائیبل: ۲۳۳

بحر: ۱۶۲

بدور البازغہ: ۱۸۸

بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ: ۱۰۱

بروق لامعہ: ۲۳۳

بلوغ المرام: ۱۳۹

بیاضِ واحدی: ۲۶۲

بیاضِ ہاشمی حیات القاری: ۱۳۸

تاریخ ابن خطیب: ۱۵۱

تاریخ ابن خلکان: ۱۴۳

تاریخ ابن کثیر: ۱۴۳

تاریخ اصفہان: ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۵۳، ۱۵۶

تاریخ بغداد: ۱۳۷

تاسیس النظر: ۱۶۲

تاویل الاحادیث: ۹۶، ۱۸۸

تحفۃ الہند: ۴۴، ۵۳

تحقیق الا یمان: ۲۳۳

تحقیق دین: ۲۳۳

تحقۃ الشاہیہ: ۱۹۴

Marfat.com

تذکرہ مشاہیر سندھ: ۱۳۰
ترغیب الصلوٰۃ: ۷۵
ترمذی: ۴۵، ۵۴
تفسیر البیضاوی: ۴۵، ۵۴، ۲۴۷
تفسیر الصارقی: ۲۴۷
تفہیماتِ الٰہیہ: ۹۶
تقلیب المطاعن: ۲۳۳
توحید: ۸۵، ۱۳۰، ۱۲۴
توریت: ۴۲، ۷۰
توضیح و تلویح: ۵۵
تہذیب الترغیب و الترہیب: ۲۲۹
ٹائمز آف لندن: ۲۳۲
جاربردی شرح شافیہ صرف: ۲۶۰
جامع الاصول: ۱۹۴
جوامع السیرۃ: ۱۰۲
جواہر المضیئۃ فی تراجم الحنفیۃ: ۷۱
حاشیہ العصام علی تفسیر البیضاوی: ۲۴۷
حجۃ اللّٰہ البالغہ: ۴۶، ۵۴، ۵۶، ۹۶، ۱۰۶، ۱۰۷، ۲۲۹
حصر الشارد: ۱۳۹
حمد باری: ۲۳۱
حواشی عبدالحکیم سیالکوٹی علی
حاشیہ عبدالغفور: ۲۴۷
حیات الصائمین: ۲۶۲
حیات القاری باطراف البخاری: ۱۳۸
خاتونِ جنتؓ: ۱۳۰
خزانہ اعظم: ۱۳۸
خلاصتہ الحساب: ۲۶۱
خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر: ۴۰
دائرۃ المعارف: ۱۳۷، ۱۳۸
در مختار: ۱۲۵
دراسات اللبیب: ۲۵۲
درالفوائد: ۷۷
دروس من ماضی التعلیم و حاضرہ: ۲۴۹
درۃ التاج: ۱۹۵
رسالہ برص: ۱۹۵
رسائل ہامۃ فی الصلوۃ: ۲۲۹
رسوخ الا حبار فی منسوخ الاخبار: ۲۴۷
زاد المسیر فی علم التفسیر: ۱۰۳
زم زم، روزنامہ: ۷۹
زندگی کا مقصد: ۱۳۰
زوائد مسند البزار: ۱۳۷
زورامتن: ۲۶۲

Marfat.com

سراجی فرائض: ۲۶۱
سطعات: ۶، ۸۰
سلم العلوم: ۵۶
سنن ابوداؤد: ۴۵، ۵۴، ۱۳۸، ۲۴۷
سنن ترمذی: ۴۵، ۵۴
سوشلسٹ: ۳۰
سیر المتاخرین: ۳۸
سیرت سید الانبیا: ۱۸۸
شافعیہ: ۲۶۰
شامل: ۱۶۲
شاہ جو رسالو: ۱۷۶، ۱۷۹
شاہ کا مطالعہ: ۱۳۰
شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۱۷۱
شاہ ولی اللہ جی تعلیم: ۱۸۸
شاہنامہ: ۱۴۲
شذرات الذہب: ۱۷۸
شرح العقد: ۲۶۳
شرح تجرید: ۲۶۱
شرح حکمۃ الاشراق للسہروردی: ۱۹۵
شرح کلیات قانون: ۱۹۵
شرح مفتاح السکاکی: ۱۹۵
شرح مواقف: ۵۴
شرح و ضمسکح: ۲۶۳
شروح اصولی بزوری: ۱۶۲
شفا: ۱۹۵
صحیح بخاری: ۴۵، ۱۲۲، ۲۲۶
صحیح مسلم: ۴۵
صحیفہ قادریہ: ۱۲۹
طبقات: ۴۳، ۸۱
طبقات المحدثین باصفہان: ۱۴۲
طوالع الانوار: ۱۲۵
عافیتہ الاودی: ۱۵۲!
عبقات: ۸۰
عقود الدرر فیما یفتی بہ فی المذہب من اقوال زفر: ۱۶۲
عقیدۃ الاسلام: ۲۲۹
عقیف تلمسانی: ۱۸۱
علم الکلام: ۶۲
فتاویٰ بزازیہ: ۱۵۹
فتاویٰ عالمگیری: ۴۰، ۷۵، ۱۲۵
فتح الباری: ۴۶، ۱۳۹، ۵۴
فتح القریب المجیب علی تہذیب الترغیب و الترہیب: ۲۲۹

Marfat.com

فہوم الاثر: ۱۰۳
فیض الباری: ۲۰۱
قاموس: ۹۵
قرآنی صداقت (آریہ سماج تحریک کارڈ): ۱۳۰
قطبی: ۲۰۸
کتاب الا نتقاء: ۱۴۸
کتاب الآثار: ۱۵۳
کتاب البصائر: ۹۵
کتاب السطعات: ۹۶
کتاب الفقیہ و المتفقہ: ۱۳۸
کتاب المغازی: ۱۵۳
کتاب الہند: ۱۱۲،۱۱۱
کشف الظنون: ۱۸۱
کفایۃ المفرطین: ۲۶۰
کلیات ادیب: ۱۲۷
کلیات قانون: ۱۹۴
گیتا: ۴۲
لطائف التفسیر: ۲۴۷
لطف اللطیف: ۱۳۰
لقط المنافع فی الطب: ۱۰۳
لمحات: ۲۲۹، ۲۳۷
مثنوی: ۱۹۴،۱۲۷
مختصر العضد: ۵۴
مختصر المعانی: ۲۰۱
مراصدالوصول الی مقاصد لاصول: ۴۵
مرقاۃ الصعود شرح ابی داؤد: ۲۴۷
مسالك الا بصار: ۱۴۵
مسلم الثبوت: ۵۴،۴۵
مسند امام احمد: ۵۵،۵۴،۴۶
مسند امام احمد بن حنبل: ۱۶۴
مشکلات القرآن: ۲۰۹
مشکلات شرح مواقف: ۴۵
مشکٰوۃ شریف: ۲۰۱، ۲۳۷
مطول: ۵۴،۴۵
مظہرالا نوار: ۲۶۱
معارف القرآن: ۸۳
معانی الاثار: ۵۵
معجم المطبوعات العربیۃ و المصریۃ: ۱۸۰
معدل اعو جاج المیزان: ۲۳۳
معرفۃ علوم الحدیث: ۱۵۳
معیار التحقیق: ۲۳۳
مکتوبات: ۱۶۴
مناقب کردری: ۱۵۴،۱۵۲
منہاج السنۃ: ۲۵۲

Marfat.com

مواحد الوصول الی مقاصد: ۵۴

مواقف: ۴۵

موضوعات ابن جوزی: ۱۰۳

مہران (سہ ماہی): ۱۸۹، ۱۹۰

نخبۃ: ۱۰۷، ۲۶۳

نسائی: ۴۵، ۵۴

نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ: ۲۲۲

نقایہ: ۲۶۰

نومسلم ہندورانیاں: ۱۳۰

وفیات الاعیان: ۱۴۲

ہدایہ: ۴۵، ۵۴، ۵۵، ۱۱۹

ہندو دھرم اور قربانی: ۱۳۰

یادِ جاناں (جان محمد جونیجو مرحوم رئیس المہاجرین کا تذکرہ): ۱۳۰

Marfat.com

یہیں معمولی معمولی اختلافی مسائل پر لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔ ان صاحب سے میری آزادانہ علمی باتیں ہوتی تھیں، مجھے اگرچہ وہ حنفی مذاق کا عالم سمجھتے تھے۔ لیکن وہ میری وسعت معلومات سے بڑا متاثر ہوتے تھے۔ وللہ الحمد، اس نوجوان سے اعلامِ حجاز کے متعلق عموماً اور مکہ مکرمہ کے متبحر علما کے متعلق خاص طور پر بڑی مفید معلومات حاصل ہوئیں۔

مناسکِ حج کے سلسلہ میں ہمارا احرام عمرہ کا تھا، لہٰذا طواف بیت اللہ، سعی صفا و مروہ اور سر منڈانے کے بعد ہم لوگ حالت احرام سے نکل آئے، اس کے بعد بارگاہِ الٰہی میں عبادت کا یہ عالم تھا کہ بس طواف پر طواف اور صبح و شام حرمِ بیت اللہ کی حاضری رہتی تھی۔ مجھے تو وہاں کے مدارس اور علما کی مجالس میں بھی جانا پڑتا تھا۔ باقی میرے دونوں ساتھی شب و روز عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

بیت اللہ میں پہلے ہی روز ایک بخاری عالم سے ملاقات ہوئی جنھیں وہاں مخدوم بخاری کہا جاتا ہے۔ مسجد الحرام میں یہ دستور ہے کہ مکہ مکرمہ کے وہ علما اور صلحا جو کہ حرم میں وعظ کرنے اور درس دینے کے مجاز ہیں، مغرب کی نماز سے پہلے وہاں پہنچ جاتے ہیں، جیسے ہی نماز مغرب سے فراغت ہوتی ہے ہر ایک عالم طلبہ یا عوام کے ایک اجتماع سے خطاب کرتا ہے۔ اسی طرح سارے حرم میں آپ کو مختلف اجتماع نظر آئیں گے، باب عمرہ کے قریب مجھے اس قسم کا ایک اجتماع نظر آیا۔ عین وسط میں ایک معمر بخاری عالم عالمانہ رعب و داب سے بیٹھے ہیں، لوگ آتے ہیں۔ ان سے مصافحہ کرتے ہیں مسائل پوچھتے ہیں، کچھ ہندوستانی اور پاکستانی حجاج ہاتھ چومنے کی بھی کوشش کرتے ہیں، لیکن وہ بزرگ جھٹکا دے کر ایسے لوگوں سے اپنا ہاتھ چھڑا لیتے ہیں اور پھر ان کو سمجھاتے ہیں۔

میں بھی آگے بڑھا۔ اپنا مختصر تعارف کرایا، جب انھیں معلوم ہوا کہ میں نے علامہ عبیداللہ سندھی سے استفادہ کیا ہے، علامہ موسیٰ جار اللہ کو جانتا ہوں اور اُن کی کتابیں پڑھی ہیں۔ وہ مجھ سے بغلگیر ہو گئے اور انقلابِ رُوس سے لے کر اب تک کے واقعات اپنی پرانی یادداشت سے سنانے لگے۔

میں نے ان کو تفسیر الہام الرحمن جلد اوّل جمع و ترتیب علامہ موسیٰ جار اللہ کا ایک نسخہ

مولانا عبیداللہ سندھیؒ
و دیگر مشاہیر

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی

مرتب: محمد شاہد حنیف

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ چیئر
سندھ یونیورسٹی، جامشورو
2017

Marfat.com